Author. Lusignan, ~~N. D.~~ Annie D.
Princess.
Eng. orig. Twelve years' reign of
Sultan Abdul Hamid II.

English original. "Twelve years reign of Sultan Abdul Hamid"

فہرست مضامین اصل کتاب

فہرست مضامین حواشی یا فٹ نوٹس منجانب مترجم

ملاحظہ چونکہ فہرست [illegible] اس لئے یہاں سے کاٹ دی گئی۔

فہرست ضمیمہ جات

(بقیہ فہرست بر صفحہ ۴ ملاحظہ)

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اردو ترجمہ خلفاء راشدین کی مستند ترین تاریخ۔ یہ بالکل مفقود الوجود تھی۔ کارخانہ دہلی نے خاص کوشش سے ایک نسخہ بہم پہنچا کر اسکا ترجمہ کرایا ہے۔ حصہ اول تین روپیہ (عہ) حصہ دوم (عہ) حصہ سوم دو روپیہ (عہ) مکمل کتاب قیمت ... ... (لعہ)

تحقیقات چشتی

لاہور کی تمام قدیم عمارات و مضافات کے علاوہ ایک طرح سے کل ہندوستان کے فرمانرواؤں کی جامع تاریخ عہد ہنود سے عہد سکھاں تک دیدی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی بالکل نایاب تھی۔ سو عربیہ کا ایک نسخہ مرلتا تھا۔ قیمت صرف پانچ روپیہ ... ... (لعہ)

ترجمہ تفسیر کبیر

سورہ الحمد کی تفسیر مؤلفہ امام فخر الدین رازی سے اب تک اردو کا جامہ پہننے کی کسی صاحب کو ہمت نہ پڑی۔ مگر یہودہ کارخانہ دہلی نے اس بھاری کمی کو پورا کر دیا ہے۔ قیمت تین روپیہ ... ... (عہ)

حسن زبیدہ

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس اور رچرڈ شیر دل کے معرکوں کا بیان ناول کے پیرایہ میں قیمت چھ آنہ ... ... (۶/)

اسرار حسن و صحت

اس میں تندرستی قائم رکھنے کے اسباب ایک فاضل انگریز ڈاکٹر نے دلچسپ پیرایہ میں بیان کیے ہیں قیمت (۸/)

حالات صدیق اکبرؓ خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ

ایک نامور مصری تالیف کا ترجمہ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ ... ... (عہ)

گنجینہ تجارت

قابل دید کتاب ہے۔ سوداگروں کے لیے اس سے بہتر رہنما اب تک اردو میں تالیف نہیں ہوا۔ قیمت ایک روپیہ ... (عہ)

حقانیت عقائد اسلامیہ ترجمہ تبیین الاسلام

شام کے ایک زندہ فاضل اجل کی بیش قدر تالیف کا اردو ترجمہ۔ مصنف کی اس دینی خدمت پر خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان نے کمال خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا قیمت ایک روپیہ (عہ)

جواہر قرآنی

قرآن کے جواہر علوم و حکمت کا نہایت تہذیب سے بیان کرنے کا حق علامہ شیخ طنطاوی جوہری مصری کی اس کتاب کا اردو ترجمہ شاہ جاپان اور جاپانی کانفرنس کیلئے مذاہب کو تحفۃً ارسال کیگئی تھی قیمت (۱۲/)

المشتہر:۔ بندہ محمد ... مالک کارخانہ ... دہلی

عرض حال

جو تیسرے ایڈیشن کے ساتھ شائع کیگئی تھی

یہ کتاب انگلستان کی ایک منصف مزاج بیگم شہزادی این ڈی لوسگنان نے سلطنت عثمانیہ میں کئی برس قیام رکھنے کے بعد ۱۸۸۸ء میں تصنیف کی تھی جس میں اعلیٰحضرت امیر المومنین کے عہد حکومت کے پہلے بارہ برس کے حالات درج کرکے دولت عثمانیہ مقتدرہ یورپ اور ٹرکی کے پیچیدہ پالیٹکس کو عملی طور پر سلجھا کر عام فہم بنادیا اور جو مشکلات جدیدہ یورپین طاقتوں کی مہربانی سے ہمارے مولانا سلطان عبدالحمید خاں کو ہر وقت درپیش رہتی ہیں انکے رفع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ایز تو ان جلالۃ الملک کی عالی دماغی اور آگاہیت تامہ کا اس سے پتہ لگایا بخوبی ہو سکتا ہے کہ یورپ کی دول عظام اور ٹرکی کے تعلقات اور انگلستان کے چند ناعاقبت اندیش مدبرین کی غلط حکمت عملیوں سے سخت خطرات پیدا ہونے کی نسبت شہزادی صاحبہ نے جو کچھ لکھا ہے انہیں سے اکثر پورے ہوگئے ہیں یا ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

اپنے ملکی بھائیوں کو اس نہایت عظیم الشان تصنیف اور اپنے خلیفۃ المسلمین کی ساعی جمیلہ سے جو سلطنت عثمانیہ کی اصلاح کیلئے کیگئی اور کیجا رہی ہیں واقف کرنیکے لیے میں نے اس کتاب کا ترجمہ اردو میں کرکے مختلف مقامات پر اپنی طرف سے جا بجا مختصر حواشی بڑھا دیئے۔ یہ ترجمہ پہلی دفعہ ۱۸۹۷ء میں مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار لاہور میں شائع ہوا۔ قدردان ہمدرد اہل اسلام نے اسے بنظر استحسان دیکھ کر خاکسار کی حوصلہ افزائی کی، اور ملک نے اس کو ایسے شوق سے خریدا کہ بہت جلد کتاب بلکہ کو ضروری ترمیمات وغیرہ ہونے کے بغیر ہی پھر دوبارہ چھاپ دینا پڑا۔ مگر اب تیسرے ایڈیشن میں حتی الوسع اس کمی کی تا امکان تلافی کر دی ہے۔

پہلے دونوں ایڈیشنوں میں بعض مقامات پر انگریزی کا تحت اللفظی ترجمہ ہونے کی وجہ سے محض اردو خوان ناظرین لوگوں کی سہولت کے لیے ہی یہ کتاب تیار کی گئی تھی انکے سمجھنے میں بہت دقت درپیش آتی تھی اس دفعہ ان کو جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، صحیح اور صاف کر دیا گیا ہے۔ ۱۸۸۸ء سے لیکر ۱۸۹۶ء تک کے واقعات کی ایزادی سے یہ کتاب اعلیٰحضرت امیر المومنین کے عہد حکومت ہے جسے خداوند کریم بہت دراز کرے، کے بیس برسوں کی مکمل تاریخ ہو گئی ہے۔ اس مبارک عہد کا اگرچہ کوئی دن اور مہینہ واقعات عجیبہ اور حادثات جدیدہ کے وقوع سے خالی نہیں رہتا، لیکن ۱۸۹۵ء و ۱۸۹۶ء و معروف مظالم آرمینیا بغاوت کریٹ و جنگ یونان وغیرہ کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہونے کے دو برس گذرے ہیں۔ اس لیے انکے حالات وکوائف بھی شرح و بسط کے ساتھ جمع

کر دینے مناسب معلوم ہوئے۔ مگر ان سے کتاب کا حجم اس قدر بڑھ گیا ہے۔ کہ دیگر ضمیمہ جات جن کا حواشی میں حوالہ دیا جا چکا ہے بعینہٖ جیسا کہ مقدمہ میں عرض کیا گیا ہے علٰحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کرنے پڑے۔ ناظرین پبلشر کی مجبوری کو اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ اس ایڈیشن کا حجم پہلے دونوں ایڈیشنوں سے زیادہ ہے۔

ترکی کے متعلق ان کتابوں کا سلسلہ شائع کرنے سے جو میرا مدعا ہے اسے میں رسالجات واقعات درد اور مفروضہ مظالم آرمینیا کے عرض حال میں گزارش کر چکا ہوں۔

اگر ناظرین میری ان خدمات کو ملک و قوم کے لیے مفید خیال فرماویں تو مجھے یقین ہے کہ وہ دعائے خیر سے دریغ نہ فرماویں گے۔ محمد انشاء اللہ عفی اللہ عنہ

عرض حال طبع پنجم

نحمدہ و نستعینہ و نصلی و نسلم علی نبیہ و آلہ و صحبہم اجمعین

اما بعد۔ انگلستان کی ایک منصف مزاج شہزادی ایس ڈی۔ لوسگنان کی مقبول تصنیف "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید خاں غازی" جسکو طبع سوم و چہارم میں خاکسار مترجم و مؤلف نے ۱۹۰۰ء و ۱۹۰۸ء تک کے ہشت سالہ ضروری حالات کا اضافہ کرکے مکمل بست سالہ حکومت حمیدیہ کی تاریخ بنا دیا تھا۔ اب قدردان ناظرین کی طلب کے باعث اسکے ختم ہو جانے پر پانچویں مرتبہ پھر طبع کرنے کا سامان کیا جانا ضروری ہوا۔

طبع چہارم میں جن حالات کا اجمالی تذکرہ ہوا ہے انکی تفصیل علٰحدہ کتابوں میں ہونے کا جا بجا اشارہ کر دیا گیا تھا۔ اور اب اس پانچویں ایڈیشن میں اکثر طبع سابق کے صرف اہم ضمیمہ جات قائم رکھے جاتے ہیں غیر ضروری خبروں اور فوٹوں کا مجموعہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ انکے عہد حکومت کے آخری تیس سال کے واقعات مفصلاً نیاز مند کی "تازہ تصنیفات و مطبوعات۔ ترکوں کی موجودہ ترقیات تاریخ حجاز ریلوے۔ مصر و انگلستان جدید ترکی دورہ وغیرہ وغیرہ میں آ چکے ہیں۔ اسلیے کسی خاص تکملہ کی احتیاج نہیں رہی آپکی معزولی کے واقعہ پر غم پر میں نے اخبار وطن میں جو مبسوط بحث کی تھی وہ کتاب جدید ترکی کے مقدمہ میں درج ہو چکی ہے۔ شائقین اسے مطالعہ کریں۔ یہاں صرف یہ لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ سلطان عبد الحمید خاں غازی با مشیت ایزدی اواخر اپریل ۱۹۰۹ء میں ۳۳ سال تک بعزو

قدیم الایام کی روایتوں کے مطابق انگریزی خارجیہ پالیسی کو قایم رکھنے کی نیت سے ویسا ہی خیال کیا جو کہ [illegible] بائبل کی ہدایت میں تعلیم لبرل فریق کے سرگروہ یہ خیال مد نظر رکھکر کہ مخالفت کرنا فریق مخالف کا ایک لازمی فرض ہے "بنی الغدر ترک" کے سخت جانی دشمنوں کے پلے میں جا پڑے۔ یعنی وہ ترکوں کے طرفدار ہو گئے۔ اور عام لوگوں میں حالت اضطراری پیدا کرکے کنسرویٹو گورنمنٹ کو جو ایسی بڑی مستقل مزاج نہ تھی اسکی آئینی ضبط بندی سے ہٹا دینے میں کامیاب ہوئے۔ اور اسکو مجبور کیا کہ وہ اپنے آپکو بجائے دولت عثمانیہ کا مستقل مددگار رہنے کے صرف اسکا ایک بیچارہ دوست ہونیکی وضع میں رکھے جیسا کہ ان حالتوں میں اکثر واقع ہوتا ہے پلیٹ فارم کے فوراً ومینک اور موسمی بتیاں (جنہیں مسٹر اسٹرہارڈ سپیکر ان میں مترجم) اور ملک کے اخبارات قبول ٭

اگر شہ روز را گوید شب است این ٭ ببایدگفت اینک ماہ و پروین

اپنے اپنے پولیٹکل تماشوں کے حقوق خدمت بجا لانے میں از سرتا پا غرق ہو گئیں یہانتک کہ ہر ایک ترکی چیز پر طرفدارانہ حقارت اور خلاف بیانی کی دہرا دینے والی روشنی ڈالی گئی۔ اور اس شعلہ انگیز بیان سے ہر ترکی مذہبوں کا ہر ایک قول و فعل بدنما اور بیجا ظاہر کیا گیا جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ آج اس زمانہ میں بھی ایک ایسی سلطنت کے حالات واقعی معلوم کرنا جو وسعت میں بہت بڑی اور سب عجائبات میں عظیم الشان ہے۔ اور جسکی قسمت کے ساتھ خود ہماری اپنی قوم کے نہایت ہی عزیز اور قیمتی تعلقات وابستہ ہیں قریب ناممکن کے ہے۔ ایک خاص نامہ نگار جس نے واقعی امور لکھے ہوں اگر کسی خاص وقت انکا بیان کرنا اس پارٹی کے ان فوری فوائد کے نا مناسب ہو جن پر اسکا آقا اسوقت گرویدہ ہو رہا ہے۔ تو وہ اپنے مضمون کے مسودہ کو بالکل مسخ یا تراشا ہوا یا کبھی تو بالکل ہی نظر انداز کیا ہوا پائیگا اور اپنے آپکو ملازمت سے برطرف دیکھ لیگا۔

ان حالات کو ایسا سمجھنے اپنے ملک کے بہت ہی بڑی تجارتی اور ملکی تعلقات کو جو اسوقت سلطنت عثمانیہ میں نازک حالت میں ہیں مد نظر رکھکر یہ خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے کہ صداقت کی ایک تھوڑی سی خفیف روشنی ان آنکھوں کو جو ابھی فریقانہ اسلحہ حرب کی چکاچوند سے ماند نہیں پڑ گئیں بہت ہی معلوم ہو گی۔ اسلئے میں نے اپنا یہ فرض جانا ہے کہ نوجوان نسل کو وہ حالات اور سچے واقعات بتاؤں جو میں نے ترکی میں بہت سال رہکر حاصل کئے ہیں اور ساتھ ہی ان الطاف کریمانہ و عنایات خسروانہ اور اس عزت و امتیاز کا شکر و امتنان کے خیالات ظاہر کروں جو مجھے اس ملک میں نصیب ہوئے ہیں جو خاص کر اس نامور شہنشاہ کے ہاتھوں ہوا جو اسوقت اسلامبول کے تخت قیصری پر زیب افروز ہے ٭ پرنسس این ڈی لوسگنان ٭

۴ جون سنہ مذکور کی صبح کا منظر ہے باسفورس کے کنارے پر جبکہ روس کے جہاز عیسائی تہوار (جس
نام Whitsuntide ہے) کی خوشی میں پھریرے اور جھنڈیاں ہوا سے لہرا رہے تھے ایک محل میں
ایک ایسا دردانگیز واقعہ ظہور پذیر ہوا کہ اس کی نظیر شاہان عثمان کی تاریخ میں بہت کم ملیگی۔

آئینے کے سامنے ایک بوڑھا آدمی حجامت میں مشغول ہے۔ ایک آدمی کھڑا ہے جسکا غمگین اور اداس چہرہ زندگی سے
بیزاری ظاہر کر رہا ہے گاہ بگاہ اسکی نظر آئینے سے ہٹ کر اس دریچے پر جا پڑتی ہے جس میں سے وہ باسفورس
کے جہازوں کی دلفریب آراستگی اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں کا بڑے بڑے لنگر انداز جہازوں کے بیچ میں
ادھر اُدھر لہراتے پھرنا اور یورپی ساحل کی رونق بھری نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ دفعتاً ایک دوسرے کمرے
سے جو اس کے دائیں ہاتھ پر ہے ایک قدرے اونچی آواز اس کی توجہ کو ادھر سے ہٹا دیتی ہے۔ وہ اپنا سر گھما کے
اُدھر کو ایک عورت کو دیکھتا ہے جو ڈری ہوئی آنکھوں سے آ اور دروازے کے شیشے میں سے اس کی طرف جھانک
رہی ہے۔ ایک مضطربانہ انداز اور وضع سے وہ اس طرف جاتا ہے اور دروازے کا قفل بند کر دیتا ہے اور عورت
غائب ہو جاتی ہے۔ وہ پھر آئینے کے پاس آکر قینچی سے اپنی چھوٹی سی گھنی داڑھی درست کرنی شروع کرتا ہے۔ مگر بار
بار اپنے شانے پر سے دروازے کی طرف دیکھتا جاتا ہے کہ اب کوئی اس کی نگرانی نہیں کر رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد پھر
وہی عورت دروازے پر نمودار ہوتی ہے مگر وہ آئینے کے سامنے کوئی شخص نہیں پاتی بلکہ اس ... کمرے کے
اندر سے کوئی آواز بھی نہیں سنتی۔ وہ کمرے کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے گردن لمبی اونچی کرتی ہے۔ اور ایک
خوبصورت پلنگ پر جو دیوار کے ساتھ لگا ہوا ہے ایک ایسا نظارہ دیکھتی ہے کہ مارے خوف کے چیختی ہوئی ساتھ
کے کمرے میں اپنی سہیلیوں کے پاس دوڑ جاتی ہے۔

دوسرے لمحے میں حرم سرا میں شور مچ جاتا ہے اور حرم کی تمام عورتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور کمرے کے دروازے کو توڑا جاتا
ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور خوف زدہ مستورات اس کے پاس پہنچ جاتی ہیں جو چند منٹ پہلے ان کا مالک تھا۔
بایں ہیئت کہ داڑھی کا ایک حصہ پریشان سا چہرہ پھولی پھولی ہوئی آنکھیں ہیں جیسے کہ خواب ناز میں ہو۔ ایک بازو
ننگا اور اسکی ایک طرف لٹکتا ہوا وہ شخص پڑا ہے جو چند لمحے پیشتر ان کی جانوں کا مختار مطلق تھا۔ اور اس کے ہاتھ
کی انگلی ابھی قینچی پکڑے ہوئے ہے کہ جس سے وہ اپنی داڑھی ترش رہا تھا۔ چند عورتیں لاش پر گر پڑتی ہیں۔ مگر فوراً
خون سے ہراساں ہو کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں ان کے ہاتھ سرخ ہو گئے ہیں کیونکہ کپڑے خون سے تر ہیں۔ تاہم جسم پر کوئی
نشان جبر و تعدی کا نہیں پایا جاتا۔ ان کی سمجھ میں پریشان حال عورتوں میں ایک ضبط کئے ہوئے خاموشی
بھی ہے جو سب سے ضعیف ہے۔ اور جو قانون قدرت کے مطابق آج تک اس سے کوئی چل رہی ہے سلطنت کی
بدحالی ہے۔ وہ ایک حاکمانہ وضع سے جس کے سامنے اب کوئی شخص چون و چرا نہیں کر سکتا ہے...

میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ میرا بیان اُن اشخاص کی رائے پر کچھ اثر نہ رکھیگا جو پالٹکس (علم انتظام سلطنت) کے ان ہی خیالات سے روشنی لیتے ہیں۔ کہ مسٹر ولگن جو بحال بحیثیت عہدہ دار ہونے اطلاع یابی کے کل واقعات کی کیفیت سے بیخبر ہوں۔ اکثر ان لوگوں کی نسبت جو موقع واردات پر موجود ہوں زیادہ درست نتیجہ نکال لیتے ہیں جیسا کہ بہ کثرت ایک شہری کو افسر انتظام ہند کے کسی مسئلے کے حل کرنے میں بہ نسبت اُس عہدہ دار کے جسنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ ہندوستانی ملازمت میں خرچ کیا ہو زیادہ قابلیت رکھتا ہے"۔

مگر میں اس بارے میں فیصلہ کرنیکی جرأت کرتی ہوں (اگر مسٹر گلیڈ اسٹون اجازت دیں) کہ کیا یہ مسئلہ ہم وطنوں کا بہت سا حصہ اس فیشن ایبل مغالطے کی تقلید کرنیکے لائق ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور اسی لیے میں یہ بیان کرنا مناسب خیال کرتی ہوں۔ کہ باوجودیکہ میں نے اپنی زندگی کے گذشتہ دس سالوں کا بہت بڑا حصہ مشرق میں صرف کیا ہے۔ اور ایسے اکثر اشخاص سے رشتہ اتحاد اور دوستی رکھتی ہوں جنکے ہاتھوں میں سلطنت عثمانیہ کا انتظام ہے۔ تاہم میں آجتک کسی ایک ترک سے نہیں ملی جسے سلطان عبدالعزیز کے قتل ہونے میں اس امر کا شبہ ہو تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ ایک عورت نے جو اب ایڈریانوپل کے ایک بڑے عہدہ دار سے بیاہی ہوئی ہے اثنائے گفتگو میں جب اس حادثے پر بحث چھڑی۔ بیان کیا کہ اس تمام جھگڑے اور خرخشے کا کیا فائدہ ہم سب اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ وہ (عبدالعزیز) قتل کیا گیا تھا۔

سلطان عبدالعزیز کی زندگی کے آخری گھنٹوں میں جو کچھ اس کمرے میں حقیقت واقع ہوا ہمیشہ کے لیے ایک بحث طلب امر رہیگا۔ اسقدر متضاد شہادتوں کے وقوع کی باعث اصل واقعی معلوم کرنیکے لئے نتائج پر نظر کرنیکی بجائے اسباب و اغراض پر غور کرنا چاہیے۔ اور اسی طریقے کو مسٹر ہنری ایلیٹ نے باوجود ان اطبا کے سارٹیفکٹ کے ذکر کرنیکے جنہوں نے سلطان کے مردہ جسم کا معاینہ کیا تھا پسند کیا ہے کیونکہ اس نے مقتول کے پاگل ہونے اور اوس کے قتل کئے جانے کی کسی طرح کی غرض نہ موجود ہونے کو ثابت کرنے میں بڑی بیقراری اور اضطرار ظاہر کیا ہے۔

اوّل سلطان کی دلی و دماغی کیفیت اور خودکشی کے متضاد و بادی النظری ممکنات کو لیجیے۔ مسٹر ہنری نہایت ہی سرسری اور بیہودہ امور کی طرف جھک کر اور ان سے بہت ہی بڑا اندازہ اور غلط نتائج نکالنے سے نہیں جھجکا۔ مثلاً وہ لکھتا ہے "بعض اوقات وہ سلطان کسی چیز پر جو شاید شاہی کی تحریر کی گئی ہو نظر کرنے کا عادی تھا۔ اور اسلئے ہر ایک کاغذ اوس کے سامنے پیش کئے جانے سے پہلے سرخ سیاہی سے نقل کیا جاتا تھا سفیر متعینہ ممالک غیر اپنے اپنے مقام پر نہ جا سکتے تھے۔ اور ان کو بہت عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا تھا کیونکہ سندات و مراسلوں کو بجانب شاہان ممالک غیر سرخ سیاہی سے تحریر کرنا بیقاعدہ تھا۔

اور وہ کسی چیز پر دستخط نہ کرتا تھا جو سرخ روشنائی سے تحریر نہ کی گئی ہو۔ اب کیا یہ بات قابل تسلیم ہو کہ
سر ہنری ایلیٹ جو قسطنطنیہ میں عرصہ دراز تک اپنے ملک کا معتبر ایلچی رہا اس امر سے ناواقف ہو کہ ترکی سفراء
اور ایلچیوں کی سندات تقرری پر سلطان کبھی دستخط نہیں کرتا بلکہ وہ باب عالی کی طرف سے دی جاتی ہیں اور سرخ
سیاہی ہی سرکاری نوشتوں میں برتی جاتی ہے کیونکہ سرخی ہی شاہی خاندان بانیٔ زینتان کا رنگ ہے
اور ہمیشہ سے شاہان مشرق اور سلطان اعظم اسی کا استعمال کرتے آئے ہیں اگر بادشاہوں کی ایک فہرست اسی مناسب
ہو تفصیلی بحث میں ان کے پاگل پنے کے ثبوت میں لیجا سکتی ہے تو بتاؤ تو سہی اس وقت یورپ کے تاجداروں
میں سے کتنے ایک پاگلخانوں کی دیواروں سے باہر رہ گئے ؟

سلطان کی مفروضہ مایوسی کے بارے میں جو لکھا گیا ہے اس میں ہم کو ہرگز کوئی ذرا سی وجہ بھی نہیں پائی جاتی
تقدیر کے مسئلہ کو جو ہر ایک ترک کے کیرکٹر میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور جس کی باعث وہ تکالیف اور
مصائب کے پیش آنے پر بچا رہا ہے۔ قسمت اور فلسفیانہ سنجیدگی کے ساتھ آنے والے امور کا منتظر رہتا ہے
الگ بھی وہ سلطان اپنے سے پہلے بادشاہوں کی تواریخ اور قسطنطنیہ میں معاملات کی اصلی کیفیت سے بے علم نہ
تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ عثمانی سلطنت کی تاریخ میں بار بار نہیں کہ اگر کوئی بادشاہ جو امور سلطنت
کے کسی تغیر سے معزول کیا گیا ہے۔ بعد ازاں یا تو وہ دوبارہ تخت پر بٹھلایا گیا۔ یا اس نے اپنی بقیہ زندگی کا
شان و شوکت تنہائی میں گذارنے کی اجازت پائی مصطفےٰ اول ابراہیم اول محمد چہارم مصطفےٰ ثانی اور سلیم ثانی
کی تواریخ کو جانتے ہوئے تاریخانہ گذشتہ واقعات مایوسی کی سرگوشیوں کے اوپر غالب آ جانے کے باعث
تھے۔ نہ ہی پولیٹیکل حالت اس وقت کوئی ایسی بڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ جوان ترکی ایک چابک حرکت
عملی (چالبازی) سے غالب آ گئی تھی تاہم عبدالعزیز خوب جانتا تھا کہ قدیم ترکی کی طرح ابھی بالکل
ہی بار نہیں گئی۔ اور نیز یہ کہ بانیہ اوس کی اغراض و مقاصد کی رو سے عبارت مجھ سے زور سے معاون ہے۔ اور
یہ باور کرنے کی بھی اوس کے پاس کافی وجہ تھی۔ کہ سپاہ کا بہت بڑا حصہ اوس کا دلی خیر خواہ ہے جن کی بہتری
اور اصلاح کا وہ ہر وقت نگران و خواہش رہتا تھا۔ ان دلائل پر یہ اندیشہ نہ کرو کہ اوسے مراد کی صحت کا حال
پورے طور سے معلوم تھا۔ اور بایں وجہ وہ جانتا تھا۔ کہ اوس کی معزولی کوئی چند دنوں ہی کی بات ہے۔ اور یہ امر بھی اور نہ
ہر ایک شخص کو جو اس وقت اسلامبول میں تھا۔ بخوبی واضح ہے کہ خودکشی کے اسباب و اغراض بالکل مفقود
تھے۔ میں یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ اسلام میں مذہب عیسوی کی طرح خودکشی ممنوع ہے۔ اور سلطان
اپنے احکام شرعی کا سخت پابند تھا۔

ہاں البتہ وہ سب امور جو عبدالعزیز کو اپنا وقت تنگ اور تکلیف دہ اور خاموش رہنے پر آمادہ کرتے۔ اوس کے

مخالفین کے لئے اس بات کی بھی کافی وجہ تھی کہ ایسے پولٹیکل جتھہ گردی کے حامی سے مجبور کر دیا جائے۔ وہ
روسی سفارت دیباری Diplomacy کے انتہاک استقلال اور اس امر کو جب تک ماضی سازش موجود ہے
سازش رفع نہ ہوگی بخوبی جانتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ نئے سلطان کی تخت کا راز مدت تک مخفی نہیں رہ
سکتا۔ وہ سپاہ کے بغاوت کرنے سے ڈرتے تھے جیسا کہ بہت حد تک جیسا کہ بیان ہوا اپنے قدیم آقا سے دلی
عداوت رکھتی تھی۔ انکو معلوم تھا کہ جتھہ گردی کی پالیسی کا اودھر جانا کامیاب سازشوں کے لئے صرف پولٹیکل تبدیلی
ہی باعث نہیں ہوتا بلکہ جلاوطنی اور قتل کا بھی۔ اور تاریخ ہمیں سکھلاتی ہے کہ وہ اشخاص جو انقلاب سلطنت
کے قبضے کے عنصری دکبری کو قبول کرلیتے ہیں۔ اس کے نتیجے پر کار بند ہونے کو مجبور ہیں۔

لیکن الامری جیسے بادی النظر کی شہادتوں کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب اس انقلاب کے
کرنے والوں کے مقدمہ کیطرف رجوع کرنے سے پیشتر میں ایک نہایت لفظ سر ہنری ایلیٹ کے مضمون پر
لکھتی ہوں جس کی یہی وجہ ہے صرف میں اس واقع کو بطور کہانی کے لکھنے کی بجائے دلیل کی طرز
میں تحریر کرنے پر مجبور ہوئی۔

جب کوئی مصنف پبلک کے سامنے گزشتہ دس سال کے واقعات کی داستان لیکر آئے جن میں اوس
نے ایسے منتخب اشخاص پر جو بہ حیثیت اپنے منصب کے اوس کے ساتھ بحث کرنے یا اوسکی تردید میں شہادت
پیش کرنے سے معذور ہوں سخت ناقابل برداشت حملے کیے ہوں۔ اور تہمتیں لگائی ہوں۔ تو ناظرین کو جن کو
اوس نے مخاطب کیا ہو اسکی ذاتی سچائی اور حیثیت کا امتحان کرنا پڑتا ہے۔ اور اسکا دریافت حال کرنا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اوس نے وہ واقعات چھپا دیے ہیں جو اوس کے پیش نہاد منصوبے
کے برخلاف تھے۔ تو اس سے واضح ہو جاویگا کہ اوس نے اس کتاب کو کم از کم اگر بڑی رعایت سے کہا جائے
ایک طرفداری کی پُرجوش حالت میں لکھا ہے۔ اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اوس نے واقعات کی تفصیل بیان
کرنے میں عمداً غلطی کی ہے تو ہر ایک منصف مزاج جج کو اس کے اصلی اور خود ساختہ قولوں اور مسائل سے اگر کمال بے
اعتباری نہ ہو۔ تو پوری بدگمانی تو ضرور ہو جائے گی خواہ صاف اور علانیہ یہ کہا جائیگا کہ وہ ناقابل اعتبار۔
غیر معتبر یا بے وزن شہادت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں سر ہنری ایلیٹ کے بارے میں ثابت کیجا سکتی ہیں۔
جسکا مضمون مورخانہ طور پر واقعات بتانے کو نہیں۔ بلکہ بظاہر کسی مقدمے کو درپیش لانے اور تقویت دینے
کے لئے ایک وکیل کی سی تقریر معلوم ہوتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جیسے مثلاً میں ابھی بیان کر چکی ہوں کہ سر ہنری اپنے مقدمے کو تقویت دینے کیلئے
ایسے امور کو بھی جنکی اصلی کیفیت بالکل دوسری طرح پر ہے کیا حلف شہادت میں شامل کر لیتا ہے

لیکن اس قسم کی ایک اور بھی بہت بڑی نظیر اس مضمون کے آخری حصے میں موجود ہے جس میں نوجوان سرکیشین افسر چرکس حسن کا حسین عونی پاشا کو مجلس شوریٰ میں قتل کرنے کا ذکر ہے حسین عونی اور فوج کا جو متوفی سلطان کے مرنے کے وقت اس کے محل کی محافظ تھی افسر تھا۔ اس بات کو محل کا پرانا گارڈ ہٹا دیا جا کر نئی رجمنٹ مقرر کی گئی تھی جس سے عبدالعزیز کا کوئی ذاتی تعلق نہ تھا۔ اور جیسا کہ اخیر کا تفتیش مقدمہ میں ظاہر ہوا سلطان عبدالعزیز کی جان لینے کی تجویزوں کو پورا کرنے میں باغیوں کا بڑا بھاری آلہ یہی تھا۔ سلطان کے مرنے کے دس دن بعد جبکہ حسین مجلس شوریٰ میں موجود تھا چرکس نے ایوان شوریٰ میں داخل ہو کر اسکو جبکہ وہ بیٹھا ہوا تھا ویسے ہی گولی سے مار دیا پھر اسکے ساتھی مارشی رشید پاشا کو قتل کیا۔ اور وزیر بحریہ کو علاوہ ان بہتوں کے قتل و مجروح کرنے کے جنہوں نے اسے پکڑنا چاہا مجروح کیا۔ اب سر ہنری ایلیٹ نے اس کہانی کو بڑی تشریح سے اور نہایت ہی بڑی ہنرمندی لیاقت اور چالبازی سے لکھا ہے اگر افسانہ نویسی میں مشق کرنی چاہے تو مشہور ناول نویس ہو جائیگا۔

پھر سچا ظاہر کرتا ہے کہ "میں اس وقت کے تمام واقعات سے بخوبی واقف ہوں اور میری قوت حافظہ کی یادداشت میں وہ اب تک برابر تازہ ہیں"۔ وہ اس ناجائز قتل کے اضافہ کا بیان مجھے اخیر پر لکھتا ہے کہ:

"سوائے اس ذاتی کاوش کے جو چرکس کو وزیر جنگ سے تھی کسی اور پولیٹیکل خیال نے اسے برانگیختہ نہ کیا تھا" اب غور کرو اگر سر ہنری یہ بتلانے میں صادق ہے کہ اگر چرکس کی ذاتی کاوش صرف حسین عونی کے ساتھ تھی تو اس نے بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے وزیر خارجیہ کو کیوں قتل کیا اور وزیر بحریہ کی جان لینے کے درپے کیوں ہوا۔ مگر میں اپنے ناظرین کی خاص کر اس امر کی طرف متوجہ کرتی ہوں کہ وہ یہ بیان کر جانا بالکل چھوڑ جاتا ہے کہ عبدالعزیز چرکس کا بہنوئی تھا۔ اب خیال کرنا سر ہنری کی بڑی ہتک ہوگی کہ وہ اس تنبیہ بخش حسرت افزا واقعہ کے دیگر سب جزو کل حال سے تو آگاہ ہو لیکن نوجوان سرکیشین اور سلطان کے اس رشتہ قرابت سے نابلد ہو۔ اس لئے باوجود جاننے کے جیسا کہ وہ اس سے ہر حال واقف تھا اور ابھی ہے اور اسکا اسکو چھوڑ دینے میں کیا مقصد کیا وہ یہ نہ تھا کہ اس سے چرکس کے وزیر پر حملہ کرنے کی اصلی غرض جو یوں پوشیدہ تھی ظاہر ہوتی ہے یعنی اپنے مقتول رشتہ دار کا عوض لینا۔

سر ہنری ایلیٹ نے شہادت کی قدر و منزلت کا ایسا اندازہ لگایا ہے جس سے ایک منطقی کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس بات کی تائید میں کہ حسین عونی کو قتل کرنے میں چرکس حسن کی کوئی خاص غرض نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک ہندوستانی غازی* کی مانند اپنے آپکو بھنگ سے بالکل مدہوش کئے ہوئے تھا

* ہندوستانی غازیوں [illegible] الجزائر ہندوستان میں عام واقع ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جان سے بیزار ہو جاتا ہے [illegible]

وہ جیں بتلاتا ہے کہ مچر گس حسن نے پہلے وزیر کو اوس کے مکان پر تلاش کیا۔ اور اوسکو وہاں نہ پاکر
مجلس شوریٰ میں اوس کے پیچھے آیا۔ بالتحقیق شہادت کے اس حصّہ کا کل وزن پاگل خونی کی کیفیت کے
ثابت کرنیکے بالکل متضاد ہے۔ مسٹر ہنری اپنی طرفداری کے جوش میں بالکل کھلم کھلا ہے دیکھئے وہ اوسے
چھپانا تک نہیں چاہتا)۔

اس کے حافظہ کی کوتاہی کا ایک اور بڑا ظاہر و باہر ثبوت تاریخی مسئلہ کے بارے میں ہے وہ کہتا
ہے کہ کانسٹی ٹیوشن کا اشتہار ماہ جون کو ہوا اگر اسکی وجہ معلوم کرنا احاطہ عقل سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ خود
اُس کانفرنس کا جو ماہ دسمبر ۱۸۷۶ء قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی ممبر تھا اور جس کی پہلی نشست میں اکیس
توپ کی سلامی سے ہلچل پڑ گئی تھی۔ جو جدید کانسٹی ٹیوشن کی یادگار میں سر کی گئی تھی۔ اگر اوسکو توپوں کی شلک
بھول گئی ہے۔ تو کیا اوسے مدحت پاشا کے معاونین کی وہ چیرز اور خوشامدی ستائشیں بھی بھول گئی ہیں
جو کانفرنس کو ناکامیاب کرنے میں اسکی مفروضہ کوششوں کے صلہ میں اوسے دی گئی تھیں۔

اب کچھ تھوڑا سا بیان اُس تحقیقات کا (جسکو مسٹر ہنری ایلیٹ نقلی تحقیقات کے نام سے پکارتا ہے)
جسمیں قاتلان عبدالعزیز اپنے کیفر کردار کو پہونچے سُنئے۔ ہاں البتہ یہ خیال کرنا شاید حُبّ الوطنی ہو کہ وہ کل
تحقیقاتیں جو اولڈ بیلی یعنے[له] Old Bailey کی حدود سے باہر کی جاتی ہیں انصاف کی صرف جھوٹی
نقالیں ہیں اور وہ کل جج جن کو انگلستان کے وزیر اعظم نے مقرر نہ کیا ہو صرف ظلم پرست اور ستم کے
غلام ہیں۔ لیکن ماسوائے اس کے کہ یہ انگریزی وہم ہمیشہ کیلئے درست مانا جاوے نقلی ہونیکی صفت اوس
عدالت پر چسپاں ہو، جو جون ۱۸۸۱ء کو قسطنطنیہ میں نشست کی تھی عاید نہیں ہو سکتی۔ علم عملی عدالتیں ان
الزامات کی تحقیقات کی جوابدہی کے لیئے جو اون پر لگائے گئے تھے پیش کئے گئے۔ اس تحقیقات میں ہر فرد بشر کو بار
عام تھا اور عدالت کا پریسیڈنٹ ایک عیسائی تھا۔ اور کارروائی عدالت کیوقت کل سفراء دول خارجیہ کے وکیل
اور نائب موجود ہوتے تھے سب کچھ معمولی قانون کے مطابق کیا گیا۔ اور کوئی قانون جبریہ قیدیوں سہولیت پیدا
کرنیکے واسطے پہلے ہی سے پاس کیا گیا تھا۔ جیسا کہ مہذب ممالک اور حکومتوں میں ہوا ہوتا ہے۔

کیفیت حشیش (حاشیہ صفحہ ۱۲) تلوار یا کوئی اور ہتھیار لیکر بے تحاشا شارع عام میں دوڑتا پھرتا
ہے اور جو سامنے نظر پڑے اوس کا کام تمام کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ خود مقتول یا سخت مجروح ہو جاوے کہ طاقت
حرکت بھی سلب ہو جاوے۔

له ہنری صاحب کو غالباً علم طب سے واقفیت حاصل کرنا چاہیئے۔ عام مسئلہ ہے کہ بھنگ کے نشے سے متہور سے متہور بھی پہلے
درجہ کا ڈرپوک ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کو قتل کرنا تو بجائے خود وہ اپنے سایہ سے ڈرا کانپتا ہے۔

له لندن کا ایک محلہ جہاں عدالتیں متعلق ہیں۔

نو مجرم بہت لمبی تھی جس کے پڑھنے میں اڑھائی گھنٹے صرف ہوئے۔ اسمیں سب سے بڑھ کر مطلب خیز
فقرہ وہ تھا جس میں یہ بیان کیا گیا کہ سلطان مراد کی معزولی کے بعد سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی پر
محل سلطانی کے اخراجات کو کم کر دینے جانیکا فیصلہ ہوا۔ اور اس غرض کیلئے کل عہدوں اور ملازمتوں کی
پڑتال کیگئی۔ اس کے دوران میں معلوم ہوا کہ تین شخص جو نہایت ہی ادنیٰ کام پر مامور ہیں ایک ایک سے پو
و چند سو روپے ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ بعد تحقیقات ظاہر ہوا کہ یہ تنخواہیں انکو بعوض ان خدمات کے
اُنہوں نے سلطان عبدالعزیز کے قتل کرنے میں کیں ملتی ہیں۔ قصہ کوتاہ انہوں نے اقبال کیا کہ ہم تینوں سے محمود
پاشا نے حلف رازداری لیا تھا جو کونسل وزرا کا جو اراد سلطانی کے بعد سے مقرر کیگئی تھی۔ اور جسکے حکم
اجازت بغیر کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ جنرل ایک کارکن وزرا کے تھا۔ عبدالعزیز کو قتل کر دینے کے علاوہ کونسل وزرا نے
باقی کل شہزادگان کو بھی مار ڈالنے کی ٹھان لی تھی جنکو اسی غرض کے لئے سپاہی کو شک میں مدعو کیا گیا تھا مگر
اس سازش کے قدرے فاش ہو جانے پر شہزادگان نے دعوت قبول نہ کی تھی۔

پہلی شہادت مصطفٰے پہلوان کی تھی جس نے بیان کیا کہ مجھے محمد جلال نے بلا کر اقرار کیا کہ وہ مجھکو اور
دو شخصوں کو ایک ایک سو پونڈ ماہوار دیگا اگر ہم عبدالعزیز کو اُس چاقو سے جو محمد جلال ہمیں دیگا رگیں کھولکر ہلاک
کر دیں۔ پھر فوزی پاشا نے اس وعدے اور سابق ہدایات کی تصدیق کی۔ اور ہم سے حلف رازداری لیا۔ اور
ہم میں سے ہر ایک کو علاوہ سو پونڈ ماہوار کے تیس تیس پونڈ یکمشت بطور انعام کے ملے۔ گارڈ روم میں اکر رات
بسر کرنیکے بعد ہمکو افسران نجیب بے و علی بے ذی مستوفی سلطان کے محل سکونت میں داخل کیا۔ جرم کا ارتکاب
فہری بے کے عین زیر نظر مطابق اُس کی ہدایات کے ہوا جس نے سلطان کو شانوں سے پکڑ
رکھا۔ محمد جلال و آغا لاقوں کو قابو کئے رہے۔ میں خود دونوں بازوؤں کی رگوں کو کاٹا۔ اور نجیب
و علی کمرے کے دروازے پر نگران رہے۔ پھر لاش کو کمبل میں لپیٹ کر گارڈ روم میں لے گئے جہاں آ
ایک سہ پایہ پر رکھ دیا گیا۔"

سوال از جانب عدالت: "کیا یہ سچ ہے کہ گارڈ روم میں لیجانے وقت سلطان میں ابھی تک علامات زندگی
پائی جاتی تھیں؟" جواب: "مجھے معلوم نہیں مگر میرے خیال میں وہ بالکل مر چکا تھا۔ محض مردہ۔ خود سر گ
حاجی محمد آغا نے مسبوق الذکر کے بیانات کی ہر دو کل پر تصدیق کی۔

جگلی مصطفٰے نے جو سلطان کے قتل کرنے میں معاون ہو چکا پہلے اقبال کر چکا تھا۔ اب اپنا اقبال واپس
لیا اور اس نے تسلیم کیا کہ "میں نے یہ بیان کیا تھا کہ فوزی پاشا نے مجھے اور میرے ساتھیوں سے حلف لیکر
سلطان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر یہ بیان درست نہیں مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ بلکہ بر

اس کے فہمی پاشا نے ہمکو سلطان کی بحفاظت درجہ خبرداری کرنیکا حکم دیا تھا۔ اور ہم نے ویسا ہی کیا
لیکن بدبختی سے سلطان عبدالعزیز نے دوسرے ہی میں خودکشی کرلی۔"

سوال "کیا تم سلطان کے قتل میں شامل تھے؟" جواب "نہیں میں نیچے تھا مگر شور سنتے ہی تو پہونچا
گیا۔ اسوقت اس حادثہ جانکاہ کو معلوم کیا۔" سوال "مگر تم اس کے عین برعکس اقبال کرچکے ہو" جواب
"مجھ سے غلطی ہوئی۔"

مدحت پاشا کے عدالت میں داخل ہونے پر حاضرین پر ایک حالت سی طاری ہوگئی آپ نہایت متانت سے گفتگو کی
اور بار بار ہر ایک شخص سے سوال لیا جاتا تھا۔ اونہوں نے کہا۔ کہ مجھے پیشتر از تحقیقات مجرم گردانا گیا ہے مگر ساتھ
ہی اس نے سلطان کی اس نصفت پسندی پر داد دی۔ کہ عدالت کو بہ نسبت میری تحقیقات عام پبلک میں کیجانیکا حکم
دیا ہے۔ اونہوں نے کسی ایسی کونسل وزراء کے موجود ہونے سے جسکا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اور بغیر جسکے حکم کچھ نہیں ہو
سکتا تھا۔ بالکل لاعلمی بیان کی۔ اونہوں نے انکار کیا۔ کہ سلطان کے قتل کے لئے کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اس بیان لیا کہ
اس کو ہر قسم کے اسلحہ لیلئے جانیکا حکم دیا گیا تھا جونہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ جونہی سلطان کی خودکشی کی خبر میں نے
سنی مجھے ڈر تھا۔ کہ مجھ پر شک کیا جاویگا۔" سوال "تم نے باضابطہ تحقیقات لاش اور دریافت وجہ مرگ کا کیوں
نہ حکم دیا؟" جواب "اونڈر وزیروں سے پوچھو کہ یہ صرف میرا ہی کام نہ تھا۔ اگر مجھ پر الزام عاید ہوسکتا ہے تو
ویسا ہی دوسرے وزراء پر بھی۔"

مارکیل آفندی ازجملہ اطباء میں سے تھا جنہوں نے عبدالعزیز کے جسم کا معاینہ کیا۔ حلفاً بیان کیا کہ تینے
دوسرے ساتھیوں نے متوفی سلطان کی صرف بازو پاؤں اور چہرے کا ملاحظہ کیا۔ کوئی تحقیقات سر کا ہیچ
نہ کی گئی اور نہ ہی پوسٹ مارٹم (مردے کے اعضا کا امتحان) ہوا۔

ابراہیم آفندی محل سلطانی کے ایک افسر نے جہاں وکی طرف سے عبدالعزیز کے پاس پیغام لیکر گیا تھا۔ اس تغلیم
اور بدسلوکیوں کی شہادت دی۔ جو علی بے کے ہاتھوں سے عبدالعزیز برداشت کررہا تھا۔ اوسنے بیان کیا کہ
انعام پاشا تک بھی کونسل وزراء کی اجازت کے بغیر معزول سلطان کو نہ ملتا تھا۔" اوسنے حلفاً کہا کہ قتل عام
کے تینوں مرتکب کونسل وزراء سے خفیہ طور پر ملے تھے۔

میجر احمد آفندی اور جنرل عثمان پاشا نے قسم اور حلفاً گواہی کہ یہ قتل کی قبل رات کو علی بے سلطان کے
محل سکونت میں تھا۔

اس مقدمے میں نہایت ہی نمایاں امر شاید ملزمان کے وکلاء کی تقریریں تھیں۔ رفیع آفندی مصطفے پہلوان
کے وکیل نے تو آخر میں خودکشی کی بحث ہی کو الگ رکھدیا۔ اور گواہوں نے قتل کا صاف صاف

مدحت انگریزوں اور ان کے طریقوں کا بڑا مداح تھا۔

اقبال تو نہ کیا۔ مگر اس بات پر زور دیا کہ اگرچہ میرے موکل فعلاً مجرم ہیں لیکن قانوناً نہیں کیونکہ انھوں نے صرف احکام صادرہ کی پابندی کی ہے۔ وہ بمنزلہ ایک مشین کے تھے جو کسی ظالمانہ حکم کی تعمیل کرتا ہو۔

اقبالی ملزم کے وکیل نے بیان کیا کہ اسکا موکل اقبال کرنیکی وجہ سے گو مجرم قتل ہی ہو لیکن بریت کا مستحق ہے۔ مگر وہ ساتھ ہی اسپر بھی زور دیتا تھا کہ قتل وقوع میں نہیں آیا۔ اور اسنے اپنے بچاؤ کا زیادہ انحصار اقبالی ملزموں کی شہادت کے اس امر میں خلاف ہونے پر رکھا کہ وہ اگرچہ سب بیان کرتے ہیں کہ قتل بذریعہ ایک چاقو کے واقع ہوا۔ لیکن ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ زخم قینچی کی نوک سے کئے گئے تھے۔

کوئی شخص جو بچاؤ کی ان تقریروں کو پڑھے۔ یہ جانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ یہ تقریریں بڑے لائق اور چالاک آدمیوں کی ہیں جو ایک بڑی زبردست شہادت کے مقابلہ میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ شہادت کا خاص کر بڑا زبردست حصہ اطبا کا حلفاً اظہار ہے۔ جنہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ جس آدمی نے اپنے ایک ہاتھ کی ایک رگ کو کاٹ دیا ہو ہرگز دوسرے ہاتھ کی رگ نہیں کاٹ سکتا۔ کیونکہ زخمی بازو بالکل ناکارہ ہو جاتا ہے۔

تحقیقات کا سب سے دلچسپ باب عدالت اور مدحت[1] پاشا کا مباحثہ تھا۔ جسنے اپنے بچاؤ کیلئے بڑی متانت اور سلیقے سے کوشش کی مگر اسکا مفصل بیان بالضرور بہت سی جگہ لیگا۔ اس لئے میں مجبوراً اسے چھوڑ دیتی ہوں۔ خلاصہ تمام تحقیقات پر کل ملزم مجرم ثابت ہوئے۔ مگر جرم کے مختلف درجوں کے۔ جب عدالت نے اپنا فیصلہ صادر کیا۔ تو محمود کے وکیل نے پھر زور دیا کہ میرا موکل قانوناً مجرم نہیں۔ کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے سے بالادست حکام کے احکام کی تعمیل کر رہا تھا۔

میں یہاں پر کہہ دیتی ہوں کہ تحقیقات ایک معمولی عدالت کے روبرو ہوئی تھی۔ گو یہ امر ایک انگریز کو ایسا قابل فخر نہ معلوم ہو لیکن یہ جاننے سے اسکی کو بھی قدر و منزلت ہو جاویگی کہ روم کی تواریخ میں یہ پہلا ہی مرتبہ ہے کہ سنگین پولیٹیکل جرائم کے ملزم بھی اس طرح عام قانون درجہ کی پابندی سے کہ خاص علم کی حاضری اور وکلاء و نامہ نگاران ممالک غیر کی موجودگی میں تحقیقات کی گئی ہو۔

اب صرف یہی بیان کرنا باقی ہے کہ یہ تحقیقات متوفی عبدالعزیز کے بیٹے یوسف عزالدین کی بدل الحال درخواست پر شروع کی گئی تھی۔ جسنے اپنے آپکو سلطان عبدالحمید کے قدموں پر گرا کر اپنے باپ کے قاتلوں سے قصاص چاہا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے ترکی وزراء و نوجوانان ملی ہوئی تھی کہ سلطنت کی بڑی بڑی اغراض موجودہ پالیسی میں ایک اچانک اور فیصل کن تغیر کی مقتضی ہیں۔ ہر ایک محب وطن ترک پر یہ ظاہر تھا کہ ایک خاص نمبر بلا تیغ

[1] اس کی مختصر سوانح عمری کتاب محاربات پلیونا میں درج ہے۔

یہ رائے قایم کی اور وقایع مابعد نے ثابت کر دیا کہ اونکا فیصلہ درست اور مناسب حال تھا کیونکہ عثمانستان کے
ملک کے واسطے امور سلطنت داری کی آخیر دلیل یا چارہ جوئی یہی بادشاہ گردی ہے جس میں کچھ امید باقی ہے۔
مگر یہ دکھا دینا مسلمان مدبران ملک ہی کا کام تھا کہ وہ ایک ایسی عجیب و زبردست سلطان گردی بغیر ان
کشت و خون کے ہنگاموں اور سارے خطرات جمع کئے کر سکتے ہیں جو اُن اقوام کے درمیان جنہیں اپنے پولیٹکل
انسٹی ٹیوشنوں (قوانین ملک) سے بڑی بیجا موہوم فضیلتوں پر [illegible] پولیسی اور [illegible] کی
جانبازوں کے ایسے ہی کارناموں میں ہمیشہ واقع ہوتے ہیں۔
آخرش وزراء کو ناچار ہو کر مجبوراً آخری طریقہ قایم کرنی پڑی کیونکہ شہنشاہ ضعیف العمر ہو کر ذہنی
اور جسمانی قوائے میں بالکل کمزور ہو گئے اب شفعر بادشاہ کو تخت سے اور سلطنت کو فراغ کرنیکے ہرگز قابل نہیں تھا اور بجائے
ان جزوی چارہ جوئیوں کے کچھ زیادہ بڑھ کر کارروائی کرنی ضروری ہوئی کہ اونکا ملک ایک بڑی مصیبت کی حیثیت میں
جانے سے بچایا جائے۔ بہت لگانی ضروری تھی اور وزیروں نے مستقل مزاجی اور بغیر جھجک کے وہ لگا دی
معزولی تخت سے علیحدہ کرنے سے پانچ دن پہلے عبدالعزیز نے وہ محل چھوڑ کر جہاں اوس نے زمانہ حکمرانی کاٹی تھی اوس
محل میں سکونت اختیار کی جس میں وہ مر گیا اور سلطان مراد خامس مرحوم کا فرماں روا ہوا۔
یہ تبدیلی اس کشت و خون کی نسبت جو دو سال گذرے سرویا میں بادشاہ الگزنڈر سرویا کی شہزادی کو قتل
کرنے پر ہوا جبری کم ہنگامے ہونے پر واقع ہو گئی اور اوس کی سرگذشت نے بالوضاحت تمام ثابت کر دیا کہ ترکی
اور انگلستان کی پولیٹیکل طرز حکومت کی بدولت یا موافقت کیتنی ہی پارلیمنٹ اور مدبرین کیوں نہوں تاہم قابل الذکر
کے وزراء ماہیت زبردست بادشاہ کو بہت ہی آسانی سے معزول کر سکتے ہیں۔ بنسبت اس کے کہ تا عزالبیان کے
وزیر صرف ایک پولیٹیکل مجسمے کو ہٹا سکیں۔
وزراء کی اس امید میں سلطنت کے کل عہدہ دار شامل تھے کہ سلطان مراد کی تخت نشینی سے مملکت اور
قومی حکمت عملی میں ایک نئی جان پڑ جاوے گی۔ مشرق مغرب شمال جنوب جہاں کہیں پہنچے نئے سلطان کی
تخت نشینی کی خبر پہنچ گئے قوم نے بڑی خوشی اور خرمی سے انبساط کا ڈنکا بجایا۔ تمام اخبار [illegible]
میں موجود تحریر کے ساتھ شہادت دینگے کہ شہر پیرس میں [illegible] کا ایک جلسہ عام منعقد ہو گیا معلوم ہوتا تھا

ا؎ وزراء نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو معزول کرنے سے پہلے شیخ الاسلام سے یہ استفتاء کیا تھا کہ اگر امیر المومنین
میں خلل حواس اور ملکداری سے ناواقفیت ہونیکی علامات پائی جاویں اور اپنے ذاتی مصارف کو وہ اس قدر بڑھاوے کہ
قوم متحمل نہ ہوسکی ہو اور کیا یہ سلطنت کی تکالیف اور مصیبت میں ترقی کا باعث نہ ہوگا؟ تو کیا اوسے معزول کیا جاوے؟
دونوں امور میں شیخ الاسلام نے اونکی رائے سے اتفاق کیا۔

کے لئے نہیں۔ بلکہ محض سرویا کی بھلائی کے لئے دخل دیا تھا۔ اور سرویا نے اس مجبر ترقبہ عثمانیہ پر پھر قائم ہو رکھا تھا۔ اس تمام عرصہ میں روسی سامان حرب اور اسباب ضرب۔ روسی افسر اور سپاہی۔ روسی سوار اور روسی توپیں بالجملہ تمام اسلحہ تیار و تقویت دینے کے لئے عرصے سے برابر پہونچ رہی تھیں جس سے تمام دنیا خیال کرتی تھی کہ مہلت کے ختم ہونے پر لڑائی کا پانسہ پلٹ جاوے گا۔ اور سرویا کا شیر ببر[1] اب کی دفعہ بجائے صرف دم دبا کر بھاگ نکلنے کے اپنے آپ کو اور طرح نمایاں کریگا۔ مگر واقعات نے جتلا دیا کہ سرویا کا شیر گو جھنڈوں اور سرکاری اسٹامپوں پر بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے لیکن اصل میں ایک بڑی ہی بزدل جان تھی ہو اور پھر بلی بھی ایسی گئی گذری جو کہ تیچ آگ میں سے وہ شاہ بلوط کے پھل بھی نہ نکال سکی جن پر شمال کی مقدس جہاں تمام صورت جیسے شہنشاہ روس للچا رہے تھے۔

لڑائی کے دوبارہ شروع ہونے کے ایک ہی ماہ کے اندر "بہادر ننھی سرویا" کی بچاس ہزار روسی والنٹیروں کی بیشمار کمک سے بہت ہی مضبوط ہو گئی تھی۔ بالکل بیپا ہو رہی تھی۔ یا اگر واقعی کہیں تو یہ کہ نہایت ہی بیسامانی سے منتشر ہو گئی تھی۔ اور فاتح ترکی جرنیل عثمان کی فتح مند پیشقدمی کیلئے بلگریڈ کا راستہ کھلا پڑا تھا۔ مگر وہ وہاں تک کبھی نہ پہونچا۔ روس اور سرویا کی متحدہ سپاہ کی ہزیمت اور بے سر و سامانی سے وہ پردہ بکلی بلکہ ہو گیا جس کی آڑ میں تا حال روس کی اصلی صورت نہاں تھی۔ جونہی ترکی افواج کی فتح و ظفر کی خبریں سینٹ پیٹرز برگ میں پہونچیں۔ روسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو بدین مضمون ہدایات بھیجی گئیں کہ فوراً سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر التوائے جنگ کے معاہدہ کو از سر نو شروع کئے جانیکی پُر زور درخواست کرے۔ اور بصورت انکار سفارتی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔

حضور سلطان کو بلا تردد فوراً قبول کر لینا ایک نہایت ہی اعلیٰ سبق کی صفات عظمیٰ میں داخل ہے۔ وہ پُر جوش ہو اپنی مجبور دلی مدعا کی حمایت میں پختہ ویاء سے اپنے سر کو ٹکرا دے۔ گو ہماری تحسین و آفرین کا مستحق ہو۔ لیکن ہمارے اعتبار یا بھروسے کے لائق کسی طرح نہ ہوگا۔ انسانوں کے رہبر اس قسم کے نہیں ہوتے۔

سب سے بڑا اہم مسئلہ جو عبد الحمید کو پیش آیا یہ تھا کہ وہ اپنے زبردست جانی دشمن کی اس عدیم المثال ناجائز درخواست کا کیا جواب دے۔ مگر اسمیں بھی اس نے اپنی دلی میلان اور ذاتی عزت و حکمت کو جو نئے اور دوراہی خیالات کا کچھ پاس نہ کرکے دھیا کا جو اپنی زندگی کے ہر ایک فعل میں ثابت کیا ہے۔ بلکہ صرف اپنے

[1] سرویا کے نشان علم پر شیر ببر کی تصویر ہوتی ہے۔ جیسے کہ مختلف قوموں میں مختلف نشان اور امتیاز اپنے قومی علموں پر نصب کرتی ہیں۔

ملک کی بہبودی اور یورپ کی رضامندی کو ملحوظ رکھ کر اور پانچ ماہ تک التوائے جنگ کا حکم صادر
فرمالیا۔ زار روس نے اپنی جنگی تیاریوں کو مکمل اور پورا کرنے کے لئے اس طرح سے میعاد حاصل کر کے
اب اپنا دوسرا پیادہ آگے بڑھایا۔ اوس کی طرف سے ایک ڈپلومیٹک مراسلہ سینٹ جیمز کے دربار
یعنی گورنمنٹ برطانیہ کو بدیں مضمون روانہ کیا گیا کہ زار روس کو یورپ کے حفظ امن کی اغراض کے لئے
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امن عالم کے قائم رکھنے کے لئے روس کا ایسا خواہشمند ہونا سیاست مدن کے
عالم کے لئے سخت حیرت انگیز امر ہے) عثمانی سلطنت کی عیسائی رعایا کے حفظ امان کے لئے اصلاحات کے
سوچنے اور سلطان سے ان اصلاحوں کے جاری کرنے کے لئے جنکو کانفرنس تجویز کرے ضمانت لینے کیلئے
ایک یورپین کانفرنس منعقد کی جائے۔

اگر روس کی بد ایمانی کو کافی طور پر تحقیق کرنے کے لئے کوئی کسر باقی رہ گئی ہو تو اس کمی کو مراسلہ پیش کرنے
کے متعلق واقعات پورا کئے دیتے ہیں۔ اس درخواست کو پیش کرتے وقت جو چھ ماہ قبل ازیں شائع یہ مناسب
ہوئی۔ زار نے باغیوں کی بادشاہ گردی اور ایک نئی حکومت کے قائم ہونے کے امر کو بالکل بھلا دیا۔
قومی اوضاع و اطوار کے جانی دشمن روس نے یہ جتانے کی کبھی جرأت نہیں کی کہ اوس کی قوم (یعنی رعایائے
روس) اپنے سرکاری اکثر خبر رسانی کے ذریعوں سے کبھی بھی کسی تحت مطلع نہیں ہوئی۔ یہ گمان کرنا بالکل ناممکن ہے کہ
زار کو اوس بادشاہ کے کیرکٹر اور ارادوں سے جسے حوادث زمانہ نے تخت روم پر بٹھلایا۔ ناواقفی محض ہو
لیکن وہ یہ امر بھی اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہی سلطان ہے جس سے وہ دھمکیوں اور دباؤ کے ذریعہ سے وہ بات کرانی چاہتا
ہوں جیسا ابتدا ہی سے سلطان نے برضا و رغبت خود عملدرآمد کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اور روس کی یہ
حکمت عملی کہ فریق مخالف کو بڑی تحمل طور سے تنگ اور برافروختہ کرے اشتباہ سے بخوبی واضح ہو جاوے گی
کہ زار نے "حوادث غیر مترقبہ" کی پیشبندی کے لئے انتظام کر لیا۔ وہ کیا؟ یعنی ڈیڑھ لاکھ فوج اور اپنے سو توپیں
زیر کمان گرینڈ ڈیوک نکلس سرحد پر جمع کی گئیں۔

سلطان اپنی قوم اور مذہب کے دشمن ہونے سے کچھ ہی کم ہوتا اگر وہ ان کارروائیوں کی اصلی مراد
سے اغماض کر جاتا۔ مگر اپنی آنکھیں بند کر لینا سلطان عبد الحمید کی عادت ہی نہیں۔ اوس نے عثمانی جنگی طاقت
کو اور زیادہ مضبوط کرنے اور ایسی تقویت دینے کا جو روس جیسی طاقت کے مقابلہ کی غرض سے بہت ہی ضروری تھی
حکم دیا۔ اور جب آخر کار ۱۸۷۶ء میں کانفرنس منعقد ہوئی تو یورپ میں کوئی ایک مدبر بھی اس سے ذرہ بھر
مفید نتیجہ مترتب ہونے کو ممکن یقین نہ کرتا تھا۔ کانفرنس وہ سب کچھ کر کے برخاست ہوئی جو اصل اوس کے
بانی کا منشا تھا یعنی مطلق ہیچ۔

سلطنت روس کی رعایا کو حقیقی حالات معلوم کرنیکا ہرگز موقعہ نہیں دیا جاتا۔

اپنے سچے دوستوں یعنے انگریزوں (ملنز ا) کی نصیحت کو رد کرکے اور اپنے علانیہ دشمنوں یعنے روسیوں کے دباؤ میں نہ آکر اطاعت کو نہ قبول کرکے عبد الحمید نے بغیر کسی دوسری طاقت کی مدد کے سرویا کے ساتھ شرائط صلح مقرر کرنے کی بابت توجہ کی یہاں انہیں بحیثیت فرمانروا کے اچھی کامیابی حاصل کی۔ جو شرائط انہوں نے پیش کیں۔ فوراً قبول کرلی گئیں۔ اور اس طرح امن کا وقفہ حاصل کرکے وہ اندرونی درستیوں میں مصروف ہوگئے۔

مگر ایک مصلح سلطان کو ایک مصلح وار کب گوارا کرسکتا ہے۔ ممالک عثمانیہ میں امن و حفاظت قائم ہو جانے سے روسیوں کے لئے کوئی حیلہ باقی نہیں رہ جاتا تھا۔ اور خاصکر سیروی جنگ کا ایک موقع چھین جاتا تھا اور گو روس میں نئی تہذیب کی ابتدا اسکو نہ روک سکتی تھی۔ تاہم اوس پر اصلی تو ظاہر کرسکتا تھا۔ کانفرنس کے برخاست ہوتے ہی پرنس گورچاکف نے کل دول عظام کیطرف ایک سرکلر کانفرنس کی ناکامیابی کی حوالہ سے کر روانہ کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے:-

"پس ایک سال سے زیادہ کی سفارتی کوششوں کے بعد بھی جن سے دول عظام نے مشرق میں قیام امن کی بحث ضرورت اور آپس میں اتفاق کا اظہار کیا تھا۔ جو اونہیں بغرض قائم رکھنے امن عامہ کے حاصل ہوا تھا جس کے عمل میں لانے کا بغرض قیام امن بحث ارادہ ظاہر کیا تھا۔ کل دول عظام نے پھر اپنے آپکو اوسی کیفیت میں پاتے ہیں۔ جیسے ابتدائے تنازعہ میں تھے۔ بلکہ اور کی بدبخت دخون پر جوش تعصبوں جیسے حساب ویرانیوں اور سب چیزوں کی عبرت ناک حالت کے ایک غیر محدود وقت بڑھ جانے کے منظر تک جو جو اسوقت تک تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے بڑھ گئی ہے۔ اور اوسنے تمام قوموں اور گورنمنٹوں کی توجہ کو ہمہ تن اپنی طرف مصروف کرلیا ہے۔ باب عالی نے اپنے کل قدیم معاہدوں کو اور بحیثیت یورپین سسٹم (نظام سیاسیہ یورپ) یعنے دول مشرقیہ کے ایک ممبر ہونے کے اپنے فرائض کے علاوہ اور دول عظام کی متفقہ خواہشوں سب کو بالائے طاق رکھا ہے۔ مشرقی مسئلہ بجائے اس کے کہ باطمینان حل ہوجانے کی جانب ایک قدم بھی بڑھے۔ اور زیادہ پیچیدہ ہوگیا ہے۔ اور اسوقت تمام یورپ کے منتظمان انسانیت کے ہمدردانہ خیال اور کل عیسائی اقوام کے خاطر کے لئے تازہ بھیانک خطرہ موجود ہے۔"

اس کانفرنس کی کارروائی کو معلوم کرنے کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کانفرنس کے انعقاد سے پیشتر ہی سلطان نے اندرونی انتظام کے مسئلہ کو بڑی تندہی سے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ اور مشہور وزراء اصلاح حکومت کے لئے ایک سکیم (تجویز) بنا رکھی تھی۔ جو اکثر دول کے سفراء کو پہلی ہی نشست میں بتائی گئی تھی۔ توپوں کی سلامی آمد کی گرج کے ساتھ ہی صفوت پاشا نے بیان کیا تھا کہ "یہ آمد ہے ایک [illegible]

اگرچہ ایسی جس کا اصلی معاہ ظاہر مطلب کے عین متضاد تھا۔ پرنس گارچکوف کا جنٹ اس پر تحمل ہو کہ ہمیشہ اصلی مطلب یہ نہ تھا کہ امن و امان قائم رکھا جائے جیسا کہ ظاہری طور پر جتلایا گیا تھا۔ بلکہ اوسکی عین مراد وہ خون آشام انجام تھا جس کا یہ مراسلہ صرف ایک مقدمہ اور دیباچہ یعنی پیش خیمہ تھا۔

اس شخص کی حالت پر ذرا غور کرو جسپر یہ ہتک آمیز حملہ کیا گیا۔ اور اوسکی آنکھوں سے اس معاملے کو دیکھنے کی کوشش کرو۔ تخت روم پر بیٹھتے وقت وہ اس قوم کی جو کل جہان میں سب سے زیادہ وفادار اور جان نثار رعایا ہے کل بے اندازہ ذمہ داریوں اور فرائض کو بخوبی جانتا تھا اور ان فرائض کو کماحقہ بجالانے کے لئے وہ جانتا تھا کہ سب سے اول مطلق العنانی اور امن و امان کا ایک زمانہ دراز بہت ضروری ہے۔ اون کے ہوشیارانہ فہم و فراست نے معلوم کر لیا تھا کہ ان مشکلات کے اسباب جو اسکی سلطنت کو گھیرے ہوئے ہیں عرصہ دراز سے قائم ہیں۔ اور خوب جگہ پکڑ گئے ہیں۔ اور سوائے آہستگی اور آہستگی سے قائم شدہ علاجوں کے کسی طرح دفع نہیں ہو سکتے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ جو علاج باہر غیر ملک والے سے تجویز کئے جاتے ہیں۔ وہ مرض کے اصلی مزاج کی غلط تشخیص اور واقعی اصل علاجوں کی غلط فہمی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی اوسے معلوم تھا کہ خاصکر ایک سلطنت جہاں تجاویز کو بڑے تکبر و نخوت سے پیش کرتی ہے صرف خود غرضی پر لڑی ہوئی ہے اور کہ اوسکو خود اپنے گھر کے انتظام کی نسبتاً بہت زیادہ ضرورت ہے۔ سلطان روس کے اندرونی انتظام کی ابتری سے ناواقف نہ تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ روسی دہقان کی حالت بہ نسبت اوسکی عیسائی رعایا کے بدرجہا بدتر ہے۔ اور وہ عمداً اور مسلسل مظالم و شدائد جو خاص زار کے حکم سے روسی دہقانوں پر کئے جاتے ہیں اگرچہ کم حیرت افزا ہوں مگر باشی بوزک کی فوج کے کبھی کبھار کے مظالم سے کئی درجہ بڑھکر ہیں۔

اوس نے معلوم کیا کہ باوجود میری نیک نیتی اور صفائی باطنی کے دول یورپ مجھ سے بدگمان اور بد یقین ہیں ورنہ وہ کہ لکھتیں کہ ان کے ایجنٹ میری اصلاح کرنیکی کوششوں کے نگران رہینگے۔ وہ اپنی سرحد پر اپنے ملت و مذہب کے قدیمی دشمن کی فوجوں کا اجتماع دیکھتا تھا۔ اور پھر اسے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنی اس چھوٹی سی فوج کو جو حال ہی میں ایک ناجائز اور بے سبب حملے کو بھی روک چکی تھی۔ توڑ دے اور متفرق کر دے۔ اپنے اور اپنے ملک پر اس بڑے نازک وقت کے وارد ہونے کی حالت میں وہ اس طرح مخاطب کیا جاتا ہے جیسے ایک شریر لڑکے کو کوئی شیخی خور معلم کرتا ہے۔ بالتحقیق یہ ہو مگی ان حالات کے اگر وہ اس دھمکی سے جو خواہ مخواہ کل یورپ ہی نے کیوں نہ دی تھی دب جاتا۔ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انسان سے بہت کم یا ایک غلام سے بھی بدتر ہوتا۔

میں خیال کرتی ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی بادشاہ اس ضعف جنگ پر بھی اپنے مزاج پر قابو اور حلم
نہ رکھتا اگر دول عظمائے دول کو قسطنطنیہ سے فوراً نکل جانے کا حکم دے دیتا اور یورپ کو کہہ دیتا کہ
جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ تو تھوڑے ہی آدمی اس امر سے متعجب ہوتے۔ اور نہایت ہی تھوڑے سے اہل اسلام ایسے
سلطان کے ہاتھ میں چند ایسے پتے ہیں کہ جب اور جس وقت وہ اور جس طرح کھیلنا اور ان کو اٹھانا چاہے تو دنیا
کے تینوں براعظموں میں تباہی اور آتش حرب بھڑکا سکتا ہے۔

القصہ سلطان صرف دنیاوی بادشاہ ہی نہیں۔ بلکہ اپنے مذہب کا دینی پیشوا اور خلیفۃ الاسلام بھی ہے
اور یہ اس کے اختیار میں ہے کہ جہاں کہیں سلطان اور عیسائی دوش بدوش بستے ہیں۔ ان کو آپس میں
ایک جا مثل جنگ و جدال میں ڈالدے (ان ترجمہ از مراسلہ مسٹر لیرڈ سفیر انگلستان بنام وزیر خارجیہ)
اگر سلطان روم ایشیا کے پانچویں درجے کا بادشاہ ہی کیوں نہ رہ جائے پھر بھی وہ کل دنیائے
اسلام کا خلیفۃ المؤمنین ہی رہیگا اور اسکی طاقت سے بچنا چاہیے وغیرہ وغیرہ) اگر کسی سلطان
کو اس عظیم الشان طاقت کا استعمال میں لانا کبھی جائز ہو سکتا تھا۔ تو وہ اس پروٹوکول کے پیش ہوتے
وقت سلطان عبد الحمید ہو سکتا تھا مگر یورپ (ایشیا و افریقہ اور خاصکر انگلستان) کی خوش قسمتی
سے عیسائی طاقتوں کو ایک ایسے شخص سے سابقہ پڑا جسکو بہ نسبت اپنے اقتدار و عزت کا [illegible]
اور بھی بہت کچھ منظور تھا۔ اس نے اس وقت اس شخص کی طرح عمل کیا۔ جیسا کہ وہ اسوقت بھی
برابر کرتا ہے جس کی اصلی غرض صرف اپنی رعایا کے ہر فرد بشر کی بھلائی اور بہتری ہو۔ اس نے
غصہ کھا کر مبارک گھونٹ سے اپنے آپکو روکا۔ اور ان (دول یورپ) کی صفت [illegible]
صفت مخصوص یورپین درباروں میں مسلمان بادشاہوں سے تعلق رکھتے اور نامہ و پیام کیوقت
بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ایک اور اپیل کی۔

پروٹوکول کے پیش ہونے کے ایک ہی ہفتے کے اندر دول یورپ کو اسکا جواب دیا گیا۔ جس میں اعلیحضرت
نے بڑے ادب مگر سنجیدہ و متین الفاظ میں غیر سلطنتوں کی کسی طرح کی مداخلت کو مزاحم ہونیکے متعلق اپنا حق اور
اپنی مطلق العنانی جتلا دی اور اپنا مستقل ارادہ اس جھگڑے کو نپٹانے کا کیا جسکو کوئی اور سلطنت
نہیں کر سکتی ہے یعنی ان اصلاحوں کا بغیر کسی دوسری طاقت کی مدد کے رائج کرنا جنکا ضروری
ہونا اعلیحضرت خود تسلیم کرتا ہے۔ اس جواب کے آخری الفاظ قابل نقل ہیں جنکی طرز عبارت کا مقابلہ
دول کے پیرایہ تحریر سے متضاد ہو کر دیکھنے کے لائق ہے۔

میں اپنے دعوے کی صداقت کی قوت اور خداوند کریم کی مدد کے بھروسے پر ترکی عیاں طور پر علانیہ کہدیتی ہے

سنبھلنے کا موقع دلاتا۔ پارلیمنٹ کا بہت بڑا حصہ اور بیرونی قوم انگریزی (یعنی جو پارلیمنٹ میں شامل نہ ہوں) کا
ہر ایک بااقتدار اور محب وطن شخص لارڈ بیکنسفیلڈ کی اعانت پر تھا جس سے وہ اپنے پولیٹیکل حریفوں اور
مخالفوں کی زبردست سے زبردست کوششوں کو بڑی آسانی سے روک سکتا تھا مگر باینہمہ وہ اس لفظ کے بولنے
کی جرأت نہ کر سکا جس کے پورے ہو جانے سے کل یورپ میں امن اور سلطان کی رعایا میں فلاح اور فارغ البالی
قائم رہتی۔ مگر بیٹھے بیٹھے وعدہ پر چلانا بے سود رہے۔ اور ایک ایسے وزیر کے جو اکثر یہ قول میں
بیٹنگ بڑا تھا، افعال پر نکتہ چینی کرنا جس پر چڑھے سے تعریف ہو چکی ہو اگر شیطانی کام نہیں تو کفران نعمت
یا ناشکر گزاری تو ضرور ہے۔ تاہم زندوں کے ساتھ انصاف کرنا ہمیں مجبور کرتا ہے۔ کہ مردوں کی بیان
کرتے وقت مردوں کا بھی لحاظ کریں کہ "دیانتداری سب سے عمدہ حکمت عملی ہے" ایک ایسی ضرب المثل ہے جو
ڈپلومیٹک (یک دستاری شعبہ کی پی) میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اور اگر پائی بھی جاوے تو بہت ہی کم اس پر
عمل ہوتا ہے لیکن افراد کی طرح اقوام کے معاملات میں بھی یہ امر درست ہے کہ گناہ اپنا بدلہ لینے کے لئے کوئی نہ کوئی
راستہ ضرور نکال لیتا ہے۔ اور فی الحال یہ بتانے کے لئے کسی الہام کی ضرورت نہیں کہ انگلستان ابھی تک اپریل
۱۸۷۸ء کی غلطی کے درست کرنے میں اپنا آخری پونڈ یا آخری جان صرف نہیں کر چکا۔ بلکہ ابھی بہت کچھ
زر و مال اور جان و جوان خرچ کرنا پڑیگا۔

اعلان جنگ کے بعد کچھ دنوں تک تو رومینیا نے بالکل الگ رہنے کا منشاء رکھا مگر یہ دھوکہ
کی ٹٹی چند گھنٹوں سے زیادہ رہنا ناممکن تھی۔ اس نے فوراً ہی گورنمنٹ روس کے ساتھ معاہدہ
کر لیا جس کے رو سے ریاست کے کل وسائل زار کے زیر حکم کر دیئے گئے۔ رومینیا کی سپاہ جو شمار میں
پچاس ہزار تھی مغربی حد پر قائم کی گئی۔ اور روسیوں نے دریائے ڈینیوب عبور کر لیا۔ رومینیا کی
رضامندی کو روس کے ساتھ شامل ہونے کا الزام دینا نامناسب ہے۔ انہوں نے معلوم کر لیا کہ جلد الملک
آئندہ جنگوں میں ایک سلطنت کی پالیسی ہے۔ پس ٹرکی کے صدمے سے محفوظ رہنے کے لئے وہ زبردست
کی حمایت میں آ گئے۔

اس وقت ترکی افواج کا کمانڈر انچیف کا فرض یہ تھا۔ کہ روسی فوج کی اس فاصلہ پیش قدمی کو روکتا
عبدالکریم پاشا تھا اور ضعیف العمر طبعی ناقابلیتی یا کسی اور وجہ سے یا وہ مشتبہ امر کے سبب اس نے اپنے آقا اور
ملک کے فرض ادا کرنے میں قابل افسوس کوتاہی کی۔ اور نہ کسی پل کو توڑا۔ نہ کسی ریل کو اکھاڑا اور نہ ہی
کسی ایسے مقام پر قبضہ کیا جہاں سے وہ دشمن کو تکلیف دے سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۲ جون
۱۸۷۷ء کو روسی جرنیل زمرمن معقول فوج لے کر ڈینیوب کے پار اتر آیا اور ایک ماہ کے اندر ہی

صوبہ ڈیبروڈشا حملہ آوروں کے پورے قبضہ میں ہو گیا۔ عثمان پاشا جسے روسی پیشقدمی کے اصلی مقام
کی خبر اپنے جاسوسوں سے درست دی گئی تھی پلیونا پر ہٹ آیا اور وہ کل ملک جو کوہ بلقان کے شمال میں تھا
روسیوں کے قبضہ میں آ گیا جنرل گورکو بہمراہی دو بریگیڈ فوج سامان و چند توپ کے روسی فوج میں کمان
گرینڈ ڈیوک نکلس کے ہراول میں تھا۔ وہ تھوڑی ہی لڑائی کے بعد ٹرنووہ میں داخل ہوا۔ پھر درہ شپکا کی طرف بڑھا۔
جہاں اوسنے ترکی لشکر مغربی بلقان کی سستی سے زیادہ سخت لفظ دہی ہی وہاں کے محافظین کی چھوٹی سی جمعیت کو
اور بیڑا چانک آ پڑنے سے بھگا دیا۔ اور پھر کزانلک کی طرف جو درہ شپکا سے چند میل ہی پڑتا ہے بڑھا۔ جہاں روسیوں
کا کسیقدر اصلی مقابلہ ہوا۔ ترک نہایت بہادری سے لڑے۔ اور ایک دفعہ تو جنرل پرنس میرسکی مع سب
سپاہ کے حملے کو بالکل پسپا کر دیا لیکن کامیاب بھی ہو گئے۔ مگر آخرکار تعداد شجاعت پر غالب آگئی
اور اوسی ماہ کی ۱۸ کو خود جرنیلوں کی فوجیں بلقان کی جنوبی جانب آپہنچیں اکٹھی ہو گئیں۔

جو فتح روسیوں نے اس وقت حاصل کی تھی۔ اوسی نے عبدالحمید کو یہ موقع دیا کہ اپنی
آپ کو مرد واقف امور جنگ ثابت کرے۔ چنانچہ روسیوں کے بڑی جلد آگے بڑھ چلے آنے کی خبر قسطنطنیہ
میں پہونچتے ہی اس شہر میں ایک قسم کا تہلکہ برپا ہو گیا۔ ترکی وزراء نے جب دیکھا کہ اون کی اور حملہ آور
فوج کے بیچ اب کوئی قدرتی روک باقی نہیں رہ گئی۔ تو اون کی ایسی حالت ہو گئی جیسے (۱۸۷۰ء میں)
صرف ایک جرمن سپاہی کے دیکھنے پر فرانسیسی کانوں پر طاری ہو جاتی تھی۔ وہ بیچارے بارگاہ سلطانی
میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ سے التجا کی کہ وہ دارالخلافہ چھوڑ کر باسفورس کے ایشیائی ساحل پر اپنی
جان سلامت لیجائے۔ مگر انہوں نے بھی یورپ کی طرح اپنے آقا کو اچھی طرح نہ جانا تھا جس حماقت کی نظر
سے اوس نے پیرو ڈاکول کی تجاویز کو مسترد کیا تھا۔ اوسی طرح اوس نے ان مایوسی بخش مشوروں کو رد
کر دیا۔ یہ دیکھ کر کہ اس نازک وقت میں مجھے اپنے پرانے معاونوں (انگریزوں) سے کوئی مدد نہیں مل
سکتی۔ اور خاصکر اوس کے مدبروں کی دانائی او عقل بھی اب گم ہونے لگ پڑی ہے۔ اوس نے اپنی
بہادر دل اور اپنی سپاہ کے قدیمی طبعی جوش پر بھروسہ کیا۔ اور ایسے خطرے کے وقت میں اپنی جگہ سے
چھوڑنے سے انکار کیا۔ اور کل امور کا انتظام خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس صورت انتظام کے
تغیر کا اثر بہت جلد اکثر ویران شدہ روسی گھروں میں پایا گیا۔ حملہ آور جرنیلوں کو جلد ہی معلوم ہو
گیا۔ کہ ایک بہادر مستقل مزاج شخص (عبدالحمید) کے دل کے مقابلہ میں ہو کر اس قدر مصائب اور
مزاحمتوں کو برداشت کرنا پڑا جن کے مقابلے میں ایک بڑے سے بڑے دریا (مثلاً ڈینیوب) اور کوہستانی
سلسلہ (بلقان) کی قدرتی رکاوٹیں ایک سیل کے روبرو ایک پرکاہ کی روک کے برابر تھیں

ہونے کے ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق آگے بڑھے۔ اونکو ایسی گھاٹیوں میں ہو کر گذرنا تھا جن کی
دو طرف سر بلند جبل ہیں۔ ترکی توپخانے نے تھوڑا اس طرح تعلق باہمی کے ضروری رشتوں کے بغیر ہی آگے بڑھنے پر
ایک ڈویژن دوسرے سے آگے بڑھ گیا جس نے کسی کمک یا مدد کا انتظار کئے بغیر کیلیپی پر حملہ کر دیا۔
شاکافسکوئی (ایک روسی ڈویژن کے کمانڈر) کو شومئی قسمت اور بدبختی سے کامیابی اپنی لیاقت سے
بڑھ کر ہوئی۔ وہ ایک بلامزاحمت حملے سے حفاظت کر کے ایک مورچے کو دگو بڑا سخت نقصان اٹھا کر فتح
کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں بدبختی اس لئے کہتی ہوں کہ اس کامیابی نے اوسکا اور اوسکے ملک کا بڑا
نقصان کیا۔ فتحیابی سے مست ہو کر اوسنے دوسرے ڈویژن کے کمانڈر کے کمک لیکر آ پہونچنے تک دوسرے مورچے
کی آڑ میں رہ کر انتظار کرنا پسند نہ کیا۔ اور اپنے آدمیوں کو ذرا سا دم لینے کا وقفہ بھی نہ دیا تھا کہ اوس نے
دوسرے مورچے پر حملہ کر دیا۔ روسی بڑی تہور سے لڑے۔ مگر اونکے مقابل بھی اونہیں کی ہم پلہ اور نسبتاً
تازہ دم تھے۔ تین گھنٹے کی مہیب لڑائی کے بعد روسی بالکل پسپا کئے گئے۔ اور آخرکار بھاگ نکلے۔ پسپا ہوتے ہوئے
روسیوں کو ان گھاٹیوں میں سے نکلنے کیلئے سخت دقت پیش آئی جن میں ہو کر وہ آئے تھے پھر دوبارہ ترکی توپخانوں کی زد
میں آنا پڑا جو غنیم پر برابر گولہ باری کرتے رہے حتی کہ رات نے اونپر روسیوں پر رحم کھایا۔ اور
ترک کشتہ گان اور بھگوڑوں کے درمیان حائل ہو کر کشت و خون کو بند کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس حرج آ
فوج میں سے جو اس بے پروائی سے کلیپینا پر حملہ کرنے کو بھیجی گئی تھی۔ صرف ایک بے سر و سامان تھوڑا سا حصہ بچ گیا جو چھوٹی
چھوٹی جماعتوں میں متفرق ہو کر لڑکھڑاتا ہوا ڈینیوب کی لائین کی طرف ہٹ رہا تھا۔

روسی سپاہ کی اس پہلی اور جان شکن شکست سے روم کے دشمنوں کے دلوں میں سراسیمگی پیدا ہو گئی اور
تمام روئے زمین پر اس کے محبوں کے سینوں میں اُمید کی شعاعیں چمک اُٹھیں۔ یوروپ کے کاروباری
لوگوں پر اس شکست سے جو اثر پڑا اس امر سے معلوم ہو جاویگا کہ اس خبر کے مشتہر ہوتے ہی روسی دستاویزوں
کی قیمت بہت ہی گر گئی۔ جو اس مثل جسکی لاٹھی اوسکی بھینس کے اصول کو مانتے تھے مارے خوشی کے
جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور روسی افواج کے ڈینیوب عبور کر کے فوراً پسپا ہو جانے کے منتظر ہو بیٹھے۔ مگر
افسوس جو نقصان عبدالکریم پاشا کمانڈر کی بدانتظامی سے روم کو پہونچا۔ اوسکی ناشائستگی سے دفع نہ ہو سکا اور اس کے اپنے
بڑے مضبوط مقامات کو بغیر کسی لڑائی کے چھوڑ دینے سے عثمان پاشا کے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ اُس فتح
سے کچھ بھی جو اوس نے دشمنوں کی غلطی ذاتی لیاقت اور اپنی فوج کی کمال بہادری سے حاصل کی تھی۔ دشمنوں کا پیچھا
کرے۔ وہ اپنے مقام کو قابو رکھنے کیلئے کافی مضبوط تھا۔ مگر تنہا اسقدر کہ تعاقب جاری رکھ کر دشمن کے ہیڈ کوارٹر
پر حملہ کرے۔ پس روسی جرنیلوں کو اپنی تتر بتر شدہ فوجوں کو اکٹھا کر کے اور مدد حاصل کر کے عثمان کی قلعہ بندی

اس وقت رومیلیا سے گذر رہی تھی۔ انتظار کرے۔

نقشہ موقع کو غور سے دیکھنے پر ایک فن جنگ سے ناواقف دریافت کنندہ کو بھی یقین ہو جائے گا کہ یہاں لساب ترکی کیلئے میدان جنگ کی قسمت کو اپنی طرف کرنے اور فوج مخالف کے ہر ایک فی دستہ کو دریائے ڈینیوب کے پار دھکیل دینے کا ایک بہت بڑا موقع تھا۔ اب بجائے بچاؤ کرنے کے ایک متفقہ حملہ کرنیکا وقت آگیا تھا۔ مگر یہ دو وجہ سے ناممکن تھا ایک تو محکمہ رسد رسانی کی حالت بہت خراب تھی جس کے باعث میدان جنگ سے سلطان کو بہت دیر میں خبر ملتی تھی۔ اور دوسری وجہ کسی ایک ایسے جرنیل کا نہ ہونا تھا جس پر سلطان اعظم اعتماد کر کے لڑائی کا کل انتظام اوس کے سپرد کر سکتے پس روسی درہ شپکا میں اپنے مقام کو مورچہ بند کرنے میں بغیر کسی مزاحمت کے چھوڑ دیئے گئے۔ جہاں وہ اُن کمیوں کو پورا کرنے کے لئے جو پلیونا کی جانگداز شکست سے واقع ہوئی تھیں۔ کمک کے منتظر رہے۔

۲۱ اگست تک دونوں فوجیں بیکار پڑی رہیں۔ سوائے اسکے کہ گاہ بگاہ کوئی گولہ دشمن کی جمعیت معلوم کرنے کو چلایا گیا۔ یا بیرونی پہرے کی چوکیوں میں کوئی لڑائی ہو گئی۔ مگر اس دن سلیمان پاشا نے اس درے کے حملہ کر کے پھر لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسوقت شپکا پر حملے کی کیفیت بالکل منعکس ہو گئی تھی روسی مورچوں کی اوٹ میں تھے۔ اور ترک کھلے میدان میں۔ پانچ دن رات لڑائی ہوتی رہی۔ درہ گولہ باری کے دوزخ کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ تاہم روسی مورچوں پر قابض رہے۔ اور سلیمان ہزار جانوں کا نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ آپ پسپا ہونے سے اوس کے ساتھی افسروں عثمان اور محمد علی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ اور انہوں نے بھی اپنی اپنی باری میں گرینڈ ڈیوک کی افواج پر حملہ کیا۔ اور باوجودیکہ اونکی افواج اسی متہورانہ جرات سے لڑیں جیسی کہ سلیمان کی سپاہ۔ مگر انکو آخر کار واپس ہٹنا پڑا۔ اسوقت روسیوں کو بہت بڑی کمک پہنچ گئی تھی۔ اور پھر وہ حملہ کرنیکے قابل ہو گئے تھے جنرل اسکوبیلاف روسیوں کا جنگی پیشوا جو ایک بڑا بہادر سپاہی اور ہماری اس دنیا میں ایک بڑا خوبصورت شخص ہے ترکوں کی فوج سے جنگی سپاہ لیکر لوفچہ پر حملہ آور ہوا۔ بڑی سخت مقابلے کے بعد لوفچہ فتح ہو گیا۔ اور پلیونا کا راستہ کھل گیا۔

اس وقت جنگ کا ایک قابل یادگار سانحہ واقع ہوا جسنے غالب و مغلوب دونوں کو کمال عزت سے دنیا اور اُن دونوں شخصوں کو جو افواج مخالف کے افسر تھے شہرت دوام بخشدی۔ ۷ ستمبر کو سکوبیلاف نے ایک لاکھ فوج ۴۰۰ توپوں سے پلیونا کے بیرونی مورچے پر گولہ باری شروع کی۔ دو دن تک روسی پہاڑی توپخانوں اور ترکی قلعوں سے گولے چلتے رہے۔ اول الذکر سے ایک گولہ آتے پر ثانی الذکر سے ایک شل پہنچنے والا آہنی گولہ پھینکا جاتا تھا۔ ۱۰ ستمبر کی شام کو سکوبیلاف نے محصورین کے پہلے مورچے پر حملہ کیا۔ گر خطرناک کشت و خون ہوا

لوہے کا دوسرا نام ہے

دیا گیا۔ اور اوس نے گولہ باری مکرر شروع کردی۔ اور دو دن تک پلونا کے اوپر بھاری توپوں کی گرج سے
آسمان پھٹتے رہے۔ اور اڑتے ہوئے گولوں اور غباروں سے ہوا تاریک رہی۔ ۱۱ ستمبر کو سخت کہر پڑ جانے سے گولہ باری
ٹھنڈی ہو گئی۔ اور انکرمان[۳] کی طرح روسیوں نے ایک دفعہ اور اس قدرتی معاون کی مدد سے وہ امر بذریعہ
سنگین حاصل کرنا چاہا جسے توپ نہ پا سکی تھی۔ انہوں نے تین مختلف مقاموں پر حملہ کیا۔ روسی فوج پیدل بار بار
مورچوں پر چڑھتی رہی۔ جہاں اونکو فولاد اور شعلوں کی جلتی ہوئی دیوار سامنے ملتی۔ وہ کم اور متفرق کئے جاکر
کہر کی تاریکی میں پیچھے ہٹا دیئے جاتے۔ جہاں سے پھر سنبھلکر وہ بار بار پاگلوں کی طرح حملے کرتے رہے
اس دن۔ اس رات اور پھر دوسرے دن یہ خوفناک ہنگامہ برابر جاری رہا۔ حملہ آوروں کی صفوں پر صفیں اسطرح
کاٹی جاتی تھیں جس طرح کاٹنے والے کی درانتی کے آگے اناج کے خوشے۔ ان کے مردوں کے پشتوں سے
مورچوں کی خندقیں بھر گئی تھیں لیکن روسیوں نے اپنی تاریخ میں پہلی ہی دفعہ اپنے مردہ ساتھیوں کے جسموں
کو دشمنوں تک پہنچنے کے لئے بطور زینوں کے استعمال نہ کیا۔

اس تمام معرکہ کشت و خون اور آتشباری پر سکوبیلاف جنگ کے مجسم دیوتا کی طرح حکم کرتا پھرتا تھا۔ سکوبیلاف
بایں ہیئت کذائی ننگی سر لوٹتی تلوار ہاتھ میں۔ کوٹ شانوں پر سے بالکل پھٹکر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہوا۔ اس کا
خوبصورت چہرہ دھوئیں سے سیاہ۔ اسکی نازک لمبی مونچھیں آگ سے جھلسی ہوئیں۔ اسکی آنکھیں انگاروں کی طرح
چمکتی ہوئیں۔ اور اسکی آواز جرات دلاتی ہوئی اپنے ہمراہیوں کو ایک ہی وقت ہر جگہ معلوم ہوتا تھا۔ جب کوئی
رجمنٹ ترکوں کے کسی تازہ فتح شدہ مورچہ پر اندھی بکھر کر اور بے دل ہو کر لڑکھڑا آتی تھی تو سکوبیلاف اپنے
حاکمانہ آواز سے فوراً سنبھلنے کو پکارتا ہوا انہیں فی الفور موجود ہو جاتا۔ اور اسکی موجودگی سے [illegible]
خام رنگروٹ میں بھی ایک تجربہ کار جنگ آزمودہ سپاہی کا تحمل اور لاپروائی پیدا ہو جاتی تھی۔ اور جبکہ سہارہ ہزیمت
خوردہ پلٹن مکرر تازہ دم اور صف بستہ ہو کر پھر موت کی آتشبار طوفان کے گھمسان میں کود پڑنے کے حکم کی منتظر ہوتی
تھی۔ تو ہمیشہ جرنیل ہی کی آواز تھی جو وہ حکم دیتی۔ اور سکوبیلاف کے فراخ کندھے اگلی صف کی سنگینوں
سے بھی چھ فیٹ آگے ہوتے تھے۔ اگرچہ سکوبیلاف کی بے اندازہ کوششیں اور سپاہیانہ چال کی نذر بہادری روح
اوسنے اون میں پھونک دی تھی۔ آجکل کے اصول حرب بھی جنکو ترکوں جیسے شجاع اور ثابت قدم سپاہی مورچوں کی
اوٹ سے چلاتے تھے بیکار ہو سکتی تھیں۔ پس تیسرے دن کو غروب ہونے پر جبکہ گولہ باری بند کرنیکے حکم سے
بگل چلا رہے تھے۔ تاریخ جنگ کے اس بڑے دلیرانہ اور مسلسل حملہ کا نتیجہ کیا ہوا۔ صرف ایک مورچہ کا فتح ہونا۔
یہ سلسلہ نہایت ڈرامہ نما کام تھا دنیا ہی غالباً آخری ہوگا آئندہ پھر کبھی سنگین بمقابلہ مرد کار توسی بندوق

[۳] جنگ انکرمان ۱۸۵۴ء میں روسیوں نے کہر کی تاریکی میں انگریزی اور فرانسیسی فوج پر حملہ کیا تھا مگر پسپا کر دیئے گئے۔

کا مقابلہ نہ کر سکا۔ روسی جرنیلوں نے یہ سبق سیکھ لیا اور اس سے انہوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش
کی۔ انہوں نے اب یہی ممکن الوقوع ذریعہ اختیار کیا جس سے صرف فی زمانہ ایک مستحکم قلعہ بند مقام فتح
کیا جا سکتا ہے یعنی محاصرہ اور فاقہ کشی۔ مگر اس ترکیب سے اتنی دیر اور تعویق ہوئی جس کی یورپ میں کسی
کو امید نہ تھی کیونکہ یہ۔ اور دسمبر تک بالکل بے اثر رہی جس وقت عثمان پاشا[1] نے یہ دیکھ کر رسد وغیرہ کے بڑی
تیزی سے کم ہو جانے سے اب زیادہ عرصہ تک اس مقام پر قابو رکھنا ناممکن ہے۔ ایک میدانی لڑائی پر لڑائی
کے پانسے کو منحصر کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اور اس نے کل فوج کو لیکر حملہ کر دیا۔ اور محاصرین کی خندق کی پہلی لائن
کو فتح کر کے کل سپاہ کو جو اس پر متعین تھی۔ تہ تیغ بے دریغ کیا مگر روس کی باقی فوجوں کے آتے بڑے محاصرے
کی دن رات کی نگہبانی سے تھک کر بالکل کمزور ہو گئے تھے۔ اور وہ محاصرین کی بیشمار فوج کو جو گنتی میں ان سے
چہار چند تھی۔ کاٹ کر باہر نہ نکل سکتے تھے۔ اس لئے اس نے اپنے مورچوں پر واپس ہٹ کر سفید جھنڈا
کھڑا کر دیا۔ جب فاتح پلیونا میں داخل ہوئے تو بجائے ایک شہر کے انہوں نے اسے ایک مردہ خانہ پایا۔

اب ہم تھوڑی دیر کیلئے اُن واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ایشیا میں ہو رہے تھے۔ کیونکہ یہ ہم
فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ترکی اپنی جان بچانے کے لئے دونوں براعظموں میں لڑ رہی تھی۔ روسی فوج نے ماہ
اپریل کو زیر کمان گرینڈ ڈیوک میکائیل ایشیائی حصے کو عبور کیا۔ اور قارص۔ بایزید۔ اردہان اور بڑے
مشہور تجارتی شہروں باطوم اور ارض روم پر ایک ہی وقت حملہ کر دیا۔ انہیں سے اردہان معاً ایک سخت مقابلہ
کے بعد مفتوح ہوا۔ اور بایزید کو ترکوں نے بغیر کسی مقابلہ کرنے کے چھوڑ دیا۔ مگر جیسا کہ یورپ میں ہوا۔ ابتدائی
فتحیابیوں کا ایک مسلسل سلسلے میں برابر چلے جانا حملہ آوروں کی قسمت میں نہ بدا تھا۔ حملہ ملک کے ایک بڑے پیچیدہ
حصہ میں کیا گیا تھا۔ اور زمین کی قدرتی بناوٹ ایسی تھی کہ محافظین جا بجا اور بہ بہ چھوٹے چھوٹے مگر نقصان دہ حملے
کر سکتے تھے۔ جون کو مختار پاشا نے جو ترکی افواج کے سپہ سالار تھے روسی افواج کے بائیں حصہ پر بڑی جانب سے
حملہ کرنا شروع کر دیا۔ لڑائی پندرہ دن تک جاری رہی۔ اور ماہ جولائی کو روسی بڑے نقصان کے ساتھ مرحلے سے پار
نکال دیئے گئے۔ ترکوں نے بایزید پر پھر قبضہ کر لیا۔ اور ماہ جولائی کو کل ضلع سے روسی بالکل خارج ہو گئے۔ تب
مختار قارص کی مدد پر روانہ ہوئے جس کے نزدیک فوج محاصرہ کنندہ نے ایک پہاڑی پر اپنے مقام کو خوب قلعہ بند کیا
ہوا تھا۔ اس جگہ بہر دو فریقوں کو دست بدست لڑائی میں نکال لینے میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔ اور گو ان کا عام حملہ ناکام
ہی رہا۔ تاہم روسی اس قدر کمزور اور بے سدھ ہو گئے کہ ان کو پھر حملہ کرنے کیلئے پہلی اکتوبر تک امدادی فوج کا
انتظار کرنا پڑا۔ تب قارص کے گرد ۱۰ دن تک بھاری لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور مختار کو قارص اور ارض روم کی طرف

[1] انہیں بہادر غازی [illegible] کو بعمر [illegible] برس کی عمر میں [illegible] قسطنطنیہ
میں فوت ہو گئے۔ ان کے کارناموں کے مفصل حالات کتب [illegible] پلیونا [illegible]
[illegible] سے مل سکتی ہیں [illegible]

ہو چکے تھے اور قارص کے محاصرے میں ہو گیا جو پہلی نومبر کو بڑے سخت دلیرانہ مقابلے کے بعد فتح ہو گیا۔ اب
اثنا میں روسیوں نے ایشیا میں ٹڈی دل کی طرح بے اندازہ طاقت میں محمد مختار کی فوج کا ارض روم کی
دیواروں تک تعاقب کیا۔ اور ۱۸ نومبر کو ارض روم کی شمال اور مغربی بلندیوں پر قبضہ کر لیا جو بشرقی کی طرف
ساحل سمندر تک ملی ہوئی تھیں جنکی وجہ سے ارض روم کا پورا محاصرہ نا ممکن تھا۔ اور صرف چھوٹے چھوٹے
حملے کئے جا سکتے تھے جن کا ترکی بہ ترکی جواب ہی جرنیل محمد ہمیشہ کامیابی سے دیتا رہا جبکہ وہ قسطنطنیہ
طلب کیا گیا تھا تب تک وہ پلونا بالوم اور ارض روم روسیوں سے ہرگز فتح نہ ہو سکے تھے۔ اور اگر تنازعہ فیصلہ
ارض روم اور ایشیائے کوچک کی لڑائی کے فیصلے پر چھوڑا جاتا۔ تو وہ مسئلے جو برلن کی کانگریس میں صلح کے لئے پیش
ہوئے مختلف ہی صورتوں میں حل ہوتے (یعنی روس کو بالوم وغیرہ نہ ملتے)

اب بلقان کی طرف توجہ مبذول کر کے جنگ کے اس مختصر بیان کو ختم کرتی ہوں۔ ۱۰ دسمبر کو سلیمان نے
دوبارہ شپکا سے روسیوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ مگر روسی بڑی مضبوط قلعہ بندی میں تھے۔ پس اس نے
اس خیال کو بالکل چھوڑ دیا۔

پلونا کے مفتوح ہو جانے پر روئے زمین کے کل حامیان امن نے خیال کیا کہ یورپین مداخلت کا
وقت آ گیا ہے۔ کیونکہ انہیں لنڈن گورنمنٹ کی طرف سے مداخلت کے کسی ارادے کو معلوم کر لینے کی جسکی بڑی
امیدیں مگر لارڈ بیکنسفیلڈ ابھی تک خاموش تھا۔ اور انگریزی بیڑہ جہازات ویسے ہی لنگر انداز تھا۔ اسمیں
کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ زار بھی اس وقت ایسی مداخلت کو جو اسے معزز شرائط پر صلح کرا دیتی
دل سے پسند کرتا۔ اسکی پلٹنوں نے سخت نقصان اٹھائے تھے۔ اسکی مالی حالت بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ اور
جب جاڑے کا موسم سر پر تھا جس کے ہمرکاب لڑائی کی مصائب انتہا ہوتی اور زیادہ کرنے کے سامان بھی
ہوتے ہیں سر پر آ پہونچا تھا۔ قسطنطنیہ سے نامہ پیام کی کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوئی۔ اور یہ ظاہر تھا کہ کسی
بیرونی دوستانہ مداخلت نہ ہونے پر سلطان نے آخری دم تک لڑتے رہنے کی ٹھان رکھی تھی جاڑے کے
لمبے مہینوں میں اپنی فوجکو بحالت موجودہ قائم رکھنا نا ممکن تھا اور ویسا ہی بلقان سے واپس ہونا
نا ممکن تھا پس زار کو سوائے اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ فوجوں کو باسفورس کے ساحل تک بڑھنے
کا حکم دے جسکی تعمیل کرنے کو جرنیل گورکو آگے بڑھا

ایک اف ہفتہ صبر کی سخت لڑائی کے بعد کوہ بلقان سے عبور کیا گیا۔ ۳ جنوری کو صوفیا فتح ہوا۔ اور
شپکا کی لڑائی کا ۲۰ ہزار ترکوں کے ہتھیار رکھ دینے سے خاتمہ ہوا۔ اور گورکو فلپ پولی میں داخل ہوئے تاکہ
حملہ آوروں کی پیشقدمی کو روکنے کے لئے ترکوں کی طرف سے ایک لڑائی سخت پیمانہ ہوئی حملے کے بعد ۱۳ جنوری شکست ہو کر

صلحنامہ عارضی سے اکثر بدعہدی کرتی رہی جس پر عارضی امن کے قایم رکھنے کے لئے دول عظام کو
عملی دباؤ ڈالنے کی ضرورت پڑی۔

جیسے لارڈ بیکنسفیلڈ کے شان میں پہلے ہی سخت سست کہا ہے۔ اور اب بھی کہنے کی ضرورت
پڑے گی۔ کیونکہ میں یقیناً کہتی ہوں۔ کہ کسی شخص کو جو واقعات کو بغور دیکھے۔ اس امر میں ذرا بھی
شک شبہ رہے گا۔ کہ سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی پر اگر ذرا بھی لارڈ پامرسٹن دیرہ امیر جنگ کریمیے
وقت وزیر اعظم انگلستان تھا جیسا استقلال اور بیک رائی استعمال میں لائی جاتی تو جنگ روم و روس
کی ساری تباہیاں اور خون ریزیاں ہرگز وقوع میں نہ آتیں۔ روم کے عیسائی صوبوں کو پریکٹیکل سلف
گورنمنٹ یعنی حکومت خود اختیاری بھی ملجاتی اور وہ تمام مصائب اور خطرات جو تا اینوقت مشرقی یورپ
میں نمودار ہو رہے ہیں۔ بالکل رفع ہو جاتے لیکن ایک متوفی وزیر کی یادگار کو بنظر انصاف دیکھنے پر
میں یہ ساتھ ہی کہہ دیتی ہوں۔ کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ لارڈ بیکنسفیلڈ کے غیر مستقل ارادہ ہی سے یہ
سب امور بعدہ حالت میں ترقی نہ کر سکے لیکن تاہم یہ اوسی کی پالیسی کی طفیل ہے۔ کہ وہ بہت بڑے
بھی نہ ہونے پائے۔ اور سب سے قوی وجہ جس نے زار کو مجبور کیا۔ کہ اپنی فوجوں کو قسطنطنیہ پر بڑھنے سے روکے
اور اپنی سالہا سال کی منصوبانہ اور مجوزہ پالیسی کے بالکل کامیاب ہونے سے محروم رہے۔ یہی تھی۔ کہ
ترکی دارالخلافہ لارڈ بیکنسفیلڈ کی عنایت سے انگریزی بیڑہ جہازات کی توپوں کی بڑی ہی نزدیک زد
میں تھا۔ انگریزی وزیر مناسب موقع پر کارروائی کرنے سے جھجکا۔ مگر آخر کار اوس نے دست اندازی کی
اور یہ سبب اسکی اس درست اندازی کا نتیجہ تھا کہ عہد نامہ سین سٹیفانو صلحنامہ برلن سے تبدیل ہو گیا۔ سفرا
مدبران کو بمقام برلن اکٹھے ہوئے اور انہوں نے فی الفور ان صوبوں کی حالت پر جو مدتی حملے کے نام
نہاد اور ظاہری باعث تھے غور کرنا شروع کیا۔

جیسے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف وہاں کے باشندگان کے تمدنی اور مذہبی اختلافات ہی
کے باعث ممکن اور پسندیدہ ہو رہا ہے۔ ویسے ہی سلطان کی حکومت ان صوبوں پر عیسائی بلغاری سلیو
یونانی اور ترک ہا لکے آپس میں متفق ہونے کے رستے میں سخت اور مختلف مشکلات وارد ہونے
کی وجہ سے قایم ہے۔ یہ امر سینٹ پیٹرزبرگ میں ویسا ہی معلوم ہے جیسا کہ قسطنطنیہ میں۔ روس کی قدیم
سے یہی پالیسی چلی آئی ہے۔ کہ ان اختلافات اور باہمی رشک و حسد سے لاعلمی ظاہر کر کے دول عظام کے سامنے
ان صوبوں کی باہمی اخوت اور اتحاد کا نقشہ پیش کرتا ہے علاوہ ازیں مدبروں نے صرف اسی وجہ سے آج
تک سلطان کی حکومت کو گوارا رکھا ہے جیسے کہ انگریزی لبرل فریق انگریزی قبضہ ہندوستان کے بعض

بایں وجہ روادار ہیں۔ کہ وہاں سے قبضہ اٹھا کر واپس آ جانے پر بہ نسبت قبضہ کئے رکھنے کے زیادہ دقتیں اور برہمیاں پیدا ہو جاویں گی۔ اگر مغربی سلطنتوں کا اس امر پر کلی اطمینان کر دیا جاوے۔ کہ سلطان کی عیسائی رعایا (آپس میں متفق اور یک دل ہیں اور کسی اعلیٰ حاکم کے زبردست ہاتھ (حکومت) ہونے کے بغیر آپس میں صلح و امن کے ساتھ گذارہ کر سکتے ہیں۔ تو یہاں کی حکومت یورپ سے بالکل مفقود ہو جاویگی۔ مگر آغاز جنگ سے کچھ عرصہ پہلے ہی۔ باوجود روس کی سخت کوشش اور سازش کے ایک خطرناک تفرقہ (عیسائی اور ترکوں کے درمیان نہیں) بلکہ قوم سلیو یعنی صرب اور یونانیوں کے درمیان واقع ہوا تھا میں لارڈ سالسبری (اوس وقت وزیر صیغہ خارجیہ تھا۔ اب نیز خارجیہ اور وزیر اعظم انگلستان ہے۔ مترجم) کے وہ الفاظ جو اوس نے کانگریس میں اس بارے میں کہے تھے نقل کر دیتی ہوں۔

"سلیو جو پہلے کلیسائے یونانی کے ماتحت تھے۔ اب ایک نئی مذہبی حکومت کے جس نے ان کے مذہبی مقتدا ہونیکا دعویٰ کیا ہے تابع ہو گئی ہیں۔ اس تفرقہ سے دونوں قوموں (سلیو و یونانی) میں اکثر تنازعات برپا ہو چکے ہیں۔ بلکہ نوبت بکشت و خون پہنچ چکی ہے۔ اور ہر ایک فرقہ کے مذہب کی اغراض و رسوم اور اوس کا کیریکٹر بلکہ اوس کا وجود تک دوسرے فرقہ کے ہاتھوں معرض خطر میں ہیں"

برلن کانگریس کے انعقاد کے وقت جنوب مشرقی یورپ کے معاملات پر پوری پوری روشنی پڑ جانے کی وجہ سے روس کیلئے اب ناممکن ہو گیا تھا۔ کہ وہ اس امر سے بالکل لاعلمی ظاہر کرے۔ کہ بالکل جدید طرز حکومت کے قایم کرنے میں سخت ابتدائی مشکلات حادث ہوں گی۔ اوس کے وکلا نے لارڈ سالسبری کے بیان کا بالمقابل جواب دینے کی بجائے یہ ٹیڑھا سا جواب دیا کہ زار کا مدعا یہ ہے۔ کہ "باب عالی کی عیسائی رعایا کو خود مختاری عنایت کیجاوے۔ اسکی حفاظت بڑی مضبوط ضمانتوں سے کی جاوے۔ اور بہ حیثیت اراضی و جغرافیہ ملکی تغیرات کو حتی الامکان کم کر دیا جا کر ساتھ ہی ان صوبجات کی حالت کو درست کیا جاوے۔ اور یورپین ٹرکی کے صوبجات کی بہتری کیلئے جو حال ہی میں اسقدر افسوسناک تباہی کا مرکز بن رہے ہیں۔ پورا اطمینان کرایا جاوے"

ہم زار کی اِس خواہش کی صداقت اور نیک نیتی کو کہ "ملکی تغیرات کم کر دیئے جائیں" بیشک مان لیتے۔ اگر پرنس گارچکوف کے پاکٹ میں عہدنامہ سین سٹفانو کی نقل نہ ہوتی جو صریح روسی ایمانداری اور راست گفتاری ہے"

لارڈ سالسبری نے بیان کیا کہ جو کچھ انگلستان کانگریس کو فرائض خیال کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ٹرکی کو اس طرح قایم کریں۔ (اُس کی سابقہ آزادی کے مقاموں پر نہیں
کیونکہ اس لڑائی کے اثر کو بالکل زایل کر دینا ناممکن ہے) کہ اُس کو نسبتاً آزادی حاصل ہے تاکہ
وہ اُن تمام جنگی۔ پولیٹیکل سیاسی اور تجارتی اغراض و مقاصد کو جنکی وہ نگہبان رہے گی محفوظ رکھنے
کے قابل ہو"۔ اس اظہار سے میں بیان کئے دیتی ہوں۔ کہ عہدنامہ سین سٹی فانو کے پرخچے اڑ گئے۔
ان نیک ارادوں کے آخری اظہار و بیان کے بعد کانگرس کے پریسیڈنٹ پرنس بسمارک[1] نے
جو ایسا اُستاد ہے۔ کہ داؤ گھاتیں دکھا کر اپنے اصلی مطلب پر آپہنچتا ہے۔ بیان کیا کہ سب سے بڑا اصل مطلب
مسئلہ یہ ہے کہ بلگیریا کا قانونی انتظام اور اُس کی حد و بندی کی تعیین کی جاوے۔ اور تحریک کی
کہ اول عہدنامہ سین سٹی فانو کی اُن شرائط پر غور کرنے سے جنہیں بلگیریا کے لئے آیندہ کے واسطے
نئے طرز انتظام کے قیام کا ذکر ہے۔ مباحثہ شروع کیا جاوے۔ یہ تحریک منظور ہو گئی جیسی کہ اور بہت سی
تحریکیں جو ذات اقدس نے کیں منظور ہو گئیں۔ چند دنوں تک کانگرس کی کارروائی کا مباحثہ ایک طرح سے
انگریزی اور روسی وکلا میں ڈپلومیٹک و سفارتی لڑائی تھا جس میں اول الذکر زور دیتے تھے۔ کہ
اس قدر زیادہ۔ اور مؤخر الذکر کہتے تھے۔ کہ اسقدر اور کم حصہ بلگیریا کا سلطان کی براہ راست حکومت
میں رہے جس کا آخری فیصلہ یہ تھا کہ کوہ بلقان خود مختار صوبہ کی جنوبی حد مقرر ہوا۔

واقعات مابعد سے ثابت ہو گیا ہے کہ روس کا یورپ اور انگلستان کے اس دباؤ سے دبجانا
اصلی ہونے کی بجائے صرف بناوٹی تھا۔ اُس وقت سے لے کر آجتک اُس نے اِس امر کے چھپانے کی
کبھی کوشش نہیں کی۔ کہ عہدنامہ برلن کو بجائے قطعی فیصلہ سمجھنے کے وہ اُسے کیسی بے وقری اور
حقارت سے دیکھتا ہے۔ ان صفحوں کے درمیان تحریر میں بھی ہر ایک تار برقی جو مشرقی یورپ سے آتی ہے
اس نئی ریاست بلگیریا میں روس کے ایجنٹوں کی ان تھک پھرتی اور چالاکی کی شہادت دیتی ہے
مگر اُس نے یورپ کی خواہش کو قبول کرتے وقت اپنی ناراضگی اور آیندہ کے ارادوں کا کافی اشارہ
جتا دینے سے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ۲۶ جون کو پرنس گارچکوف نے جو بباعث بیماری چند دن غیر حاضر
رہا تھا چند الفاظ بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جن کے کہنے پر امن خواہی اور صلح جوئی کے جوش نے
اُس کو آمادہ کیا تھا۔ وہ صلح جوئی اور امن طلبی کے الفاظ یہ ہیں: "کانگرس کی ابتدائی نشست میں
لارڈ بیکنسفیلڈ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ سلطان کو اپنی مملکت میں مطلق العنان مالک رہنا چاہیئے مگر

(۱) یہ حضرت شاہ ولیم اول کے وقت جرمنی کے وزیر اعظم تھے اور اُس کی ناک کے بال بنے ہوئے تھے۔ اور
وہ گویا روئے زمین پر اول درجہ کے مدبر تھے۔ اور صاحب دماغ مشہور تھے۔ شاہ حال ولیم ثانی (باقی اگلے صفحہ پر)

میرے خیال میں اس اختیار کا وجود چند شرائط پر منحصر ہے جن کے بغیر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی وہ شرائط انتظامی اور پولیٹیکل ہیں۔ انتظامی حیثیت سے یہ ضروری ہے۔ کہ ان صوبوں کے باشندوں کو جن کو کانگریس آزاد کرے گی یہ اطمینان دلایا جائے کہ انکی جان و مال اور جائداد وغیرہ سب محفوظ رہیں گی۔ نہ صرف کاغذی اقراروں سے جو شاید سابقہ اقراروں کی طرح سے پورے نہ کئے جائیں۔ اور بدنظمی اور ناجائز مطالبات کو نہ روک سکیں۔ بلکہ ایک یورپین کمیشن سے ان اقراروں کے ایفاء کی تسلی کر دی جاوے۔ اور باشندوں میں اعتماد پیدا کر دیا جائے۔ پولیٹیکل حیثیت سے پرنس گارچکوف نے یہ فرمایا کہ بجائے انگریزی، فرانسیسی یا روسی غلبہ و رسوخ کے جو مختلف اوقات میں فرداً فرداً رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ کے لئے مشرق میں روس کا یہ غلبہ و رسوخ بہ نسبت اور دوسری کے کسی طرح زیادہ نہ رہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ قسطنطنیہ پر سے ان فرداً فرداً ادنے اور متضرت دہ کوششوں کو ہٹایا جا کر کل دول عظام کا متفقہ عمل جاری کیا جائے جس کے باعث باب عالی کئی مغالطوں اور غلطیوں سے بچ جاویگا۔"

پھر وہ یہ فقرہ استعمال کرتا ہے جو ماہران فن جنگ کو روسی افواج کی بہادرانہ کوششوں کی وجہ سے شاید جائز اور مناسب معلوم ہو۔ اور وہ یہ ہے "روس اس جگہ نشان فتحمندی لیکر آیا ہے اور وہ توقع کرتا ہے کہ کانگریس اس کو امن و صلح کی علامت سے مبدل کر دیگی"۔ اخیر یہ بھی بیان کیا کہ "پہلی وہ نشستوں میں میرے دونوں ساتھیوں نے قیام صلح کے لئے جو یورپ کی طرح روس کو بھی دل سے منظور ہے بہت ضمانتیں دی ہیں۔ انہوں نے اجتماع علیا (کانگریس) کے آگے صرف زبانی ہی فقرے پیش نہیں کئے۔ بلکہ عملی واقعات سے بھی ثبوت دیا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ کانفرنس اجلاسے میں میرے ملک کی امن خواہی کی پوری داد دیگی۔ میں یہ اچھی طرح سے سب کو جتا دیتا ہوں۔ کہ اگر کوئی سلطنت خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی خواہشوں کو ایسی حدود تک بڑھا لیجائے گی جنکو قبول کرنا اس بڑے بادشاہ اور اس کی زبردست قوم کے لئے جن کا وہ مالک ہے ناممکن ہو۔ تو وہ امن و صلح کے بڑے اہم نتیجے کو جو کل یورپ کی اغراض کے لئے یکساں ضروری ہے۔ روکنے والی ہوگی۔ میں دہرائے دیتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) کی تخت نشینی پر بھی انہوں نے وہی اپنا رعب داب قائم رکھنا چاہا۔ جو اس کے علاوہ کے وقت میں انہیں حاصل تھا۔ مگر یہ نوجوان والی سلطنت اس بوڑھے مدبر کے داؤ پیچ میں نہ آیا۔ اور اسے فوراً وزارت سے مستعفی کر دیا۔ چنانچہ اب یہ اپنے ہی بادشاہ کے برخلاف بہت سو زہر اگل رہے ہیں اور ملک کا اس کے برخلاف اکسا رہے ہیں (مترجم) وہ ۱۸۹۸ء میں فوت ہو گیا اسکی سوانحعمری تاریخ خاندان عثمانیہ میں درج ہے۔

کہ ایسا امر جسکو کل یورپ اور مشرق بہ نظر حقارت دیکھیں۔ ہرگز وقوع میں نہیں آسکے گا۔"

۱۳ جون کو کانگرس کے سامنے مشرقی مسائل کا وہ مسئلہ پیش ہوا جو آسٹریا ہنگری سلطنت کے مفاد اور اغراض کے متعلق تھا۔ اس سلطنت کے سفیر نے اس کو بڑی خوبی سے ایسے پیرایہ میں بوضاحت بیان کیا کہ میں اس کو اسی کی عبارت میں لکھتی ہوں۔ "اس نے مسئلہ بوسنیا و ہرزیگووینا کے نام سے موسوم کیا" اور کہا "ان ممالک کی آبادی مسلمان عیسائی۔ یونانی اور رومن کیتھولک عیسائیوں سے مرکب ہے۔ جو اس مذہبی تفریق و اختلافات کی وجہ سے سخت متعصب ہوگئے ہیں اور مختلف ضلعوں میں الگ الگ نہیں رہتے۔ بلکہ ایک ہی مقاموں ایک ہی قصبوں ایک ہی دیہات میں ملے جلے رہتے ہیں۔ باب عالی کو ان متضاد اجزا کو خود مختار طریق حکومت کے سانچے میں جمع کرنا ہوگا۔ بشرطیکہ عہدنامہ سین سٹی فانو کی شرائط کو کانگرس تسلیم کرلے تو اسے ان تمام فراریوں کو جو آسٹریا اور مانٹی نیگرو میں بکھرے ہوئے ہیں۔ پھر آباد کرنا پڑے گا۔ اور ان کے گذارہ کے لئے سامان مہیا کرنا ہوگا۔ انکو معمولی کاروبار از سر نو شروع کرانے کے لئے کاشتکاری کے واسطے تخم اور مکانات کی دوبارہ تعمیر کے لئے اسباب دینا ہوگا۔ اور اسے مسئلہ اراضی کی بہتری اور اسکا سلجھاؤ کرنا ضروری ہوگا۔ جو ان ممالک کے تباہ کرنے والی بار بار کی بغاوتوں کا اصلی باعث ہے۔ یہ مسئلہ ایسی آبادی میں جو مذہبی عناد اور رقابتوں سے لبریز ہو نہایت تکلیف دہ اور پر از مشکلات ہے۔ اس مسئلے کو ایسے ملک میں جہاں اصلی ملکیت اراضی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور آبادی کا بڑا حصہ عیسائی کاشتکار اور دہقانی مزدور ہوں۔ صرف ایک مضبوط اور بے تعصب سلطنت ہی درست کرسکتی ہے۔

"علاوہ ازیں باب عالی کو بیرون از استطاعت مصارف برداشت کرنے پڑیں گے۔ اور بے اندازہ رعائتیں دینی پڑیں گی۔ عہدنامہ سین سٹی فانو کی چودھویں شرط یہ ہے کہ ٹیکس کے بقایے وصول نہ کئے جائیں۔ اور یہی دفعہ باب عالی کو مجبور کرتی ہے کہ آئندہ دس سال تک ان صوبوں کے موجودہ محاصل کو بھی نہ وصول کرے۔ یہ بیان کرنا کہ روم اس کام کو پورا کرنے میں متحمل نہیں ہوسکتا۔ پر کوئی عثمانی پاشاؤں کی نیک نیتی پر کوئی شبہ کرنا نہیں ہے۔ یہ کام اس لڑائی کے خاتمہ پر جبکہ ختم ہونا ابھی تک مشکل ہے۔ اور بھی زیادہ ناممکن ہوجاویگا۔ خاصکر سب سے بڑھکر روس تخالف اور عناد کی ترقی کی موجودگی میں جو ان ضلعوں کے بعض میں مسلمان آبادی میں سرویا اور مانٹی نیگرو کے قبضے میں چلے جانے سے اور بھی زیادہ بڑھ جاویں گے۔ یہ تشویش بڑی مضبوط بنیاد پر قائم ہے کہ بموجودگی ان حالات کے خود مختارانہ حکومت قائم کرنے سے ان صوبوں میں بجائے امن وامان ہوجانیکے وہ تکالیف اور فساد

دار القرار بن جاویں گے۔"

روسی تجاویز کے ناقابل الترجیح ہونے کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے جتلایا ان پلانیپوٹینشریوں کو جو ان تجاویز کو بنانے کی اصلی باعث تھیں ایسی اچھی طرح سے فاش کرنا سفیران روم کے لئے بھی ناممکن تھا کہ سبھی سفرا اس امر کو پا گئے۔ اور اونکی طرف سے کسی ضد یا اعتراض کے پیش کئے جانے کے بغیر بوسینیا وہرزی گووینا کے خود مختارانہ انتظام کی تجویز روسی کاغذات کی ٹوکری میں ڈال دی گئی۔ اگرچہ کونٹ اینڈریسی (آسٹریا کا وزیر اعظم اور برلن کانگرس میں اپنے ملک کی طرف سے نائب تھا) نے روسی تجاویز کو اس عمدگی سے رد کیا۔ مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُسکا اسمیں کوئی اپنا مطلب یا غرض پنہاں نہ تھی۔ اوس نے اپنے بیان کو ان صوبجات میں مطلوبہ امن و امان قایم ہو جانے کی خواہش پر ختم کیا ہر ایک شخص جو ڈپلومیسی (ایلچی گری یعنی سفارتانہ پالیسی) کے ہیر پھیر سے ذرا بھی واقف ہو۔ اس صورت میں یہی خیال کرتا کہ اب پریسیڈنٹ کو نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے والے فریق یعنی سفراء روم سے دریافت کرنا چاہیے تھا کہ بابعالی کے اس عقدہ کو سلجھا سکنے کی لیاقت و استعداد کی بابت اونکی کیا رائے ہے۔ مگر آسٹریا کا وزیر مشکل سے ابھی اپنی جگہہ پر بیٹھا ہی ہوگا۔ کہ ظاہر ہو گیا کہ کانگرس کی کاروبار کا بہت سا حصہ اور کہیں علاوہ اس کمرے کے جہاں نشست کرتی ہے طے ہو جاتا ہے۔ گو کونٹ اینڈریسی قسم کھا کے خود اپنی زبان سے اپنے ملک کی اغراض کی تائید نہ کر سکا۔ تاہم اوسنے اپنا اطمینان کر لیا ہوا تھا کہ ایک اور شخص یہ کام اسکی جگہہ کریگا۔ پس لارڈ سالسبری کھڑے ہوئے اور خود مختارانہ حکومت کے متعلق روسی تجاویز کو کانگرس سے مسترد شدہ مان کر اور یہ فرض کر کے کہ بابعالی ان صوبجات زیر بحث پر قابض ہونے اور انکے انتظام کرنیکے قابل نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرما کر کہ اگر وہ ہو بھی تو کسے ان سے کچھ فایدہ نہیں اپنی دلایل بیان کرنی شروع کیں جو حسب ذیل ہیں :-

"یہ بوسینیا وہرزی گووینا بابعالی کی دولت یا قوت کو کچھ فایدہ نہیں پہونچاتے۔ کانفرنس متعینہ قسطنطنیہ میں یہ امر فیصل ہو گیا تھا۔ کہ ان صوبجات کے اخراجات انکی آمدنی سے بڑھ کر ہیں۔ انکو محفوظ رکھنے کے لئے بیشک بہت خرچ برداشت کرنا پڑیگا۔ اور وہ روم کو بوقت جنگ حیثیت موقع کوئی ایسی کار آمد نہیں بابعالی اپنی عقلمندی کا بہت بڑا ثبوت دیگا۔ اگر وہ اس بے فیض ان استطاعت بوجھ کے اٹھانے سے انکار کر دے۔ بابعالی اس بوجھ کو کسی ایسی سلطنت کے سپرد کرنے سے جو اسکو برداشت کر سکتی ہو سلطنت روم سے بہت خوفناک خطرے ہٹا دے گا۔"

یہ دیکھکر کہ ہر شخص زمانہ کس طرح اپنا بدلہ لیتا ہے۔ ایک شخص خواہ مخواہ اسکا اشتباہ ہے یا لارڈ

سالسبری کو آئرش ہوم رولز (آئرلینڈ میں حکومت خود مختاری قایم کرنیکے حامی) کی ایسی ہی دلایل کا قائل ہو کر جواب دینا پڑتا ہے۔ خیر اس کی ساری تقریر تو سن لیجئے۔ اور آگے چلکر وہ آخر کار یوں ختم کرتا ہے

"ان وجوہات کے باعث ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ کانگرس میں تجویز پیش کرتی ہے کہ یہ وہ فیصلہ کرے کہ بوسنیا و ہرزگوینا پر آسٹریا قابض ہو۔ اور یہاں کا انتظام کرے"

ڈپلومیٹ دسفارتی چالبازوں کی تماشا قابلیت اور قایم المزاجی اس درجے تک پہنچی ہوئی ہے کہ کونٹ اینڈرسی اس تقریر کے اثنا میں مسکرایا تک نہ تھا۔

لارڈ بیکنسفیلڈ بھی ضرورت کے وقت اپنے چہرے کو قایم رکھنے میں کسی کی استادی زیادہ سے کم نہ تھا اور جو کئی دفعہ ناٹکوں کی نقلوں میں خوشی سے شامل ہو چکا تھا۔ انگریز وزیر خارجہ کے بعد فی الفور اُٹھا اس نے ان دو صوبوں میں امن و امان قایم کرنے میں ٹرکی کی بے استطاعتی اور امن کے ایک نیا ان بخش سودا ہونے کو بیان کر کے اپنے ساتھی کی تائید کی۔ اور ایسے انداز سے کہ عمر بھر کبھی ایسا ناٹک اور مسخرانہ کلام اوس نے ایسے متین اور سنجیدہ چہرے سے نہ بیان کیا تھا کہا کہ "ایسی لئے کوئی اور قوم سوائے آسٹریا ہنگری کے اس وقت ان صوبوں پر قبضہ کر لینے سے حفظ امن قیام فلاح وخوشحالی اور باب عالی کو یورپین معاملات میں اوسکی وقعت کو زیادہ تقویت دیدینے سے اچھی طرح محفوظ کر دینے کے فرض اعظم کو پورا نہیں کر سکتی۔"

پرنس کارچکوف نے تمام صلح کے بارے میں کچھ بڑا بہات گفتگو کرنے کے بعد سلطان کے سفرا نے انگلستان کی تجویز کے برخلاف اپنے عذر پیش کر کے کہا کہ "باب عالی ان صوبوں میں امن و امان قایم کرنے کے لئے کافی مضبوط ہے اور اقرار کرتا ہے کہ وہ وہاں ایک تائی کمشنر کو پولیس کے قایم کرنے اور فراریوں کو تا وقتیکہ کاشتکاری کا کام شروع نہ ہو جائے مکان اور گذارہ دینے کے لئے روانہ کر کے کام کو فی الفور شروع کر دیگا۔"

انگریزی سفیر کے اس اعتراض کے جواب میں کہ بھلا گذشتہ تین سالوں میں ٹرکی ان صوبوں میں کیوں نہ امن قایم کر سکی۔ انہوں نے یہ کہا کہ "باب عالی اس سارے عرصے میں متحدہ صوبجات سرویا و مانٹی نگرو کے ساتھ لڑائی کرتا رہا۔ اور پچھلے بارہ ماہ ایک بڑی بھاری جنگ میں مشغول رہا اور باایں ہمہ عثمانی حکومت بوسنیا و ہرزگوینا میں بغیر کسی تزلزل کے برابر قایم رہی ہے۔ اب ایسے وقت میں جبکہ صلح کی تکمیل ہونے پر ہے۔ اور باب عالی کو کافی فراغت ملجانے والی ہے کہ وہ اپنی کل قوت اندرونی اصلاح پر خرچ کرے کیا یہ صریح زیادتی اور ظلم نہیں کہ وہ ان صوبوں کو کسی دوسری طاقت کے سپرد کر دینے پر مجبور کیا جائے گو

دارالقرار بن جاویں گے"۔

روسی تجاویز کے ناقابل الترجیح ہونے کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے جتلایا۔ اُن پیرایوں کو جو ان تجاویز کے بنانے کی اصلی باعث تھیں ایسی اچھی طرح سے فاش کرنا سفیران روم کے لیے بھی ناممکن تھا یہاں تک کہ سبھی سفرا اس امر کو بھانپ گئے۔ اور ان کی طرف سے کسی عذر یا اعتراض کے پیش کئے جانے کے بغیر بوسنیا و ہرزیگوینا کے خود مختارانہ انتظام کی تجویز روسی کاغذات کی ٹوکری میں ڈال دی گئی۔ اگرچہ کونٹ اینڈریسی (جو آسٹریا کا وزیر اعظم اور برلن کانگریس میں اپنے ملک کی طرف سے نائب تھا) نے روسی تجاویز کو اس عمدگی سے رد کیا۔ مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکا اسمیں کوئی اپنا مطلب یا غرض پنہاں نہ تھی۔ اور اس نے اپنے بیان کو ان صوبجات میں مطلوبہ امن و امان قایم ہو جانے کی خواہش پر ختم کیا ہر ایک شخص جو ڈپلومیسی (ایلچی گری) یعنی سفارتانہ پالیسی کے ہیر پھیر سے تھوڑا بہت واقف ہو۔ اس صورت میں یہی خیال کرتا۔ کہ اب پریسیڈنٹ کو نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے والے فریق یعنی سفراء روم سے دریافت کرنا چاہیے تھا۔ کہ باب عالی کے اس عقدہ کو سلجھا سکنے کی لیاقت و استعداد کی بابت اُنکی کیا رائے ہے۔ مگر آسٹریا کا وزیر مشکل سے ابھی اپنی جگہ پر بیٹھا ہی ہوگا۔ کہ ظاہر ہو گیا کہ کانگریس کی کاروائی کا بہت سا حصہ اور کہیں علاوہ اس کمرے کے جہاں نشست کرتی ہے طے ہو جاتا ہے۔ گو کونٹ اینڈریسی شرم کے مارے خود اپنی زبان سے اپنے ملک کی اغراض کی تائید نہ کرسکا۔ تاہم اس نے اپنا اطمینان کر لیا ہوا تھا۔ کہ ایک اور شخص یہ کام اسکی جگہ کریگا۔ پس لارڈ سالسبری کی مقصد اور خود مختارانہ حکومت کے متعلق روسی تجاویز کو کانگریس سے مسترد شدہ مان کر اور یہ فرض کرکے کہ باب عالی اب صوبجات زیر بحث پر قابض ہونے اور انکے انتظام کرنیکے قابل نہیں رہا۔ اور یہ بھی فرما کر کہ اگر وہ ہو بھی تو اسے ان سے کچھ فایدہ نہیں اپنی دلایل بیان کرنی شروع کیں جو حسب ذیل ہیں:-

"بوسنیا و ہرزیگوینا باب عالی کی دولت یا قوت کو کچھ فایدہ نہیں پہونچاتے۔ کانفرنس منعقدہ قسطنطنیہ میں یہ امر فیصل ہو گیا تھا۔ کہ ان صوبجات کے اخراجات انکی آمدنی سے بڑھ کر ہیں۔ انکو محفوظ رکھنے کے لئے بیشک بہت خرچ برداشت کرنا پڑیگا۔ اور سلطنت روم کو بوقت جنگ حیثیت فوج کوئی ایسی کار آمد نہیں باب عالی اپنی عقلمندی کا بہت بڑا ثبوت دیگا۔ اگر وہ اس بیرون از استطاعت بوجھ کے اُٹھانے سے انکار کردے۔ باب عالی اس بوجھ کو کسی ایسی سلطنت کے سپرد کرنے سے جو اسکو برداشت کر سکتی ہو سلطنت روم کو بہت سے خوفناک خطرے سے بچا دے گا"۔

یہ دیکھکر کہ چرخ زمانہ کس طرح اپنا بدلہ لے لیتا ہے۔ ایک شخص خواہ مخواہ مسکرا اٹھتا ہے۔ مایکہ لارڈ

سالسبری کو ارلنگ ہوم رول (آئرلینڈ میں حکومت خود مختاری قائم کرنیکے حامی کی ایسی ہی دلایل کا کھینچ ہو کر جواب دینا پڑتا ہے۔ غیر اس کی ساری تقریر تو سن لیجیئے۔ اور آگے چلکر وہ آخر کار یوں ختم کرتا ہے

"ان وجوہات کے باعث ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ کانگرس میں تجویز پیش کرتی ہے کہ یہ وہ فیصلہ کرے کہ بوسینیا و ہرزیگوینا پر آسٹریا قابض ہو۔ اور اسکا انتظام کرے۔"

ڈپلومیٹ دسفارتی چالبازوں) کی تماشا قابلیت اور قائم المزاجی اس درجے تک پہنچی ہوئی ہے کہ کونٹ شینڈسی اس تقریر کے اثنا میں مسکرایا تک نہ تھا۔

لارڈ بیکنسفیلڈ ضرورت کے وقت اپنے چہرے کو قایم رکھنے میں کسی آسٹروی نژاد سے کم نہ تھا اور جو کئی دفعہ ناٹکوں کی نقلوں میں خوشی سے شامل ہو چکا تھا۔ اپنو وزیر خارجہ کے بعد فی الفور اٹھا اس نے ان تو صوبوں میں امن و امان قایم کرنے میں ٹرکی کی بے استطاعتی اور اون کے ایک نہایت بخش سود اہو نے کو بیان کر کے اپنے ساتھی کی تائید کی۔ اور ایسا انداز سے کہ عمر بھر کبھی ایسا نازک اور مسخرانہ کلام اوس نے ایسے متین اور سنجیدہ چہرے سے نہ بیان کیا تھا کہا کہ "ابھی لئے کوئی اور قوم سوائے آسٹریا ہنگری کے اس وقت ان صوبوں پر قبضہ کر لینے سے حفظ امن قیام فلاح و خوش حالی اور باب عالی کو یورپین معاملات میں اوسکی وقعت کو زیادہ تقویت دینے سے اچھی طرح محفوظ کر دینے کے فرض اعظم کو پورا نہیں کر سکتی۔"

پرنس گارچکوف کے قیام صلح کے بارے میں کچھ بیہودہ سی باتیں گفتگو کرنے کے بعد سلطان کے سفراء نے انگلستان کی تجویز کے برخلاف اپنے عذر پیش کر کے کہا کہ "باب عالی ان صوبوں میں امن و امان قایم کرنے کے لئے کافی مضبوط ہے اور اقرار کرتا ہے کہ وہ وہاں ایک انٹرنیشنل کمشنر کو پولیس کے قایم کرنے اور فراریوں کو تاوقتیکہ کاشتکاری کا کام شروع نہ ہو جاوے مکان اور گذارہ دینے کے لئے روانہ کرکے کام کو فی الفور شروع کر دیگا۔"

انگریزی سفراء کے اس اعتراض کے جواب میں کہ بھلا گذشتہ تین سالوں میں ٹرکی ان صوبوں میں کیوں نہ امن قایم کر سکی انہوں نے یہ کہا کہ "باب عالی اس سارے عرصہ میں دو مختلف صوبجات سرویا و مانٹی نگرو کے ساتھ لڑائی کرتا رہا اور پچھلے بارہ ماہ ایک شدید جنگ میں مشغول رہا اور باایں ہمہ عثمانی حکومت بوسینیا و ہرزیگوینا میں بغیر کسی تزلزل کے برابر قایم رہی ہے۔ اب ایسے وقت میں جبکہ صلح کی تکمیل ہونے پر ہے۔ اور باب عالی کو کافی فراغت ملنے والی ہے کہ وہ اپنی کل قوت اندرونی اصلاح پر خرچ کرے کیا یہ بیجا زیادتی اور ظلم نہیں کہ وہ ان صوبوں کو کسی دوسری طاقت کے سپرد کر دینے پر مجبور کیا جاوے گو

یہ سچ ہی ہی کہ بوسینیا عثمانی سلطنت کے نزدیک مالی حیثیت کی وجہ سے قابل وقعت نہیں مگر اس سے
یہ نہیں پایا جاتا کہ اسپر غیر طاقت کا قابض ہو جانا بڑی تکالیف کا باعث نہوگا۔ مسئلہ ارضی کی مشکلات
کے بارے میں جو کچھ کہا سنا گیا ہے۔ اسکی بابت ہم (سفرائے روم) کانگرس کو یاد دلانیکی جرات کرتے ہیں
کہ بوسینیا ہی صرف یورپ کا ایسا حصہ نہیں۔ جہاں اس قسم کی مشکلات پیش آتی ہوں۔ مگر اور کسی
ایسی جگہ کے بارے میں اس قسم کی چارہ جوئی کو کسی نے پیش نہیں کیا۔ جو اب بوسینیا کے متعلق پیش
کیجاتی ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا جا نو ہمیں بتلاتا ہے کہ لارڈ سالسبری کی جو شہرہ یہ فقرہ سنکر بے اختیار
نکل گیا "نہایت امر لغیہ" "ہم (ترکی سفرا) اُمید کرتے ہیں کہ کانگرس ان اقراروں کو مد نظر رکھکر جو ہم اپنے شاہی آقا
کے نام پر پیش کرتے ہیں۔ کسی غیر سلطنت کو قبضہ دینے کی تجاویز مسترد کر دے گی۔ جن سے بجائے موجودہ تکالیف
رفع ہونیکے اور زیادہ دقتیں عارض ہو جاوینگی" جب کاراتھیوڈوری پاشا بیٹھ گیا۔ تو پرنس بسمارک نے
سفرائے روم کو یاد دلایا کہ "کانگرس نقشہ یا جغرافیہ کے بعض خاص مقامات کے قایم رکھنے کے لیے جن کے
قیام کا باب عالی خواہشمند ہی کیوں نہ ہو۔ نہیں منعقد ہوئی۔ بلکہ یورپ کے امن کو حالاً اور استقبالاً قایم
رکھنے کے لیے" شہزادہ بسمارک نے انکو یہ بھی جتلا دیا کہ "کانگرس کی مداخلت کے بغیر انہیں عہدنامہ سین
سٹی فانو سے کلیتہً سابقہ پڑے گا۔ اس مداخلت سے انکو بجائے بوسینیا کے ایک زیادہ زرخیز اور وسیع
صوبہ ملتا ہے۔ یعنی وہ زمین جو بحر الجزائر سے بلقان تک پھیلی ہوئی ہے۔ پس میں اُمید کرتا ہوں کہ عثمانی
گورنمنٹ بہت جلد اپنے سفرا کو نئی ہدایات روانہ کریگی۔ جنکا کانگرس انتظار کریگی"

۴ جولائی کو یہ ہدایات پہونچگئیں۔ اور سلطان کا آخری جواب کانگرس کے سامنے رکھا گیا۔ وہ
یہ تھا "امپیریل عثمانی گورنمنٹ نے بوسینیا و ہرزیگوینا میں امن قایم کرنیکے مناسب طریق اور ذریعوں کے
بارے میں کانگرس کی تجاویز کو بنظر خوبی ملاحظہ فرمایا ہے۔ اور وہ اُنپر پورا بھروسہ کرتی ہے لیکن یہ حق محفوظ
رکھتی ہے کہ اسبارے میں دربار واسٹنا کے ساتھ براہ راست خود سمجھوتہ کرلے"

عہدنامہ سین سٹی فانو کی باقیماندہ شرائط بنسبت شرائط متعلقہ بوسینیا و ہرزیگوینا کے بہت جلد فیصل
ہوگئیں۔ سرویا کی آزادی بغیر کسی مزاحمت کے قبول کرلی گئی۔ مگر اسپر کاراتھیوڈوری پاشا نے جو تقریر کی
وہ قابل اندراج ہے۔ "کانگرس میں عہدنامہ سین سٹی فانو کی شرائط متعلق آزادی صوبجات کے بیان ہونے کے
اس پہلے موقعہ پر کاراتھیوڈوری پاشا، اپنی رائے کے ساتھ چند الفاظ کہنے کی اجازت چاہتا ہے
یہ امر ایک بہت بڑے یوروپین مقصد بلکہ خود سرویا کے مفاد کیلئے تھا کہ یورپ نے اس شرط حکومتی کو
جس سے آجتک سرویا اپنے آقا سے وابستہ تھی منظور کیا ہوا تھا۔ ترکی نے ان حقوق کو جو اسی بذریعہ

عہد نامجات حاصل تھے بڑی نرمی سے برتا ہے جو نرمی ہر حال میں بلکہ سخت سے سخت آزمائشوں کے وقت بھی یکساں رہی تھی ہر اس حق سے وہ تکالیف جن سے وقتاً فوقتاً یوروپ کو سخت حیرانی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ بڑی آسانی سے دور ہو جاتی رہیں۔ گر باوجود اس شاہی حق کے جو ایسی نرمی میں جہاں تھا سوپا کو حاصل ایک آٹونومی حاصل تھی۔ اس کے فوائد عظیمہ کا مزہ اپنے کئی دفعہ اقبال کیا ہے۔ پس سب سلسوں میں عہد نامہ سین سٹی فانو نے اس صوبہ کو اور کئی دوسرے اسی طرح کے صوبوں کو اپنے مرکز قدیم سے ہٹا کر ایک نئی طرز پر قایم کیا ہے۔ گر آزادی کا یہی خیال آجکل یوروپ کی کونسلوں میں اوج پر پہونچ گیا اسکی مزاحمت نہیں کرتی۔ کیونکہ اسے اطمینان ہے کہ یہ آزادی جو بابعالی بخش رہی ہے سچی اور خالص ہوگی۔ اور یہ ریاستیں اس آزادی کو اپنے اپنے فرائض اور حقوق کو اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اختیار کریں گی۔ (کیونکہ اس وقت سے برابر اس آزادی کی وقعت کی جاوے گی) اور یوروپین حفظ ان کی وہ ضمانتیں کم نہ ہونے پاوین گی جو بابعالی کے رشتہ آقائی کے باعث موجود و قائم تھیں"

اس وقت روس کو بھی اپنے دعوی آزادی کی صداقت کو ظاہر کرنیکا موقع ملا۔ اور اس نے اچھی ہی طرز میں اوس کو بیان کیا۔

انگریزی اور فرانسیسی وکلاء اسبابر زور دیتے تھے کہ مذہبی آزادی کا اصول ان صوبوں میں ایک خاص ایکٹ کے ذریعہ سے پختگی قایم کیا جاوے۔ مگر پرنس گارچکوف نے ہر ایک قسم کی آزادی سے خواہ ملکی ہو یا مذہبی طبعی و قدیم روسی نفرت کے منشاء کے مطابق یہودیوں کو اسمیں شامل کرنے سے عذر کیا جو اس کی رائے میں وہیسی آبادی کے لئے فی الحقیقت ایک سخت لعنت ہیں مگر اس امر پر باقی سب سفرائے مدعوین متفق تھے۔ اور اس بحث کا نتیجہ عہد نامہ برلن کی پینتیسویں دفعہ میں درج ہوا جس نے اس معاملہ کو بغیر کسی شک و شبہ کے باقی رکھنے کے طے کر دیا۔

بعدازاں کانگرس یونانی سرحد کی درستی کرنے کیطرف متوجہ ہوئی۔ اور اس قدر سفرائے یونان جو برلن میں پہلے ہی سے موجود تھے۔ کانگرس میں شامل کئے گئے۔ اور انکی بابت رائے دریافت کیگئی انگلستان کا منشا تھا کہ یونان کے سفیر باقاعدہ طور پر کانگرس میں شامل ہوں۔ مگر یہ تجویز حسب خواہش روس روم اور فرانس کے ترک کیگئی۔ اور جون کو ایم رینگابے سفیر اور ایم ڈیلی انیس وزیر خارجہ حاضر ہوئے۔ ایم ڈیلی انیس نے بیان کیا کہ اونکی قوم اس غرض کیلئے کہ امن امان اور قومی آزادی کا وجود قایم رہے کریٹ اور ان صوبوں کا جو یونان کی حد پر ہیں۔ الحاق چاہتی ہے۔ اس دعوی کی تائید میں یہ بیان کیا

کریٹ جو بہت مدت سے ایک مسلسل بغاوت کی حالت میں ہیں۔ ان لوگوں کی قومی امنگوں اور خواہشوں کو پورا کرنا جو ہر وقت ظاہر کی جاتی ہیں۔ انصاف اور ہمدردی کا کام ہوگا۔ اور آیندہ کے لئے اونکو اس تباہی اور مصیبت سے بچایا ہوگا۔ جو ان پر قومی وجود کے حاصل کرنے کی کوششوں میں عاید ہوتی رہتی ہے۔ اوس نے بڑے زور سے کل یونانیوں کے جو مملکت یونان کے اندر یا اوس کے باہر ہیں وہ خیالات کو بڑی لمبی چوڑی تقریر میں بیان کیا ہے ہمارے خیال میں اسی کی عبارت نقل کرنی بہت مناسب ہوگی۔

"عثمانی سلطنت کے یونانی صوبوں میں یونانیوں کی گنتی ہزاروں میں ہے۔ بہت سے گورنمنٹ کے ہر ایک محکمہ میں خواہ سول ہو یا بحری یا جنگی بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں۔ باقی تجارتی دنیا میں اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں۔ روم میں یونانی قوم کی بغاوتوں کی خبروں کا اثر ایسا نہیں کہ ان کے دلوں میں جنبش نہ پیدا کر دے۔ بہتوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ اور اکثر اپنی جایدادوں سے محروم ہو جاتے ہیں (یعنی بجرم بغاوت یا تو سرکار ترکی انکو پھانسی دیدیتی ہے۔ یا انکی جایداد ضبط کر لیتی ہے مترجم) معاملات کی ایسی حالت سے سلطنت یونان کے اندر بڑا خطرناک نتیجہ پیدا ہو رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ یونان کو ایک بڑے مخمصہ میں پھنسنا پڑتا ہے۔ وہ زیر بحث صوبوں کی یونانیوں کے ساتھ جو اور یونانیوں سے تاریخ۔ قومیت اور عام مذہبی و پشتینی رشتوں سے وابستہ ہیں ہمدردی کرنے سے نہیں رک سکتی۔ اور ساتھ ہی گورنمنٹ یونان چونکہ سلطنت روم کے یونانیوں کی ان جائز امیدوں کو جو وہ اپنے اتحاد باہمی پر قائم کرتے ہیں۔ زور سے دبا نہیں سکتی۔ اس لئے اس سیل کے روکنے سے معذور ہے۔ اگر وہ ایسا کرنے کی جرأت بھی کرے تو یہ سیلاب اُسی کو تہ و بالا کر دے گا۔ اور تمام ملک باغی صوبوں کے ہنگامہ میں لے جا کر شامل کر دیگا۔ نیز اگر ہماری گورنمنٹ قومی جوش کو روکنے کی کوشش بھی کرے تو وہ اتنی استعداد نہیں رکھتی کیونکہ ملک کی حدود اس طرح واقع ہیں کہ ایک لاکھ آدمی کی فوج بھی کافی طور پر محافظت نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی مجاہدین (والنٹیروں) کی خفیہ روانگی کو روک سکتی ہے۔"

یہ بیان کر کے یونانی سفراء اٹھ گئے۔ اور ۵ جولائی کو اس یونانی مسئلہ کے پھر پیش ہونے پر موسیو وڈنگٹن فرانسیسی سفیر نے بحث شروع کی اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔ تا کہ روم کو یورپ کا عندیہ معلوم ہو جائے اور یونان کو واضح ہو جائے۔ کہ وہ ان حدود سے آگے بڑھنے کا مجاز نہ ہوگا۔

"کانگرس سبلائم پورٹ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ تھسیلی اور ایپیرس کی حدوں کی درستی کر کے یونان کے ساتھ فیصلہ کر لے۔ اور اپنی یہ رائے ظاہر کرتی ہے۔ کہ یہ فیصلہ ہر ایک ساحل کے کنارے پر اس خاص لین کے مطابق ہو جو پروٹوکول میں اچھی طرح سے بیان کی گئی ہے۔ کانگرس یقین کرتی ہے کہ دونوں فریق آپس میں مصالحت

کر لینے میں کامیاب ہوں گے۔ تمام پیام کے کامیاب ہونے میں سہولت پیدا کرنے کیلئے دونوں فریقوں میں براہ راست بیچ بچاؤ کرنے کیلئے معقول انتظام تیار ہیں۔" اس تجویز پر عمل کیا گیا۔ اور یہ مسئلہ دونوں سلطنتوں کے آپس کے تصفیہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس بحث کے اثناء میں لارڈ بیکنسفیلڈ نے اپنے آخری تمام تاریخی جملوں میں سے ایک کا پہلی دفعہ اظہار کر کے یونان کے متعلق کہا کہ "اس ملک کی حالت کے آئندہ کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ مگر ریاستیں بھی اُن افراد کی طرح جنہیں حالات مستقبل سے سابقہ پڑتا ہو، انتظار کر سکتی ہیں۔"

اس نے اپنی رائے بیان کی کہ سرحدوں کی درستی کے لئے دباؤ ڈالیئے کو وہ ہرگز پسند نہ کرے گا اور کہا کہ میری نظروں میں "سلطان ان بڑی بڑی مصیبتوں کی آزمائشوں کے بعد بڑی عزت اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ اور مجھے امید ہی نہیں۔ بلکہ یقین ہے کہ سلطان سرحدی مسئلہ کے منصفانہ سلجھاؤ کو منظور فرمالیں گے۔"

عہد نامہ برلن کی شق دفعات کے ان فقروں کے پیش ہونے پر جو رومینیا کی آزادی اور روس کے بیسربیا کے لے لینے کے متعلق تھے۔ روس اور انگلستان کے سفراء میں بڑی طول طویل اور سخت بحث ہوئی۔ انگلستان چاہتا تھا ڈینیوب کی آزادی جہاز رانی پر زور دیتا تھا۔ یہ امر ابتدائی عہد نامہ کرنے والوں کی نظر سے کسی طرح رہ گیا تھا۔ اس بحث میں کونٹ شووالاف روس کے دوسرے سفیر نے رومینیا والوں کو ملک کے اس نئی انتظامی ردوبدل کی مخالفت کرنے پر سخت ناشکر گزاری کا متہم کیا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ اس معاملہ پر خود رومینیا والوں کی رائے سنی جاوے۔ تب ایم گلبیسی اور رومینیا کے سفیر کو داخل کیا گیا اور انہوں نے فوراً بے اچھی طرح سے واضح کر دیا کہ "اس کی گورنمنٹ اپنے موجودہ مقبوضات کے کسی حصہ کو دینے ہی کی سخت مخالف نہیں۔ بلکہ مزید برآں وہ ان جزیروں کو بھی جو دریائے ڈینیوب کے دہانے پر واقع ہیں لینا چاہتی ہے۔" اس کے چلے جانے پر پھر بحث شروع ہوئی۔ مگر پرنس گارچکوف اور کونٹ شووالاف نے بیسربیا کی ایک انچ زمین بھی چھوڑنے سے انکار کیا۔ اور چونکہ ان کا ملک پہلے ہی اس کا قابض زمین تھا۔ آخر کار وہ کامیاب ہوئے اور رومینیا کو اس کے عوض میں طلوبیہ جزائر سے ایک جو سری زمین کا ایک نیا چھوٹا سا ٹکڑا دلوا دیا گیا۔

مانٹی نیگرو (جبل اسود) کی آزادی بغیر کسی بحث مباحثہ کے منظور ہو گئی۔ اور اس کے بعد کانگرس ڈینیوب کی جہاز رانی کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو بیسربیا کے پھر روس کے قبضہ میں آجانے سے دوسری ہمسائی ریاستوں کے لئے ایک بڑا تکلیف دہ اور پیچیدہ مسئلہ ہو گیا تھا۔ کونٹ اینڈریسی نے مندرجہ ذیل چار شرطیں پیش کیں جو آخر کار فیصلہ کی بنیاد قرار دی جا کر منظور ہو گئیں۔

(۱) دریائے ڈنیوب آہنی دروازوں تک کھلا رہے۔

(۲) یورپین کمیشن برابر قائم رہے۔

(۳) کمیشن کے کاروبار میں رومینیا بھی شامل کیجائے۔

(۴) باب ہائے آہنی پر ہر ایک قسم کی تعمیر کا حق صرف آسٹریا ہنگری کیلئے مخصوص رہے۔

اب کانگرس عہدنامہ سین سٹیفانو کی ان شرائط کیطرف متوجہ ہوئی۔ جو تاوان جنگ کے قدرے نقدی میں ادا کئے جانے اور باقیماندہ کے عوض میں ملک دینے کے متعلق تھیں جب تاوان جنگ کی آخری تجویز یعنی بعوض بعض حصۂ تاوان جنگ ملک کے لینے کا فیصلہ ہوچکا تو کارٹیوتھوڈوری پاشانے کانگرس کو اس کے پہلے حصۂ نقد تاوان جنگ کیطرف متوجہ کرکے یوں بیان کیا۔ "روس کو لڑائی سے اسقدر بیشمار فائدے حاصل ہوچکے ہیں کہ وہ اس کے مالی اخراجات کا کافی معاوضہ ہوسکتے ہیں۔ ہم اتنے بھاری نقصان اٹھانے کے بعد اس رقم مطلوبہ کے ادا کرنیکے شاید ہی قابل ہوں۔ اور اگر ہوں بھی تو اس کے ادا کرنے سے وہ ان انتظامی اصلاحوں کے کرنے سے بالکل لاچار ہوجاویگا۔ جنکو وہ خود اور کل یورپ نہایت ہی ضروری مانتا ہے۔ پس اگر یورپ نے علاوہ اس قدر ملک دینے کے روس کو اس قدر بھاری رقم وصول کرنیکی بھی مدد دی۔ تو اس سے نہ صرف رعایا کی حالت جس کی بہتری کیلئے یورپ اپنے آپ کو ایسا متردد بناتا ہے۔ بالکل نازک ہوجاوے گی۔ بلکہ خود گورنمنٹ عثمانیہ بھی تباہ ہوجاویگی جس کے قیام کو یورپ اپنے اغراض عظیم میں سے بتلا چکا ہے"۔

ترکی سفیر کی اس تقریر نے جسمیں رعایا کی آیندہ حالت کا نقشہ کھینچیں ہی کہ بہت جلد ہی ظاہر ہ یہ کشت و خون اور روپے کی بربادی ہوئی تھی جتایا گیا۔ پرنس گارچکوف اور کونٹ شووالاف پر تو کچھ اثر نہ کیا۔ تاہم دوسرے سفراء پر پورا اثر کردیا۔ اور یہ فیصلہ ہوا کہ عہد نامہ کے متن میں نقد تاوان جنگ کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔

ﻋﻠﻪ مندرجہ ذیل فقرہ لارڈ سالسبری کے اس مراسلے سے انتخاب کیا گیا ہے جو اس نے تاوان جنگ کی ادائگی کے بارے میں کانگرس کے ارادہ پر لکھا تھا۔ وھو ھذا:۔ تاوان جنگ کا مسئلہ جسپر روم کی گورنمنٹ نے بہت اعتراض کئے تھے عہدنامہ کے متن سے خارج کیا گیا ہے۔ کانگرس نے ایسے معاہدی کو توڑنے سے انکار کیا۔ جو عہدنامہ پیرس کے صریح منشا و مراد ہو اور جو بایں وجہ صرف دونوں فریق ہی واپس کرسکتے ہیں لیکن تاہم کانگرس میں اس معاملہ پر تقریریں ہوئی ہیں۔ جو پروٹوکل میں لکھی گئی ہیں۔ ان سے اس کا عملی اثر بہت کم ہو جائیگا۔ روسی سفراء نے بیان کیا کہ وہ نقد تاوان جنگ کے عوض اور ملک لینا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی اسبات پر جھگڑا کرتے ہیں کہ اس کو رعایتی (اگلے صفحہ)

تمام سلطنت روم میں مذہبی آزادی کے قیام پر جو پریذیڈنٹ کے دستخطوں پر دوسری رکابی تھی۔ کاراتھیوڈوری پاشا نے سلطان المعظم کا یہ پیغام پڑھا جسکو میں یہاں پورا درج کرتی ہوں۔

"مذہبی آزادی کی تائید میں جب کبھی کوئی بیانات مختلف اوقات میں کانگریس کے سامنے پیش ہوں۔ تو ہمارے سفراء کو یہ بیان کرنیکا اختیار دیا جاتا ہے کہ باب عالی کا منشا اسبارے میں پورے پورے مطلوبہ مدعا کے عین مطابق ہے۔ اسکی نہایت ہی مضبوط اور قدیمی مصلحتیں اسکی بنیادی پالیسی اور خود اس کی رعایا کے خیالات اور خواہشیں سب اسی انجام کی طرف مائل رہے ہیں کل سلطنت میں سلطان المعظم کی رعایا کے کروڑوں آدمی مختلف عقائد و مذاہب کے پیرو ہیں لیکن آج تک کسی شخص کو اپنے مذہبی احکام کی پابندی کرنیکے باعث ذرا بھی تکلیف نہیں دی گئی ہے"

کانگریس میں اس سلطانی مراسلہ کو پیش کرتے وقت کاراتھیوڈوری پاشا نے یہ توقع ظاہر کی کہ نئے عہدنامے کے اس آرٹیکل میں جو مذہبی آزادی کے مسئلے کے متعلق تحریر ہو اس امر کا ضرور اشارہ کر دیا جاویگا کہ یہ اصول پہلے ہی سے سرکار شہنشاہی کے تمام ممالک محروسہ میں رائج اور جاری ہے۔ آپکی یہ خواہش پوری کیگئی۔ چنانچہ عہدنامہ کا باسٹھواں آرٹیکل (دفعہ) یوں شروع ہوتا ہے "باب عالی نے مذہبی آزادی کے اصول کو برابر قایم رکھنے بلکہ حتی الامکان اسکو اور زیادہ وسعت دینے کا منشا ظاہر کیا ہے اس کے ابلیت خاطر اس امر کو ظاہر کرنے کی کل دول معظم دل سے قدر کرتی ہیں"

ایشیائی ممالک کے قبضہ کی بابت جن کا مسئلہ اب کانگریس میں پیش ہوا۔ روس اور انگریزی سفیروں میں پہلے ہی سے خفیہ طور پر فیصلہ ہو چکا تھا۔ روسیوں نے ارض روم۔ بایزید۔ اور وادی الوشکرد کو تو چھوڑ دیا مگر قارص، باطوم اور اردہان کے لینے پر مصر رہے۔ پرنس گارچکوف نے باطوم کے متعلق مندرجہ ذیل منشا ظاہر کیا۔ (ب)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲) ان قرضوں پر جن کی دوسری گورنمنٹوں نے ضمانت دی ہو یا جن کی ضمانت میں گورنمنٹ کے محاصل مکفول ہو چکے ہوں فوقیت دی جائے۔ انگریزی سفراء نے بیان کیا کہ وہ ان تاوان جنگ میں کوئی ایسا امر نہیں پاتے کہ اوسکو ان قرضوں پر جو اس سے پہلے کے ہیں کسیطرح فوقیت دی جائے۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ترکی قانونا بھی تعلقات کے اصول کے مطابق اوسکو ادا کرنیکی ذمہ دار نہیں۔ اور نہ ہی وہ اوس کو ادا کرنے پر مجبور کیجا سکتی ہے جبتک کہ تمام قرضے جو تاریخ جنگ سے پہلے کے ہیں پورے نہ ادا ہو جائیں اگر روم کبھی کسی زمانہ میں ایسا خوشحال ہو جائے۔ کہ دیگر تمام قرضوں سے سبکدوش ہو جائے تو اس وقت تاوان جنگ کا مطالبہ کرنا ناجائز نہ ہوگا کیونکہ ایسے وقت میں یہ مطالبہ روم سے نہ ہی ناجائز ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی تکلیف دہ۔ بیچارہ اسوقت تو ناجائز نہیں۔ مگر اس کی تعمیل فی الحال موجودہ پر خود کرنے سے بہت دور دراز عرصہ تک ملتوی کر دی گئی ہے"

کی طرف میں ناظرین کو خاص کر متوجہ کرتی ہوں۔ کیونکہ اس سے روس کی پالیسی کی کل کیفیت اور
اور اس کے وعدوں کی ماہیت اچھی طرح سے معلوم ہو جائے گی۔ اس نے کہا کہ "مجھے بیان کرنے کی
اجازت دی گئی ہے کہ میرا آقا بہ نیت باطوم کو اپنے زیر حکومت ملا کر اسے ایک آزاد بندرگاہ قرار
دیگا جس سے تمام تجارتی قوموں کو اور برطانیہ عظمیٰ کو خصوصاً جسکی تجارت یہاں نسبتاً بہت ہی زیادہ
جاری ہے صرف یہ ہے میں فوائد عظیم حاصل ہوں گے۔"

لارڈ بیکنسفیلڈ نے اس اظہار کی نسبت یہ رائے دی کہ "یہ حیثیت امن خواہی یہ امر نہایت قابل قدر
ہے"۔ اور لارڈ سالسبری نے تو یہی کہہ دیا کہ "اگر باطوم کا قبضہ ایسی حالتوں میں رکھا جائے جس سے بحیرہ اسود
کی آزادی میں خلل واقع ہو سکتا۔ تو انگلستان یورپین طاقتوں کے ساتھ یہ معاہدہ ہرگز نہ کرتا کہ وہ اپنے
آپکو دیکھے اپنے جنگی بیڑہ و جہازات کو اس بحیرے میں داخل ہونے سے باز رکھیگا۔ لیکن چونکہ باطوم ایک آزاد
اور تجارتی بندرگاہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے انگریزی گورنمنٹ اپنے سابقہ معاہدہ کو جس کو وہ اب
کانگریس کے فیصلوں سے ترمیم ہو گئی ہیں۔ از سر نو قایم و تجدید کرنے سے انکار کرے گی۔"

اب اس وقت باطوم ایک نہایت ہی مضبوطی سے قلعہ بند جنگی مقام ہے (دیکھو اپنی روس کے
معاہدہ سے منحرف)

کانگریس کی اخیری نشستوں میں پرنس گارچکوف اور کونٹ شووالاف کی کمن تجاویز پر بحث ہوتی
رہی جنکا مطلب یہ تھا کہ عہد نامہ میں ایک خاص آرٹیکل درج کیا جائے جس سے کل دول عظام ان کل شرائط
کی تکمیل کی نگرانی پر مجبور کیجائیں۔ اور ان کو اختیار دیا جائے کہ عند الضرورت ان شرائط کی کما حقہ تعمیل
کرائی جانے کیلئے مناسب وسائل سوچیں۔ مگر کوئی طاقت بھی اس امر میں جرات کی پالیسی کو قبول کرنے کی
طرف مائل نہ تھی۔ سکاماتھیوڈوری پاشا نے یہ بیان کر کے کہ باب عالی ان تمام شرائط کو پورا کرنیکا اپنے
آپکو ویسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہے۔ جیسا کہ عہد نامہ پر دستخط کرنیوالی باقی سلطنتیں ہیں۔ اس تجویز کی سخت مخالفت
کی مارکوئیس وڈنگٹن نے قابل یادداشت الفاظ میں جن سے معاملات کی حالت بڑی خوبی اور اختصار سے
واضح ہوتی ہے۔ اسکی تائید کی اور کہا "اس تجویز سے جو اب کانگریس میں پیش ہے عثمانی گورنمنٹ پر ایک دائمی
دباؤ رکھنا پایا جاتا ہے جس سے کہ وہ جب انجام کے کل فعل میں متواتر مداخلتوں کے لئے کافی بہانوں کا
موقع مل سکیگا۔ ترکی گورنمنٹ کا خود اپنا فایدہ ہے۔ کہ وہ کانگریس کے تمام فیصلوں کی پوری طرح سے
تعمیل کرے۔ اس لئے ترکی کے صاف بیان کردہ ارادے پر شبہ کرنے سے پہلے دول عظام کو اس وقت تک انتظار
کرنا چاہئے جبتک کہ وہ اسکو ان کی تعمیل کرنے سے پہلو تہی نہ کرتے دیکھیں کیونکہ یہ گمان کر لینا کہ انکو کوئی حق نہیں

اور ہر قوم کے معاملات میں بڑا آسان اور صرف آئندہ معلوم ہوتا ہے۔ بہت مدت تک نہیں چل سکتا۔
اگر سلطان عبدالحمید اپنے متقدمین کے اس آسانی بخش دستور پر چلنا بھی چاہتا ہوتا ہو ہرگز نہیں
تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہ امر اب ناممکن ہو گیا ہے۔ کیونکہ روسی اقرار ناموں کے علاوہ جو نتیجے
باعث ترکی کا کریڈیٹ (مالی اعتبار) ممالک غیر اور خود اپنے ملک دونوں جگہوں میں بالکل زائل ہو گیا
تھا اس لیے سرمایہ داروں سے کسی مدد کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی اپنی ملکی آمدنی کا بہت بڑا
منبع بھی (یعنی خراج و محاصل) ایک بڑی حد تک خشک ہو گیا تھا کیونکہ اس لڑائی کی بدنظمی و بدنسقی کی
خطرناک حالت پہ پہنچ گئی تھی کہ محاصل کا وصول کرنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ اور اگر وصول ہو گئے ہوں۔ تو
مقامی تحصیلداروں سے اُسے وصول کرنا اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ پس جبکہ بیرونی قرضخواہ بھاری
شرح سود اور کمیشن کے بہانوں سے خزانہ ترکی کو لوٹ رہے تھے۔ اور نقصان موجبات [illegible]
و طلائیہ تقلبات اور خیانت سے۔ تو اس صورت میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کیوں روم
روز بروز قرضہ کی گہری دلدل میں دھنستا گیا۔

غالباً سب سے پہلا کام جو سلطان نے خاتمہ صلح پر کیا یہ تھا کہ اس نے سلطنت کی مالی حیثیتوں میں
پوری پوری باضابطہ تحقیقات کئے جانے کا حکم دیا۔ اس تحقیقات کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ کل بیرونی قرضخواہوں
کے وکلاء کی ایک کونسل قسطنطنیہ میں ترکی گورنمنٹ کے ساتھ اس بیرونی قرضہ پر بحث مباحثہ کرنے کو طلب
ہوئی۔ اس کونسل کے تمام ممبر تجارتی اور مالی دنیا کے مردان آزمودہ کار تھے۔ انگریزی اور ڈچ قرضخواہوں
کا وکیل آنریبل بورک ایک لائق کمشنر ریٹو مدبر تھا۔ (اب ان کا نام لارڈ کونیمارا ہے۔ وہ گورنر مدراس رہ چکے
ہیں) ایم والفری فرانسیسی صیغہ خارجیہ کا ایک افسر فرانس کی طرف سے وکیل تھا۔ آسٹریا جرمنی و اٹلی
نے بھی بڑے بڑے لائق اور نامور وکلاء روانہ کئے۔ ان صاحبوں نے بمعیت سلطانی وزرائے صیغہ
مال کانفرنس قایم کی۔ اور طول طویل مباحثوں کے بعد چند خاص تجاویز پر متفق ہوئے۔ کہ یہ اعلیحضرت سلطان
اعظم کی خدمت میں پیش کی جاویں۔ جب یہ تجویزیں عام معلوم ہو گئیں۔ تو (بقول اخبارات) یہ ظاہر ہو گیا کہ
مختلف قرضوں کے اجراء کے وقتوں کے متعلق حالات پر کمشنروں کی دیانتداری اور نصفت پسندی
نے گوارا نہ کیا۔ کہ وہ کل نام نہاد قرضہ کی وصولی کا مطالبہ کریں۔ اور انہوں نے بالاتفاق اس رقم کو گھٹا کر [illegible]

---

[1] شہزادی صاحب نے یا بنشر نے اس کو غلط لکھے ہیں حاصل [illegible] پونڈ ہیں کی [illegible] کروڑ کی نہیں
تقریباً ملک پونڈ کی بجو حاصل ہیں [illegible] فیصدی کی تخفیف کی گئی تھی۔ اس کے متعلق اس کتاب کی حیثیت ترکی کی موجودہ
حالت اور کتاب تاریخ [illegible] میں مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

پورا مقرر کیا۔ مگر اس قدر رقم (یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ) کے یکلخت وصول کر لینے پر انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ
ختم قرضہ تک بلا واسطہ محاصل یعنی محصول نمک۔ تمباکو۔ اسٹامپ۔ شراب۔ ماہی گیری و ریشم کی مدات
آمدنی جو سب سے زیادہ فائدہ مند اور سب ہی سے زیادہ ترقی والی ہیں۔ بالکل ان کے لئے مخصوص کر دی جائیں
ساتھ ہی انہوں نے خراج بلگیریا اور سائپرس و مشرقی رومیلیا کی آمدنیوں۔ ایرانی تمباکو کے محصول کا
کچھ حصہ مداخل کی اس زیادتی کا جو چنگی کے نئے محصولوں اور نئے لائسنسوں کے اجرا کرنے سے یا پروٹیکٹ
پے شینٹ کی فیسوں سے حاصل ہو۔ دعویٰ کیا اور نیز انہوں نے ان رقوم کے لینے کی جو سرویا جبل اسود
بلغاریا اور یونان سے قرضہ کی ادائیگی کے متعلق وصول ہوں شرط کی۔ انہوں نے قسطنطنیہ میں قرضخواہوں
کے ڈیپوٹیشنوں کی ایک کونسل مستقل کے مقرر ہونے کی درخواست کی جس کو وصولی کا پورا اختیار رہے۔ ان کے

بیرونی قرضوں کی تعداد شرح سود اصل رقم وصول شدہ معہ سنہ اجرا کا نقشہ ذیل ہے:

سنہ اجرا	نام نہاد تعداد قرضہ	شرح فیصدی	وصول فیصدی	سنہ اجرا	نام نہاد تعداد قرضہ	شرح فیصدی	وصول فیصدی
سنہ ۱۸۵۴ء	۳۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۸۰	سنہ ۱۸۵۸ء	۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۴	۱۰۲ ½
سنہ ۱۸۵۵ء	۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۸۵	سنہ ۱۸۶۰ء	۲۰۷۰۰۰۰ پونڈ	۶	۶۲ ½
سنہ ۱۸۶۲ء	۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۶۸	سنہ ۱۸۶۳ء	۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۶۶
سنہ ۱۸۶۵ء	۶۳۶۳۶۳۶ ״	۵	۴۶ ½	سنہ ۱۸۶۵ء	۶۰۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۶۵ ½
سنہ ۱۸۶۶ء	۲۵۰۰۰۰۰ پونڈ	۶	۶۳	سنہ ۱۸۶۹ء	۲۲۲۲۲۲۲۰ ״	۶	۶۰ ½
سنہ ۱۸۷۱ء	۵۷۰۰۰۰۰ ״	۶	۷۳	سنہ ۱۸۷۲ء	۱۱۱۲۶۲۰۰ ״	۹	۹۲ ½
سنہ ۱۸۷۳ء	۲۸۰۰۰۰۰۰ ״	۶	۵۸ ½	سنہ ۱۸۷۴ء	۴۰۰۰۰۰۰۰ ״	۵	۴۳ ½

میزان کل ۱۸۲۹۸۱۷۸۳ پونڈ

یعنی سنہ ۱۸۷۴ء تک نام نہاد تعداد قرضہ بیرونی ۱۸ کروڑ ۲۹ لاکھ ۸۱ ہزار ۷ سو ۸۳ پونڈ تھی۔ جو سنہ ۱۸۷۶ء تک
بیس کروڑ پونڈ تک پہونچ گئی۔

ناظرین کو جدول مندرجہ بالا سے تعداد وصول شدہ بھی معلوم ہو گئی ہوگی۔ اس کے علاوہ دس کروڑ پونڈ سے زیادہ
اندرونی قرضہ تھا۔ سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوئے تو یہاں اس سے جنگ چھڑ پڑی جس میں [illegible] کروڑ پونڈ سے زیادہ خرچ ہوا اور
حساب کی پڑتال [illegible] ایک کمیٹی [illegible] تعداد بیس [illegible] ۱۸۶۵ء میں ترکی تجارت کی قیمت ۲۰ فیصدی
تھی [illegible] شہنشاہ [illegible] قرضہ لینا بھی ترک نہیں کیا۔ بلکہ [illegible] بہت سا ادا
کر دیا ہے جو تاوان جنگ اور خرچ جنگ کے شامل ہو جانے سے ایک معینہ حد تک پہونچ گیا ہے جو [illegible] (صفحہ [illegible] دیکھو)

تمام پراونشل (صوبجاتی) اور سنٹرل (صدر مقام کے) عہدوں پر جو عثمانیہ قرضہ قومی کی خدمات کی بجاآوری
کے لئے وضع ہوں پوری دسترس ہو۔ انکی یہ کل درخواستیں سلطان المعظم نے قبول فرمالیں۔ اور یہ طے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) اور باوجودیکہ ملک کے کئی زرخیز حصے اوس کی حکومت سے نکل گئے۔ آمدنی کم ہوگئی تھی
مگر اب بھی وہ پہلا اعتبار زیادہ بڑھ گیا۔ اب اس وقت قوم کا اعتبار بہت بڑھ گیا ہے اور ترکی تمسکات کی قیمت [1] فیصدی تک
پہونچگئی ہے۔ اعلیحضرت سلطان المعظم نے اس حسن خوبی سے اپنے ملک کی مالی حالت کو سنبھال لیا ہے کہ اصل اور منافع
سارا ادا کر دیتے ہیں بلکہ فوج اور ملازمین کے مشاہرے (اقامہ) ہوا تقسیم ہوتے ہیں۔ بیرونی اصالہ قرضہ کا صرف
سود ہی نہیں بلکہ اصل بھی ادا کیا جاتا ہے۔ فوجی اور بحری طاقتوں میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ اور مالی حیثیت
سے اگرچہ ایسا بہت دولتمند تو ابھی نہیں ہوا۔ مگر دیوالیہ پن کے حضیض سے ابھر کر ایک خاص فارغ البال
حالت میں ہوگیا ہے۔ چنانچہ مہذب مطبوعہ یکم اگست ۱۸۹۸ء میں دولت عثمانیہ کی مالی حالت پر مضمون شائع ہوا تھا
میں اوس کی عبارت بجنسہ نقل کرتا ہوں۔

جس چیز نے یورپ کی نظر میں ترکوں کو ضعیف اور مریض ثابت کیا۔ در اصل وہ انکی مالی حالت ہے اگرچہ
کہ تغیر زمانہ سے ان ترقی کا بدار صرف ریاست کے خزانہ کی مضبوطی پر ہے لیکن اب تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ترکوں نے اپنی مالی حالت کو
نہایت عمدگی اور شائستگی سے سنبھال لیا ہے۔ لیوانٹ ہیرلڈ نے عثمانیہ سلطانی بنک کے اٹھائیسویں سالانہ جلسہ کی رپورٹ شائع
کی ہے۔ اس رپورٹ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ دولت عثمانیہ کا مالی اعتبار جتنا اب بڑھ گیا ہے اور ترقی کر گیا ہے اسقدر
اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ یہ مشہور ہوئی ہے کہ دولت عثمانیہ اپنے مالی اصول میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر نیوالی ہے۔ مسٹر فوسٹ
ہرالڈ تعجب کے ساتھ رائے دیتا ہے کہ پبلک فرض کیا لات ایسی ہو کہ سلطنت اور رعایا کا اسپر کل اعتبار ہے تو دنیا بھر میں
اب ترکی قومی قرض یعنی پرامیسری نوٹوں کا بھاؤ فیصدی پانچ روپیہ کم ہے جو قریب قریب دیگر سلطنتوں کا حال ہے۔ انگریزی
پرامیسری نوٹوں کا بھاؤ بھی اسی کے قریب قریب لگتا ہے۔ ہز امپیریل مجسٹی سلطان عبد الحمید خان جب تخت نشین ہو کر سلطنت کی
باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی اسوقت بڑی مشکل سے دس روپیہ سیکڑہ پر ترکی پرامیسری نوٹ فروخت ہو سکتے تھے۔ اور اب اتنی ترقی
ہوئی کہ پورے اعتماد اور اعتبار کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پانچ روپیہ سیکڑہ کی کمی پر گورنمنٹ عثمانیہ کے نوٹ لئے جاتے
ہیں بمقابلہ اس کے جبکہ محتشم الیہ کی سلطنت شروع ہوئی تھی تب بیس روپیہ سیکڑہ کی کمی کو کافی نہیں خیال کیا جاتی تھی لیکن
پھر بھی بڑا اعتباری رہتی تھی سلطان نے گذشتہ چودہ برس کی حکومت میں اپنا اعتبار اور اپنی مالی ساکھ دونے سے بھی زیادہ
بڑھائی ہے۔ اس کے برابر ترقی دنیا کی کوئی سلطنت اور قوم نہیں دکھا سکتی۔ اسی بنا پر لیوانٹ ہیرالڈ لکھتا ہے کہ جب ایسی
بیمثل ترقی نمودار ہوئی تو پھر کسی جدید تغیر و تبدل کی کیا ضرورت ہے۔

"رپورٹ میں پریسیڈنٹ نے اپنی سپیچ میں صاف اقرار کر لیا ہے کہ بنک کا اتنا کم قرض گورنمنٹ کو کبھی کسی سال میں نہ تھا

[1] اسوقت بھاؤ فیصدی ہے۔

جس کے ماتحت وہ ایسے ایسے کرتین سو تک افسران زبردست ہوتے تھے جو قسطنطنیہ سے بغیر کسی کا فی تعلق یا لگاؤ رکھنے کے بطور خود اپنے منصبی فرائض کو ادا کرتے تھے۔ اور اکثر اوقات انکو خاکرا ایشیا سے کوچک میں جا جا کر خط ستقیمہ سے مال کو اخفا محصول کر کے لانے والے کاروانوں کے ساتھ جو مقابلے کی نیت سے مسلح اور صف بستہ ہو کر آتے تھے۔ جنگ کرنی پڑتی تھی۔ یہ خیال باطل ہے کہ اجنبیوں کی ایک کمیشن سے معاملات کی ایسی حالت۔۔ درست ہو سکتی۔ اگر انکو سرکاری مقامی حکام سے عملی مدد نہ ملتی۔ یہ صرف سلطان المعظم کے براہ راست رعب اور ذاتی ارشاد ہی کی وجہ سے تھا کہ انکو ایسی مدد ملی۔

آج تک اس کمیشن کو ۱۷،۱ لاکھ پونڈ وصول ہو چکے ہیں۔ اور جبکہ کل سلطنت کی آمدنی اب صرف ۱۸ کروڑ پونڈ رہ گئی ہے (علاوہ ان آمدنیوں کے جو قومی قرضے کے ادا کرنے میں صرف ہیں) تو روم کا نہایت متعصب مخالف بھی یہ تسلیم کریگا۔ کہ روم نے ان قرضوں کے سود ادا کرنے میں جن کے ایک نصف سے اوس نے کوڑی بھر فایدہ نہیں اٹھایا۔ بہر حال خالص اور سچی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ اس رقم میں سے ۵۲۶۳۶۲ پونڈ غلطہ کے سنڈیکیٹ کے (جسکا اوپر ذکر آچکا ہے) قرضہ سود اور قسط سے اصل رقم کی بیباقی میں ادا کئے گئے ہیں۔ جس قرضہ کی کفالت میں بھی یہی بلا واسطہ محاصل مستغرق ہیں۔ یہ قرضہ ۴۲ سالمین ادا ہو جاوے گا۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ سلطان نے اپنے قرضخواہوں سے کیسا سلوک کیا۔ اب ایک لمحہ کے لئے یہ بھی دیکھئے کہ اوس کے مقروضوں نے اپنی جگہ اوس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ اور وہ اونکا م سے مالی معاملات میں اپنے پختہ عہدوں اور اقراروں کو کیسا پورا کیا۔

عہدنامہ برلن کی نویں دفعہ کے مطابق بلگیریا کے سالانہ خراج کی رقم کا تعین کل فیصل شدہ کا نگرس کو کرنا تھا۔ اس آرٹیکل کا مضمون یہ ہے۔ نئے انتظام کے شروع ہو جانے سے ایک سال بعد ریاست کی اصلی آمدنی کا لحاظ کر کے یہ رقم معین کیجاوے گی۔ اور چونکہ بلگیریا کو سلطنت کے قومی قرضے کا ایک جزو ادا کرنا ہے پس جس وقت سلطنتیں خراج کی رقمیں معین کرینگی۔ اوسوقت وہ حالات پر غور کر کے یہ بھی فیصلہ کر دینگی۔ کہ بلگیریا قومی قرضے کا کسقدر حصہ ادا کرے۔

اب تک باوجودیکہ اس دفعہ پر سفرائے دول کو دستخط کئے نو سال گذر گئے ہیں۔ اس کی تعمیل کرانے کے لئے ایک ذرا سی کوشش نہیں کیگئی۔ مگر ترکی گورنمنٹ ان سالوں میں برابر بلگیریا کے خراج کے علاوہ اپنی چند باقیماندہ مدات آمدنی میں سے بھی ایک آمدنی یعنی پیداوار تمباکو کا عشر اپنے قرضخواہوں کو دیتی رہی ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عہدنامہ برلن کی شرایط کیسی نیتی سے دستخط کنندگان

عہدنامہ ذکر ہیں۔ اور تمام کا ان سب کو پورا کرنے کا کیسا سچا منشاء تھا (یعنی بالکل نہ تھا)
یہ ایک مالی مطالبہ جو بالحال پر تھا بڑے زور سے پورا کرا لیا گیا۔ اور میں کہتی ہوں کہ بڑی خوشی سے ادا کیا گیا۔ مگر ترکی کے مطالبے بڑی سنجیدگی کے ساتھ نظر انداز کئے گئے۔ بلگیریا نے قومی قرضے کے حصے کی ادا کرنے کی استطاعت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ کیونکہ اسکو ایسا کرنے کیلئے کبھی کہا ہی نہیں گیا۔ دول عظام نے کسی وقت اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کی کہ اس رقم (حصہ قومی قرضہ) کو معین کر دیتے سوا اس مسئلہ کو چھیڑتے ہی یہ سلطان کو دوراہ کی ہر ایک ناکامیابی کے بارے میں پریشان کی گئی ہے (یہ ہے یورپ کی ایمانداری) مگر صرف یہی نہیں۔ تینتیسویں دفعہ میں درج ہے کہ "چونکہ مانٹی نیگرو کو برٹش عہدنامہ نے قطعات اراضی ترکی اور سلطانی قومی قرضے کا کچھ حصہ ادا کرنا ہوگا۔ سفرائے دول متحدہ متعینہ قسطنطنیہ مشورہ بالعجالی اس رقم کو معین کریں گے۔" اسی طرح چالیسویں دفعہ میں سرویا کو قومی قرضے کے ایک حصے کے ادا کرنے کا ذمہ دار گردانا گیا۔ اور اگرچہ آخر الذکر ریاست کو حال ہی میں ایک خاص تباہ جنگ بلگیریا[1] کے ساتھ کرنے کے لئے سامان مل گیا۔ لیکن دونوں ریاستوں سے ایک حبہ بھی وصول ہو کر سلطانی خزانہ میں داخل نہیں ہوا۔ اگر ناظرین جب کبھی انگریزی روزانہ اخباروں کو شرائط متعلقہ آرمینیا وغیرہ کے حرف بحرف نہایت سختی سے پورا کرائے جانے کے بارے میں غل غپاڑا کرتے دیکھیں۔ تو میں درخواست کرتی ہوں کہ وہ مندرجہ بالا امور پر بھی ایک نظر باطنی کر لیا کریں۔

ان تکالیف اور دقتوں کے سلسلے اور سچے بیان سے جو سلطان کو ضرب المثل خراج کے تصفیے کو درست کرنے میں پیش آئیں۔ ناظرین کو اس مشکل کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی۔ جو سلطان کو شاہی حسابات میں آمدنی کے اکثر ذرائع وسائل کے معدوم ہو جانیکے باعث دخل و خارج کو برابر کرنے میں پیش آئی۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو لائق سے لائق چانسلر آف اکسچیکر (سرکاری خزانہ کا صدر الصدور) بھی جو آج تک سینٹ سٹیفنس (انگریزی وزیر مال کی درگاہ) کی چوکی پر بیٹھا ہو چکرا جاتا۔ مگر اس کام سے عبد الحمید بالکل نہ جھجکا۔ ظاہر ہے سب سے پہلا کام خرچ کو ممکن الوقوع درجہ کی حد تک اس طرح سے گھٹانا تھا کہ اس کی سے قومی محافظت اور انتظامی قوت میں خلل نہ پڑے۔ پھر اس کے بعد دوسرا کام بدنظمی خیانت اور غبن کی اس قدیمی باقاعدہ طرز کو جو برسوں میں رفتہ رفتہ سخت خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا بہت جلد روک دینا تھا۔ ان دونوں امور کی سرانجام دہی کے لئے ایک بے حد لائق اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا

---

[1] سرویا نے ۱۸۸۵ء میں خواہ مخواہ بلگیریا پر فوج کشی کر دی تھی۔ مگر پرنس اسکندر والی بلغاریہ نے شاہ میلان والی سرویا کی افواج کو پے در پے ہزیمتیں دے کر اپنے ملک سے نکال دیا تھا۔

کا صرف فرمان جاری کر دینے سے فوراً اصلاح ہو سکتی اور وہ ملک امن وصلح کے ایک دراز زمانہ کی محتاج
تھی جس میں وہ باطمینان کام کر سکیں۔ کیونکہ صدیوں کی ابتریاں اور بد نظمیاں مہینوں میں دور نہیں
ہو سکتیں۔ مگر سفرائے کے برلن کانگرس کو ختم کر کے چلے جانے سے لیکر آج تک مشکل سے کوئی ہفتہ ایسا گزرتا
ہے جس میں گورنمنٹ کی توجہ اصلاحوں کے کام سے ہٹائی نہ جاتی ہو اس کا باعث وہ بغاوتیں ہیں جو
تنخواہ دار بھڑکانے والے گماشتوں اور جاسوسوں کی کارستانیوں سے فی الحقیقت واقع ہوتی ہیں۔ یا فرضی
اور بے بنیاد بغاوتوں کی جھوٹی افواہیں ہیں۔ جن کو ممالک غیر کے متعصب اور بے خبر فضول مشتہر کرتے
ہیں۔ تاہم باوجود ان مصائب اور سخت مزاحمتوں کے اور باوجود اس امر کے بغیر کسی ایک آدمی کے مددگار ہونے
کے اصلاح کا کام بڑی مستعدی اور تیزی سے چلتا رہتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بیان کرنے کے قابل
ہوں جسے میں آگے چلکر ثابت بھی کر دوں گی۔ کہ یورپ کے کسی دوسرے ملک نے اُس ہر ایک چیز
میں جو شائستگی اور تہذیب کی رکن سمجھی جاتی ہے۔ ایسی جلد اور اتنی ترقی نہیں کی جتنی کہ سلطنت
عظمیٰ عثمانیہ نے اعلیٰحضرت سلطان **عبد الحمید خان** کے مضبوط مستقل اور اپنا دست
مبارک کی طفیل کی ہے۔

اب تک میں موجودہ تاریخ روم کے واقعات کو تاریخوار بیان کرتی آئی ہوں۔ اب موجودہ عام
کے اُن امور کو بیان کرتی ہوں جن کو سلطان المعظم نے شروع کیا اور اُن کے وزراء نے اُن سے
براہ راست حکم احکام لیکر اُنکو تکمیل کیا۔ میں اس طریقہ کو گڑبڑ کر دینے والا خیال کرکے چھوڑ دیتی ہوں
اور ہر ایک اصلاح کا بیان فرداً فرداً بالکل مکمل طور پر الگ تحریر کرتی ہوں۔
سب سے پہلے میں اُن چند غلط فہمیوں کی تردید کرتی ہوں جو ایشیائے کوچک[1] کے مسلمان اور عیسائی رعایا

---

[1] جس قدر آزادی غیر مذاہب کی رعایا کو سلاطین عثمانیہ کے زیر سایہ حاصل ہے اور آج تک کسی اور سلطنت کو
نصیب ہوئی اور نہ ہوگی۔ اس کے ثبوت میں چند اور عیسائی مصنفوں اور مدبروں کی رائے کو مختصراً قلمبند کرتا ہوں
یہاں تک تو میں نے سلطنت ترکی کی صرف اسیقدر آئین و قوانین بیان کئے ہیں۔ جو مسلمانوں کے متعلق تھے۔ اب ہم
اُن کے وہ حصے جو عیسائی رعایا کے بارے میں ہیں تحریر کرتے ہیں۔ قرآن مشرکین پر جنگ کیلئے حکم کرتا ہے۔ مگر ساتھ
ہی اُن اہل کتاب کی جو جزیہ دینا قبول کریں حفاظت کرنے کی سخت تاکید کرتا ہے (جزیہ کے بارے میں مولوی
شبلی صاحب نعمانی کا رسالہ ملاحظہ کرو جسمیں صاف طور پر واضح کیا گیا ہو کہ عیسائیوں پر ٹیکس نسبت اُن ٹیکسوں کے
جو مسلمانوں کو ادا کرنی پڑتی ہیں۔ بوجہ ہلکی ہونے کم خرچ ہوتی ہے۔ اور علاوہ ازیں لوگ ان ٹیکسوں کے مسلمانوں پر
فوجی خدمت بھی لازمی ہوتی ہے۔ مترجم) کا قانون ہے کہ کسی سر کو جدا مت کرو۔ (باقی دوسرے صفحہ پر)

ہونے کے باعث مسلمان ظالم ان پر بڑے سخت تشدد کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا ذاتی تجربہ کہ ایشیائے
کوچک میں اہل عہدوں پر عیسائیوں کی تعداد اس سے بدرجہا زیادہ ہے جو انگلینڈ میں آئیرلینڈ کے کیتھولک
مجسٹریٹوں کی ہے۔ اور ملک ٹرکیہ کی حکومت کی نسبت سلطان عبدالحمید کے علم کے نیچے مذہب کسی
شخص کی ترقی میں بہت کم مانع ہوتا ہے۔ ایشیائی روم میں اکثر صوبوں کا انتظام عیسائی گورنروں کے
سپرد ہے۔ اور بیشک تکالیف کا بہت سا حصہ صرف ان ہی عیسائی گورنروں کے تعصب یا مذہبی عداوت
کے باعث سرزد ہوتا ہے۔ تمہارا ایشیائی عیسائی برادر اپنے یورپین بھائی کی طرح اپنے آقا حضرت مسیح
کی تعلیمات کا صرف وہی حصہ مانتا ہے جو اس کی اغراض و مقاصد کے موافق ہو۔ وہ حضرت مسیح کی اس مقولے
کو کہ "تغیر کا حق دو" بڑی جلدی سے جھٹلا دیتا ہے۔ اُن شکایتوں اور اپیلوں کا جو وہ یورپین عیسائی
اقوام کے پاس کرتے ہیں۔ دو تہائی سے زیادہ حصہ صرف اُن خراجوں اور محاصل کے ادا کرنے کی عذرات
پر مبنی ہوتا ہے جن کو ترک بغیر کسی چون و چرا کے ادا کرتے ہیں میں اقرار کر چکی ہوں کہ میں انہیں تمام
بیان کو ساتھ ہی ثابت کرتی جاؤں گی۔ اس جگہ میں اپنے ناظرین کو وہ چھوٹے سے واقعات کی طرف
متوجہ کرتی ہوں جن سے ہر ایک منصف مزاج مرد یا عورت کے دل میں ان جوش پیدا کرنیوالی ریورنڈ لوگوں کے اثر سے
جو یورپ میں مشہور ہو رہی ہیں متضاد اثر پیدا ہوگا۔ پچھلے سال ایسٹر (مسیح کے جی اٹھنے کی یادگار کا دن)
کے تہوار پر مسیگنیور عزیزین کیتھولک آرمینین کے بطریق اعظم نے (وہ قوم جو پاشا کے گھوڑوں کے سموں کے نیچے پستی
ہوئی بیان کیجاتی ہے) سارا دن اپنے بڑے گرجے میں ہائی ماس (دن کی کلیسیائی عبادت اعلیٰ) کا جشن کیا
اس ہائی ماس میں ملت کے تمام سربرآوردہ اراکین شامل تھے۔ اس وعظ میں جو جشن کے اختتام پر ہوا بطریق اعظم نے
اُن بیشمار مذہبی رعایتوں کو جو سلطان عادل نے ارمنی کیتھولکوں کو عطا فرمائیں بڑے زور و شور سے بیان
کیا اور کہا کہ اعلیحضرت سلطان المعظم کا تمام سامعین کو تہ دل سے ممنون احسان ہونا چاہیئے۔ اعلیحضرت کی درازی
عمر کی دعائیں مانگی گئیں اور بطریق اعظم نے یہ تین نعرہ آواز بلند پکار کر وعظ کو ختم کیا "ہمارا پیارا شہنشاہ
عبدالحمید مبارک جئے"۔ چنانچہ اس بیان کا کچھ تھوڑا سا اندازہ جو ارمینیا کے عیسائی سلطان کی بابت تعصبی پر رکھتے
ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ کے بیان کرنے سے معلوم ہو جائیگا پچھلے نومبر میں ارمنی قوم میں ایک تنازعہ برپا ہوگیا تھا جس کی
بنا کچھ تو مسئلہ وراثت اور کچھ مذہبی رعایتوں کے سوال پر تھی۔ یہ ایک خاص خانگی معاملہ تھا۔ مگر آرمینیوں نے اسکو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) انہیں تمام میں۔ اگر ترک بھی دوسری دیگر اقوام کیطرح غیر مذاہب پر تشدد کرتے اور انکو جبراً اپنے مذہب میں
شامل کر لیتے یا ان کو جلا وطن کر دیتے بجائے اسکے ارمینیا اور کریٹ وغیرہ کے عیسائی کیا بچ سکتے آج دوسروں کے ہتھے چڑھانے کو
فتنے اور شورشیں برپا کرتے۔ جیسا انگریزی گورنمنٹ میں اور آئرلینڈ میں اکثر رومن کیتھولک عیسائی آبادی میں حسبہ

کی چھوٹی سی چیدہ فوج ہے جسکی تعداد ہزاروں تک ہے۔ اور جسکو رحیم گورنمنٹ روس نے جگہ جگہ پھیلا رکھا
ہے تو اس کے لائق مستقل مزاج سے تعجب دیکھا کہ وہ اس نہایت ہی سست قوم کو کام کرنے نہیں اُکسا سکتے۔ اور نہ
ہی ان کثیر تعداد کو بلشوئی کی طرح جاسوسی دے سکتے ہیں تو انہوں نے اپنے کو سٹوکرافٹ کو پھیلانے کے باغ میں
چھینک دینے کی قدیمی مکار پالیسی پر عمل کیا۔ ان جلا وطنوں نوکروں کی ساتھ ملکر ایشیائے کوچک میں قزاقی
کا طوفان عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان مسلح آدمیوں کے گروہ در گروہ اپنے اپنے افسروں کی زیر کمان سلطان کی
امن خواہ رعایا کے ساتھ عملی جنگ کرتے رہتے تھے۔ اور جب قزاقی سے تھک کر امن زندگی کی حظوظ
حاصل کرنا چاہتے تھے تو ترنبیہ شہروں کے گھروں میں خواہ وہ ارمنی ہوں یا مسلمان۔ کیونکہ یہ قزاق
مذہبی تعصبوں سے مبرا ہیں۔ فروکش ہو جاتے تھے۔ اور ان لوگوں کو مہینوں تک اپنے اور اپنے گھوڑوں
کے لئے رسد و سامان دینے پر مجبور کرتے تھے

معاملات کی یہی حالت تھی جب کہ سلطنت کی طرف سلطان نے اپنے آپکو متوجہ کیا۔ یورپین صلاح دینے
والوں سے کسی عمدہ چارہ جوئی کا حاصل کرنا بیجا امید تھا۔ ان کا تو یہی شور تھا کہ کل بے ایمان مسلمان گورنر جو
مدتوں سے بیکس عیسائیوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اور برباد کر رہے ہیں یک قلم موقوف کر دیئے جائیں۔ مگر ان کی
رعایا کی خوش قسمتی سے اعلیحضرت سلطان عبد الحمید کو تخت پر بیٹھے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ انکو وہ
حالات معلوم ہوگئے جو یورپین طاقتوں کے خیال میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ ان کے بہی خواہ دار
قونسل انہیں خبریں دیتے رہتے ہیں۔ قزاقی کو دور کرنے کے لئے امیر المومنین کی تجاویز کی نسبت سلطنت کے
کل عیسائی اور ترکی اخبارات دونوں نے اور ہر شخص نے جو واقعات سے بخوبی واقف ہے تسلیم کر لیا ہے کہ اس مطلب
کو پورا کرنے کے لئے یہ نہایت ہی مناسب و شایان ہیں۔ سلطان نے ارمنستان کے امکان سے بھی انکار نہیں کیا
کہ لندن کے مجسٹریٹوں کی طرح روم کے مجسٹریٹ اور یہ بھی شاید بعض اوقات ناجائز افعال کے مرتکب
ہوتے رہے ہوں۔ اور اسی لئے پہلے ہی تمام والیوں و گورنروں اور متصرفوں و کمشنروں کے نام حکم جاری
کیا گیا۔ کہ وہ اپنی اپنی گورنمنٹوں کی عدالت ہائے ماتحت پر اور پولیس پر سخت نگرانی رکھیں اور ایسی ناجائز حرکت
کے بھی معلوم ہو جانے پر وزیر صیغہ عدالت عامہ کے حضور میں رپورٹ کریں۔ اس حکم کی تعمیل سے اگرچہ ضرور ہی
بہت سی بے ایمانیوں کا پردہ فاش ہو جاوے گا۔ اور بہت سے بدچلن عہدیدار کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

تتمہ حاشیہ صفحہ (٦٦) یہ صرف ان برکشیا و ایلیا کی کرتوت تھی جو کہ روسی گورنمنٹ نے اس امر کی غرض سے کہ ملک ایشیائے کوچک
سے نکالکر ممالک عثمانیہ میں بھیج دیا کرتی تھی یا ان سیاہ فوج کی نافرمانیوں کا سبب ہوتی تھی جو عہد آفاق عثمانیہ
میں کوئی نہ کوئی فساد کھڑا رکھنا چاہتے ہیں۔

تاہم اگر تعزیرات ہند پر اصلاح و تعمیر عمل شروع ہو جائے پر ممالک غیر کے برانگیختہ کرنے والے ایجنٹوں کے بھی بیشمار
فائدے سے مالا مال ہونے رُک جاویں گے۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے انگلستان کے دہقان بھی اپنے
آنریری دیعنے بے تنخواہ بڑے بڑے عہدہ داروں پر اس قسم کی نگرانی کئے جانے کے کیسے دل سے خواہاں
ہیں؟ بیشک بقول ایک مشرقی اخبار یعنی لیونٹ ہیرلڈ مورخہ ۸ نومبر ۱۸۹۵ء کو یہ چلن قاضیوں کی تقرر اور
اون کے مرتبوں کی بھرتی کا نظارہ بہت ہی بڑا اطمینان بخش ہوگا۔!

دوسری عملی اصلاح یہ ہوئی۔ کہ ملکی پولیس اور جنگی پولیس اور نیز اضلاع سے بھرتی کیجانی شروع کی گئی جو کہ
اونہوں نے حفاظت کرنی تھی۔ کیونکہ ایک جنگلی ملک کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں قزاقوں کا گرفتار کرنیکا کام
تب ہی کامیابی سے حل ہو سکتا ہو جبکہ شکاری ملک کے نشیب و فراز سے اپنے شکار کی طرح واقف ہو۔ اسی لئے
قزاقی کے روکنے کے لئے باقاعدہ فوج کی نسبت باشی بوزک (بیقاعدہ فوج) زیادہ کار آمد ثابت ہوتی ہے وہ
اسی ملک کی زبان بولتی ہے۔ اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں میں ہونیکی وجہ سے ہر قسم کی خبریں پاکر
اون کمینگاہوں میں جا پڑنے سے بچ جاتی ہے۔ جنہیں وہ آدمی جو فاصلے سے آویں اچانک پھنس جاتے
ہیں۔ اس موسم سرما میں قزاقوں کی بیخکنی کا کام بڑی عمدگی سے جاری رہا ہے۔ اپنی پہاڑی بلندیوں
سے سردی کے مارے نکلکر وہ اُن دیہات اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوئے جنہیں
وہ اپنی بیکاری کے موسم میں مالکوں کیطرح بسر کرنیکے عادی تھے۔ اور جونہی وہ ایک دفعہ وہاں آئے
زمینداروں نے جو ان ظالموں کے ہاتھوں سے تنگ آچکے تھے۔ فوراً اُنکو عدالت کے حوالہ کر دیا۔ چند ماہ اور
اسی طرح کام جاری رہے پر جیسا کہ اسی موسم سرما میں رہا ہے ایشیائے کوچک کے رومین ہیلاند کے لئے ویسا ہی
محفوظ ہو جائیگا جیسے کہ سکاٹ لینڈ کی سطحات ہیں۔ اور لطف یہ کہ اُن سے خرچ بہت کم ہوگا۔

اب میں اس تمسخرانہ انسٹیٹیوشن (آئین دستور) یعنے قیام قونسلان ممالک غیر کے بارے میں کچھ
کہنا مناسب سمجھتی ہوں۔ قونصل بظاہر اس واسطے مقرر کئے جاتے ہیں۔ کہ اپنے اپنے ممالک کی رعایا کی جن کی
طرف سے کہ وہ مقرر ہوں حفاظت کریں مگر روم میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے محفوظین کے ہم قوم
ہم وطن بھی نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کی زبان تک بھی نہیں بول سکتے۔ ایک دفعہ مجھ کو کسی تجارتی معاملے پر کچھ معلوم
کرنے کی ضرورت ہوئی۔ انگریزی قونسل سے دریافت کرنے پر مجھے عجیب و غریب نامعقول انگریزی جواب ملا۔
"کاش کہ میں انگریزی بول سکتا۔" Wish I could speak English میں یہ
بیان کئے دیتی ہوں۔ کہ اس کی اس نا قابلیت کی وجہ سے مجھے بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔

ایک دن ایک جہاز کے گذرنے کے اثنائے گفتگو میں ایک خاص بڑے چیف سلطنت کے قونسل کا ذکر آگیا

اور خرافات اقدس اور اوسکی گورنمنٹ کا میں نام نہیں لیتی۔ وہ اپنی چلبلی کی وجہ سے بڑا مشہور ہو رہا تھا۔ گورنر نے بیان کیا کہ یہ ایک ایسے ملک کا جنرل قونسل ہے جس میں یہ آجتک کبھی نہیں گیا۔ اور نہ اس ملک کی زبان کا ایک حرف تک بول سکتا ہے۔ اس ملک کا صرف ایک ہی باشندہ اس جزیرے میں رہتا ہے۔ جو بڑا شریف آدمی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس نے آج تک اپنے قونسل سے گفتگو تک نہیں کی ہو گی۔

میں نے سوال کیا کہ اس قونسل کی گورنمنٹ اسکی نسبت کچھ تو جانتی ہو گی؟ جواب ملا "ہرگز کچھ نہیں۔ سوائے قونسل کا عہدہ جو یہ شخص رکھتا ہے۔ اس ضلع کے قونسل جنرل کے اختیار میں ہے۔ اسے قونسل بوجہ لیاقت یا رعایت کسی طرح مقرر کیا جاتا ہے۔ تو صرف باب عالی سے فرمان منظوری حاصل کرنا باقی رہ جاتا ہے جو فقط ایک ضابطہ کی بات ہے۔ پس فرمان کے حاصل ہوتے ہی وہ اپنے عہدے پر قائم ہو جاتا ہے اور اپنے لوازم منصبی برت سکتا ہے" میں نے کہا "جناب اس قونسل کی نسبت آپ کچھ ایسا اچھا خیال رکھتے نہیں معلوم ہوتے" جواب ملا "کچھ ایسا بہت نہیں میں جانتا ہوں اس کا گھر قزاقوں کے لئے پناہ ہے۔ اور اس کے کل ملازم قزاق ہیں خلاصہ کلام میں اسکو جزیرے بھر میں ایک بڑا خطرناک آدمی سمجھتا ہوں۔ میری اس کی حرکات کی نگرانی کے لئے پولیس اور فوجی سپاہیوں کی ایک جماعت مقرر کی ہوئی ہے" میں نے کہا "اگر اسکی گورنمنٹ کو یہ سب حال معلوم ہو جائے تو کیا اوسے موقوف نہ کرے؟" اسکا جواب ملا "میں نہیں جانتا قونسلوں اور خاصکر وایس قونسلوں کی تقرری قونسل جنرل کے اختیار میں ہے۔ اور اکثر کسی عورت کی سفارش پر یا اوسکی خواہش کے مطابق مقرر ہوتے ہیں یہ لوگ گویا مقامی حکام کے ساتھ ایک قسم کی ملکی لڑائی کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے کاروبار میں دشمنوں کی طرح عمل کرتے ہیں" میں نے کہا "باب عالی اس معاملہ میں ضرور دخل دیتا ہو گا" اوسنے کہا "ہرگز نہیں جب کوئی قونسل یا نائب قونسل مقرر ہو جاتا ہے۔ تو باب عالی کو خواہ مخواہ فرمان منظوری عطا کر دینا پڑتا ہے اگر وہ ایسا نکرے۔ تو اسپر قونسلی تقرریوں اور قونسلی عدالتوں کے قیام کے متعلق عہدناموں کی خلاف ورزی اور انحراف کا الزام عاید ہوتا ہے۔ حاصل کلام عثمانی گورنمنٹ اور اجنبی تعلقات باہمی کے معاملات میں اسقدر پھنسی ہوئی ہے کہ کوئی اور گورنمنٹ ایسی پابندیوں میں آنا کبھی قبول نکرے۔ اسی قونسل کی نظیر لے لو جسکا ابھی ذکر ہو رہا تھا۔ پولیس کی کتاب پر اسوقت اس شخص کے برخلاف آسایش عامہ میں خلل ہونے کے چونتیس جرم موجود ہیں۔ مگر میں اسے سزا نہیں دے سکتا۔ وہ ایک نائب قونسل ہے گو وہ ایک ایسی گورنمنٹ کی حفاظت میں ہے جسکی وہ رعایا نہیں۔ اور جس گورنمنٹ کا صرف ایک ہی باشندہ اس جزیرے میں رہتا ہے۔ مگر یہ آدمی اس طرح حفاظت پا کر مقامی گورنمنٹ کو ایک تنکے کے برابر نہیں جانتا ہے

گھر میں ڈاکو ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اور ان سے اپنے ذاتی دشمنوں پر حملہ کرانے یا لوگوں کے عمدہ عمدہ جانور چوری کرا لینے اور اسی طرح کے اور کام لیتا ہے۔ اپنے قونصلی جھنڈے کی پناہ میں کھلم کھلا ڈاکوؤں کو پناہ دیتا ہے اور دیتا ہی کہ ہر ظلم کرتا ہے کہ اختیار گورنری کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں جناب کو چھتیس جرموں کی ایک نقل بھیجدوں۔ جو اس وقت تک اس وائس قونصل پر عاید ہیں۔"

میرے دوست نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور دوسرے دن مجھ کو ان جرموں کی نقل جو پولیس رجسٹر میں اس وائس قونصل یا نائب قونصل کے خلاف درج تھے پہونچی۔ کیا بلا کی فہرست تھی منتشی میں کہ تو انکو بند قید میں جکڑدیں کیونکہ انہوں نے اسکے ایک پیارے تازی پر بھونکنے کی جرات کی تھی شکار ہو یا نہ ہو ایسا بیٹ کا استعمال کیا اس نے اتنے اتنے دنوں میں کیا۔ کہ نہ صرف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بلکہ گورنر کا خاص جہاز بھی اس طرح تھرتھرایا کہ گویا ایک بڑے زلزلے نے اسے تہ و بالا کردیا ہے۔ ایک معزز خاندان کی شریف عورت جو اپنے چار بچوں کے ساتھ شام کو گھر آرہا تھا اس حبیب آبادی کے ایک کتے کو اس نے ایک چھوٹے بچے کو چھیڑنے کے باعث لاٹھی سے مارا۔ اس جرم پر قونصل صاحب اس بیچارے پر لپک پڑے اور اس کے سر کو ایسا مضروب کیا کہ اب تک باوجود کئی سال گذر جانے کے وہ شخص ان صدموں کی وجہ سے بیمار ہے۔

مندرجہ ذیل کہانی کو جو کہ میں نے ایک حاضر الوقت کی چشم دید بیان سے سنی ہے بیان کر کے میں اجنبی ملک کے قونصلوں کے ناپسندیدہ مضمون کو ختم کرتی ہوں۔ جب اسمٰعیل پاشا جزائر الجزائر میں سفر کر رہا تھا۔ تو ایک دن جزیرہ کورس میں وارد ہوا۔ اور اس کی آمد کے دوسرے دن انگریزی قونصل نے سرکاری طور پر ملاقات کی پاشا نے ترجمان کے ذریعہ اس سے گفتگو کی۔ اور اس سے کئی معقول سوال کئے کیونکہ اسمٰعیل ایک تیز ذہن آدمی ہے اور ان معاملات کے متعلق جنہیں اسکا گذر ہو پوری واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔ شیرینی اور چاء کی تقسیم کے بعد ہمارا معزز قونصل حسب آداب بجا کر رخصت ہوا۔ آدھ گھنٹے کے بعد فرنچ نائب قونصل حاضر ہوا اور اس کی بھی ویسی ہی تواضع کی گئی جیسی اس کے انگریزی ساتھی کی ہوئی تھی اور پاشا نے اس کے ساتھ بھی ویسی ہی گفتگو کی جیسی اس کے پہلے ساتھی کیساتھ۔ مگر چند منٹوں کے بعد وہ یکلخت رک گیا۔ اور قونصل کو بنظر غور دیکھ کر کہا مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے تمہارا چہرہ پہلے بھی دیکھا ہے۔ مگر یاد نہیں پڑتا کس جگہ دیکھا ہے۔" اسنے جواب دیا۔ "ہاں حضور میں نے اسی صبح ہی بحیثیت انگلش قونصل جناب سے ملاقات کرنے کا فخر حاصل کیا تھا۔"

"اہاہا! کیا تم انگلش اور فرنچ دونوں کے قونصل ہو؟" جواب ملا۔ "ہاں حضور ایسا ہی ہے۔" پاشا نے پوچھا "اور کتنی ایک سلطنتوں کے وکیل ہو۔" جواب ملا "اور پانچ کا یعنی میں جملہ سات سلطنتوں کی طرف سے قونصل ہوں۔ اور اس بڑے قونصلی حیلے باز نے ان ساتوں سلطنتوں کو گن دیا۔"

سوال اسمعیل ۔ تم بہ حیثیت انگلش اور فرنچ قونصل کے مجھ سے ملاقات کر چکے ہو کیا تم باقیماندہ سلطنتوں کی حیثیت میں بھی ملاقات کرنیکا ارادہ رکھتے ہو؟

جواب ۔ ہاں جناب۔ ایسا کرنا میں اپنا فرض قرار دیتا ہوں ۔

اسپر اسمعیل نے ہنسکر جواب دیا کہ میں تمہاری ایسی ملاقاتوں پر جو تم نے دو بڑی سلطنتوں کے نائب ہونے کی حیثیت میں کی ہیں۔ ایسا خوش ہو گیا ہوں کہ اب تمہارے باقیماندہ پانچ سلطنتوں کے نائب کی حیثیت میں ملاقات کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب شام کے وقت اسمعیل سیر کیواسطے سوار ہوا تو اوسنے اس شریف قونصل کے مکان پر سات مختلف قومی جھنڈے لہراتے دیکھکر خوب قہقہہ اڑایا ۔

دوسری سلطنتوں کے جائز حقوق کو پورا کرنے اور انکو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچانے میں باب عالی کی بیجہ رو رعایت سے اکثر اوس کی اپنی رعایا کو بہت تکلیفیں پہونچتی ہیں۔ ان تکالیف کی ایک نظیر تھوڑا ہی عرصہ ہوا مجھے معلوم ہوئی ہے جزیرہ مٹی لین کے سواحل پر شکار ماہی کا ٹھیکہ دو ہزار پونڈ سالانہ پر چند یونانی ماہی گیروں نے لیا ہوا ہے تھوڑی مدت گذری ہے کہ چند اٹالین ماہی گیروں نے اونکی محفوظ شکار گاہوں میں چوری شکار کیا۔ اسپر قدرتی طور پر فساد ہوا۔ اور جیسا کہ ہمیشہ ایسے فسادوں کا انجام ہوتا ہے زدو کوب تک نوبت پہونچ گئی۔ اور اٹالین لوگوں کو شکست نصیب ہوئی۔ جسپر انہوں نے اپنے قونصل کے پاس یہکہکر شکایت کی کہ ناحق انکے ساتھ یہہ سلوک کیا گیا ہے۔ اس جنٹلمان نے اپنے ہموطنوں کے دعویٰ کی اس زور سے تائید کی۔ کہ یونانی جو صرف اپنے حق کے بچاؤ کے واسطے جس حق کیلئے کہ وہ روپیہ ادا کر چکے تھے لڑے تھے جیلخانہ میں ڈالے گئے جہاں سے وہ چھ مہینے کے بعد محض ایک لیڈی کی رسوخ سے نکالے گئے جسکو تمام واقعات کی اچھی طرح خبر تھی۔ اور جو بڑی تکلیفوں اور تصدیقوں کے بعد اس معاملہ کو امپیریل گورنمنٹ کی خدمت میں پہونچا پائی۔ اس اثنا میں جزیرہ کا ترکی گورنر معطل کیا گیا تھا اور وہ تمام معززین جنہوں نے یونانیوں کی طرفداری کی تھی جیلخانے میں ڈال دیئے گئے ہوئے تھے مگر جونہی اس معاملے کی واقعی کیفیت قسطنطنیہ میں معلوم ہوئی (امر واقعی کا قسطنطنیہ میں پہونچنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے چھپانے میں اکثر کسی نہ کسی کا ضرور فائدہ ہوتا ہے) گورنر بحال کیا گیا قیدی رہا کئے گئے۔ اٹالین قونصل جنرل متعینہ سمرنا موقوف کیا گیا۔ اور کونٹ کورٹی اٹالین سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو جیکا چلن کار کہ بہت نیک انداز یا تھا۔ سخت دھمکی دیگئی۔ اس مقدمہ میں یہہ بھی ظاہر ہوا کہ اس اٹالین قونصل کے پاس جو اس تمام نا انصافی اور تکالیف کا باعث ہوا تھا۔ کوئی سرکاری فرمان تقرری کا موجود نہ تھا بلکہ وہ اصلی قونصل کا رکن تھا جو اس وقت میولا میں تھا صرف ایک قسم کا قائمقام تھا۔

ان چھوٹی چھوٹی واقعات کے جن کی صداقت کیلئے میں بذات خود ذمہ دار ہوں۔ میرے ہموطنوں پر اچھی طرح

واضح ہو جاویگا۔ سر دست قبل اس کے کہ مغربی دول ترکی گورنمنٹ پر اصلاحیں جاری کرانیکے لئے اس قدر
پُر جوشی سے زور دیں اور سلطان کی آنکھ میں سے تنکا دور کرنے میں اتنا اضطراب ظاہر کریں۔ انکو پہلے
اپنی آنکھوں میں سے تو وسطی شہتیر کے دور کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔

سوشل فلاسفی (فلسفہ تمدنی) میں یہ عام مسئلہ ہے کہ کسی قوم کی شائستگی کا اندازہ اس کی عورتوں کی
حالت کے لحاظ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اور یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ جو بہ نسبت مشرقی یورپ میں عورتوں کی حالت
اُس شائستگی کا ایک بہت ہی تھوڑا درجہ تعلق ہے جو انہوں نے ترکوں کی زیر حکومت حاصل کی ہے۔ آجکل کے
زبانزد مسئلہ عورات کو نیور دیکھکر (اگرچہ مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا کہ یہ مسئلہ جسکے بارے کہا جاتا ہے کہ ہم عورتیں
بڑا شور و غل کر رہی ہیں ہے کیا چیز؟) مجھے یہ مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ قبل اس فیصلہ کرنے کے کہ آیا میں ان
عورتوں کو ترجیح دوں جو اعلیحضرت امیر المومنین عبد الحمید کے زیر حکومت ہیں یا ان کو جو ہماری مہربان ملکہ
کے ماتحت ہیں مجھے ایکبار نہیں بلکہ سو بار سوچنے کی ضرورت ہے۔ ایک امر پر تو میں بیشک قائل ہوں کہ مغربی
یورپ میں عورتوں کی طرز زندگی اسلامی ممالک کی عورتوں کی طرز زندگی کی حالت سے کہیں درجے بڑھکر ہے مگر ہم
کو یہ بھی خیال رکھ لینا چاہیے کہ یہ فوقیت صرف اعلیٰ ترین[1] اور اعلیٰ تر درجوں ہی میں پائی جاتی ہے ہماری نچلی

[1] میں اسجگہ شہزادیوں کی بابت سے متفق نہیں ہوں کیونکہ جو اقتدار اور اختیار درجہ اعلیٰ میں بھی ترکی مخدرات کو
حاصل ہیں وہ بھلا مغربی امیرزادیوں یا لیڈیوں کو کہاں نصیب ہیں۔ سچی بات۔ کہ بہت آزادی نہیں کہ غیر مردوں کے
ساتھ اپنے خاوند کی روبرو مکر میں ناچیں۔ ڈاکٹر اچھی امپرین مسٹر آر کیوبا اپنی کتاب "مشرق اور مشرقی مسائل" کی جلد
دوم کے صفحہ ۱۰۱ میں لکھتی ہیں۔ کہ "ہم خیال کرتے ہیں کہ مشرقی عورتیں اپنے خاوندوں سے بہت تنگ اور خائف رہتی ہیں
مگر مجھے یہاں آکر اس کے عین برعکس معلوم ہوا ہے۔ اور خود ترکی لیڈیوں کی شہادت سے میں ایک ترکی لیڈی کی بات یہ
اسجگہ نقل کرتی ہوں" فاطمہ خانم کہتی ہیں کہ ہماری حالت کسی طرح بری نہیں ہے ہم حد سے زیادہ نہیں۔ اگر ہم انکو جلسوں میں
شریک نہیں ہو سکتیں تو ویسے ہی وہ بھی ہماری محفلوں میں دخل نہیں پاتے۔ اور اسمیں خوش رہتی ہیں۔ خاوند محنت کرکے
روپیہ کماتا ہے۔ اور اس کی بیوی اسے خرچ کرتی ہے۔ عورت اپنے خاوند کے جاہ و حشمت اور مال و متاع سے کافی حصہ لیتی ہے بلکہ
اوس سے زیادہ شان و شوکت میں بسر کرتی ہے اگر وہ متمول ہے تو اس کا سلاملق (مردانہ نشستگاہ) ملاقاتیوں
سے پر ہوتا ہے ویسے ہی اسکی بیوی کے کمروں میں بھی اسکی بیویاں خدمتگاریں موجود ہیں۔ اور اوس کے پاس بھی ملاقاتیں آتی
ہیں۔ اگر وہ وزیر ہے اور امرائے سلطنت اسکی سلام کو حاضر ہوتے ہیں تو اسکی بیوی کے پاس بھی ان امراء کی بیویاں آتی
ہیں۔ اگر اس کا خاوند شہنشاہ کے دربار لیوی میں شامل ہوتا ہے تو اسی طرح اسکی بیوی بھی اپنی شہنشاہ بیگم کو
سلام کرنے ہیں نیز بیگمات اور شہزادی (والدہ سلطان) کی حضوری میں بار پاتی ہے۔ ایک ترکی لیڈی کہن رہی تھی کہ

صوب

جماعتوں کی حالت پر تھوڑا سا غور کرے پھر بھی ایک متعصب عیسائی کو واضح ہو جائیگا کہ وہ کس قدر ترقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲) پولیٹیکل بحثوں اور خطرات سے بالکل محفوظ ہوجاتی ہیں اور ان کا خاوند گرفتار ہو سکتا ہے۔ اس کی
زندگی اور اس کی جائیداد بلکہ اوس کا کل مکان ضبطی وغیرہ سے مستثنیٰ اور محفوظ ہے۔ اور اس کی زبان اُس کی ملک ہے۔ اور
خاوند۔ پاشا یا سلطان کوئی اوس سے نہیں چھین سکتا ہے۔ اگر خاوند بیوی کو طلاق دے سکتا ہے تو بیوی بھی اپنے
خاوند سے خلع کر سکتی ہے۔ اور فرزند زینہ کی ماں دوگھر کی مالک ہے۔ مذہبی عبادت میں مرد اور عورتیں برابر ہیں
دونوں کے لئے نماز یکساں ہے اور دونوں حاجی کہلا سکتے ہیں۔ اور مراسم حج ہر ایک کے لئے مساوی ہیں۔ عورتوں کو ویسی ہی آزادی
ہے جیسے مردوں کو۔ بازار سیر و سیاحت میل ملاقات۔ خرید و فروخت اور کام کرنا نہیں بیرونی تک برجا زیادہ تر ان کا شغل ہیں۔ ہر
ایک عورت کی جائیداد مردوں کی طرح مامون ہے۔ بیوی کی جائیداد اوس کی اپنی رہتی ہے۔ اور تمہاری جنبی عیسائیوں کی
طرح شادی پر ضائع نہیں ہو جاتی۔ عورتوں کو بھی مردوں جیسی تعلیم ملتی ہے۔ بلکہ مدارس میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں
سے زیادہ ہے۔ نہایت ہی مشہور زندہ شاعروں میں تین عورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک نکشن خانم سلطان مصطفیٰ کی پرائیویٹ
سیکرٹری تھی۔ محمد علی پاشا خدیو مصر کی خط و کتابت کرنے والی سیکرٹری دو لڑکیاں تھیں۔ عورتوں کا مرد اتنا ادب کرتے ہیں
جتنا کہ وہ نہیں کرتیں۔ اور جب کوئی عورت کسی مرد سے ہمکلام ہوتی ہے تو وہ مرد وہاں اپنی آنکھیں نیچی کر لیتا ہے۔ سر عسکر
پاشا جو کل سلطنت میں اعلیٰ عہدہ دار ہے اور سلطان کے داماد کا سرپرست یا باپ ہے۔ وہ اُس کے غلام تھے اور ترک
لائق غلاموں کو فرزندوں سے زیادہ عزیز اور محترم رکھتے ہیں۔ بیٹے ہم بیگم خانم کے سامنے کبھی نہیں بیٹھتا۔ مشہور حسن پاشا کی جو سر عسکر
پاشا کا سرپرست یا باپ ہے۔ کہو اب بتاؤ تم کس چیز میں اپنے خاوندوں کی غلام ہو؟ اور کس امر میں یورپ کی مستورات سے
کم ہیں؟ کیا صرف اس لئے کہ ہمارے چہروں کو مرد دیکھ نہیں سکتے بالمقابل اور دکانوں میں ہم نہیں گھس سکتے ہیں؟ تم خاوندوں اور بیویوں
کے ایک دوسرے کے حسب دلخواہ پسند کرنے پر بڑا فخر کرتی ہو مگر کیا تمہارے ازدواج ہم سے زیادہ راحت بخش ہیں؟ اور کیا
تمہارے پاس بصورت نا اتفاقی ہو جانے کے یا مرضی نہ ملنے کی الگ ہو جانے کا بھی کوئی وسیلہ ہے؟ بھلا بتاؤ تو سہی کس خاوند
کی کون بیوی ذرہ بھی پرواہ کریگی جو غیر عورتوں کے ساتھ ان کے گھروں میں ڈٹے ہوئے ہنستا اور کھیلتا پھرتا ہو۔ اور کون
خاوند ایسی بیوی کو محبت اور پیار کر سکتا ہے جبکہ وہ [illegible] اور ناچتی پھرتی ہوں۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ میں مصنف موصوف تحریر فرماتے ہیں "میں بڑا حیران ہوں کہ وہ یورپین بھی جو دو تین ماہ مشرق میں
رہے ہیں اوس غلط اتہام کا ذکر کرتے ہیں اور جس حالت میں لڑکیاں بسر کرتی ہیں بہت کم واقف ہیں۔ مردوں کا عورتوں کو بدرجہ کمال فرمانبردار
ہونے کی نسبت ہر منصف مزاج شخص کو یہ دیکھنے ہیں کہ وہ زبردست ... جو والد کو اپنی
اولاد پر حاصل ہے غلامی نہیں پا سکتا۔ خیال کرو کہ ابراہیم پاشا فاتح یونان شام و حجاز ایک عرصہ تک اپنی والدہ کے حرم میں
گذارش کرتا رہا کہ مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیں اور جب اس کو انہوں نے اجازت ملی تو اس نے (باقی اگلے صفحہ پر)

یک ایسا ثبوت ہے جو ترکی عورتوں کی طرفداری میں ہے اور انکی فوقیت کو ثابت کرتا ہے۔ ان میں ایک
بہت سے اشخاص کو تعجب ہوگا کہ وہی معیار کی یورپین لیڈیاں ترکی کے اعلیٰ و متوسط جماعتوں کی بہو بیٹیوں
کی بیویوں سے تعلیم و تربیت اور سلیقہ میں کچھ زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ اور یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ ترکی
لڑکیاں کب تک اپنی فوقیت کو برقرار رکھ سکیں گی۔ شاید ابھی صرف چند نسلوں تک کیونکہ ترکی بہنوں کو
بہت سی کمی پوری کرنی ہے۔ لیکن عبدالحمید کے عہد حکومت نے اس نیک کام کو شروع کر دیا ہے۔ اور تعلیم
نسواں نے اس کی حکومت میں جو ترقی کی ہے وہ بیان سے کم نہیں۔

بہت دن نہیں گذرے کہ ابھی ترکی لیڈی سے ملنا بہت مشکل تھا جو کتاب پڑھ سکتی ہو یا مستقل گفتگو
میں شامل ہو سکتی ہو مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب میں پہلے پہل مشرق میں گئی جس کو صرف دو سال ہوئے ہیں تو
میری ترکی سہیلیاں مجھے ہاتھ میں کتاب لئے ہوئے دیکھ کر اسے فی الحقیقت پڑھتی ہوئے دیکھکر سخت متعجب ہوتی تھیں جو
گپ شپ اور سینا پرونا کرتی تھیں جسم کی ناولیں پڑھا کرتے اور ان کی قابلیت یا واقفیت
کا لیا بہت کم خیال پیدا ہوتا تھا مگر اب جب کبھی میں استفسار پر جانوں میں ادھر ادھر جاتی ہوں
تو ترکی لیڈیوں کو جو وہ عورتیں جنکو اکثر انگریز خیال کرتے ہیں کہ حرم سرا کے پردوں سے باہر نکلنے کی ہرگز اجازت
نہیں) موجودہ علم و ادب اور مخصوص اوقات مسئلوں پر بحث کرتے ہوئے اور ناطق فلسفیوں کی طرح گفتگو کرتی
ہوئے سنتی ہوں۔

مگر ان بے ترتیب حکایتوں کو چھوڑ کر میں ان چند واقعات کو جو میری نظر سے گذرے ہیں بیان کرتی
ہوں جن سے عام ترکی تعلیم نسواں کی جو ترقی ہوئی ہے۔ وہ بخوبی واضح ہو جاویگی۔ کیونکہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ
تعلیم اور صرف تعلیم ہی کے ذریعہ سے ترکی عورت آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ جبتک کوئی جماعت یا جنس
بے علم ہو وہ ضرور بے قدر رہیگی۔ اسکو ضروری ضروری تعلیم دو اور پھر اگر وہ مقام مطلوب تک نہ پہنچ سکے
تو اسکی اپنی کوتاہی ہوگی۔ اعلیحضرت سلطان کی پولیٹیکل دانش اسی سے اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ انہوں
نے اس سچے اصول کو جو کہ ہمارے بہت سے تمدنی مصلحوں کی نظر سے مفقود رہا ہے۔ تاڑ لیا اور اس کو
جان کر مسئلہ تہذیب نسوانیات پر اندر کی طرف سے حملہ کیا اور اندرونی حالات کو نظر انداز کر کے صرف
بیرونی حالات کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اگر ایک ترکی عورت کو جو بے علم اور طرز زندگی سے ناواقف ہو دفعتاً اپنی مغربی بہن کے درجہ حیات
پر لے لیا جائے تو اسکی حالت اس مچھلی کی سی ہوگی جس کو پانی سے باہر رکھ دیا جائے۔ اور اس بد
قسمت جانور کی مانند اسکو تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی۔ اس کو مغربی آزادی میں داخل ہونے سے پہلے

اُس اخلاقی سطح تک پہنچانا چاہیئے جس میں وہ آزادی کو بغیر تکلیف کے برداشت کرنے یا بے وقر
بننے کے بنا سکتی ہو۔ اسکو نئی ضروریات کے لائق بنانے کے واسطے جو کچھ کارروائی ہو رہی ہے اُسے
مندرجہ ذیل امور صاف بتائے دیتے ہیں۔

۱۹۰۰ء کے اوائل میں میں نے لڑکیوں کے ثانیہ ترکی سکول کا ملاحظہ کیا۔ یہ ایک عالیشان مدرسہ ہے
اس کی امپیریل گورنمنٹ امداد کرتی ہے۔ اور سلطان کی خاص نگرانی میں ہے۔ اسمیں داخل ہونے کیلئے ایک کی چار
دیواری سے ہو گذرنا پڑتا ہے جس کے اوپر روم کا شاہی نشان منقش کیا ہوا ہے بڑے دروازے سے دربان مجھے ایک
فراخ کمرے میں لیگیا جس کے دائیں ہاتھ پر ایک خوبصورت اور پرتکلف کمرے میں داخل ہوئی جس کے وسط میں ایک لمبی
میز بچھی ہوئی تھی۔ اس کے گرد میز کے قریب چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی یا اگر زیادہ درستی سے کہا جائے
تو یہ کہ معاینہ کنندگان کی تعظیم کے لئے کھڑی ہوئی تھیں۔ میز پر سادہ کام کی کچھ مقدار پڑی ہوئی تھی جس میں
یہ جوان بیٹھنے والیاں مشغول تھیں۔ یہ انکی اپنی پوشاکیں تھیں۔ اسوقت میں یہ آرزو کئے بغیر نہ رہ سکی۔ کہ کاش کہ
انگلستان میں بھی سکولوں کے معائنے کے وقت انسپکٹروں کو ایسا نظارہ دکھائی دے۔ میں اس پرتکلف
کمرے اور اس کی سجاوٹوں کی تعریف ہی کر رہی تھی کہ مجھکو ایک لیڈی معلّمہ نے بتلایا کہ یہ تمام عمارت پہلے [illegible]
کا کوناک یا محل تھا۔ اور گورنمنٹ نے ترکی لڑکیوں کے مدرسے کے واسطے اسے عطا کر دیا ہے یہ سنکر خود بخود مجھے اپنے
نارتھمبرلینڈ ہاؤس کا خیال آگیا۔ اب اُس کی جگہ کیسا مردار ہوٹل بنا ہوا ہے۔

مسیوں لیڈی معلّمہ جنہیں یہ چار فرانسیسی بول سکتی تھیں۔ مجھکو پھر ایک اور بڑا کا بخششی جاتی تھیں
مدرسے کی ڈائریکٹرس لیڈی بکلا اس اسوقت آ پہونچی۔ اور مجھکو تمام جماعتوں کے کمروں اور خوابگاہوں کا معاینہ
کرایا۔ ان کمروں کی دریچوں میں سے جو نظارہ میری آنکھوں کے پیش نظر ہوا وہ نہایت ہی لطیف اور دلآویز
تھا۔ دریچے کے سامنے خلیج قسطنطنیہ واقع تھی۔ باد نسیم گولڈن ہارن سے گذر کر دریچوں میں داخل ہو رہی تھی اور پیمانہ
و جاہل ترکی معاینے ہوا داری کے اس پیچیدہ مسئلے کو کمال خوبی سے سلجھایا ہوا تھا۔ جو انگلستان میں بڑے بڑے
بورڈ سکولوں کو تعمیر کنندگان کی نہایت ہی زبردست کوششوں کو عجب مخمصے میں ڈالے دیتا ہے۔ تعداد طلبا
۲۰۰ ہے جنہیں ۲۰ استانیاں ہیں سب کو مدرسے کے خرچ سے سکول میں کھانا ملتا ہے خوابگاہیں بہت صاف اور
خوب ہوادار ہیں۔ ہر ایک بچی کو ایک آہنی چارپائی ملی ہوئی ہے جس کے بچھونے اور چادریں دودھ کی طرح سفید
ہیں۔ اور شاید ہی کوئی سکول انگلینڈ میں معاینہ کنندہ کو ثانیہ سکول جیسی خوابگاہیں دکھلا سکے تعلیم کا
نصاب یہ ہے۔ ترکی زباندانی پڑھنا لکھنا۔ حساب علم موسیقی پیانو گانا۔ اور علاوہ اور کشیدہ کا کام میں طالب علموں کی

جو زرینہ نصف دائرہ کی شکل کا بنا ہوا تھا زینے پر سے ہو کر اور ہال سے گذر کر میں ایک خوبصورت

لیاقت آزمائی کے لئے امتحان لینے کی درخواست کی جسے معلمہ نے بڑی خوشی سے منظور کیا۔ آٹھ جوان لڑکیاں نے جن کی عمر نو سے چودہ برس تک تھی قالین پر گھٹنوں کے بل اپنی ایڑیوں پر بیٹھکر تحریری یادداشتوں سے جو کہ ان کے ہاتھوں میں تھیں گانا شروع کیا۔ اس وقت اور سُر کی درستی کا خوب لحاظ رکھا۔ ذاتی طور پر میں ترکی راگ کو بہت پسند نہیں کرتی مغربی سامع کو وہ تقریباً بے سرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان بچوں کو عمدہ تعلیم دی گئی تھی۔ اور انہوں نے یادداشتوں کے مطابق گایا۔ نہ کہ سماعت کے ذریعہ سے۔ پیانو (ایک قسم کا باجہ) پر بھی انہوں نے قابل آفرین مشق کی۔ مگر نقاشی اور کشیدے کے کاموں سے مجھے خاص کر بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ یہاں دونوں چیزوں میں ہنر اور خوب صورتی کا سلیقہ ایسی عمدگی سے دکھلایا گیا جو درحقیقت تعجب خیز تھا۔ تعجب تو پہلے ہی ہو گئی تھی۔ مگر میرا تعجب حیرت سے بھی بڑھ گیا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ثانیہ سکول صرف ایک سال سے قائم ہوا ہے۔ اور اس سے پہلے ان طالبات کا سلسلہ نہیں ہے ایک بھی جنکی مشقوں کا نتیجہ ابھی جانچا گیا۔ اُن مضمونوں میں جن میں انہوں نے اتنی بڑی ترقی کر لی ہے۔ ذرا بھی واقفیت نہ رکھتی تھی۔ تعلیمی اسٹاف چار مقامی معلمات اور چار بیرونی معلموں پر مشتمل ہے۔ ماسٹر گانا، بجانا، نقشہ کشی، لکھائی سکھاتے ہیں اور استانیاں دوسری چیزیں۔ شاگردیں یا تو اعلیٰ ترین یا اعلیٰ تر جماعتوں میں سے ہیں۔ انکا لباس صاف مگر سادہ ہے۔ اور مشرقی یا اعلیٰ کورسٹ پہنی جاتی ہیں۔ مدرسے کا ماہواری خرچ ۲۵۰ روپیہ ہے جس میں معلموں کے مشاہرے اور نوکروں کی تنخواہیں شامل ہیں۔ یہ رقم سلطان کی سرپرستی میں جنہوں نے اس سکول کو قائم کیا ہے گورنمنٹ ادا کرتی ہے۔

اس سالانہ جلسہ میں امیر گیہان کے زنانہ سکول کی تقسیم انعامات کے وقت بھی موجود تھی۔ طالبات بڑی ترقی پر جو تھوڑے ہی برسوں میں حاصل کی گئی سخت حیران رہ گئی تھی۔ شریک مجلس عموماً ترکی لیڈیاں تھیں جو کارروائی میں بڑا ذوق لیتی رہیں۔ کتابیں اور تمغے انعام میں تقسیم کئے گئے۔ معلمہ لطفت خانم کی اس وقت کی خوشی کا دیکھنا بڑی فرحت بخش تھا جبکہ اسکی شاگردیں اپنی محنت اور اسکی کوششوں کے نتیجوں کے انعام لینے کے لئے جو اسکو اُنکے ساتھ کی تھیں آگے بڑھتی تھیں۔

مندرجہ بالا دلائل کیوجہ سے جیسے کہ تعلیم قوم کی شائستگی کا پیش خیمہ ہے میں نے تعلیم نسواں کا خاص طور ذکر کیا ہے جس جگہ لڑکیوں کی تعلیم کا اس قدر شوق ہو وہاں لڑکوں کی تعلیم کسی صورت میں غفلت نہیں ہو سکتی اور روم اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ جگہ ان سکولوں کی فہرست دیتی ہوں جو اسوقت قسطنطنیہ میں موجود ہیں اور جن سب کو سلطان حال نے قائم کیا ہے۔

(۱) امپیریل سول کالج (۲) اس کا پریپریٹری سکول (۳) لا سکول (قانونی مدرسہ) (۴) مدرسہ تجارت

دلآویزیوں سے بالکل جکڑی ہوئی ہے۔ تو یہ مشکل سے قابلِ اعتبار معلوم ہوتا کہ اپنی رعایا کو فائدہ پہنچانے
کے لئے کسی بادشاہ کی کوششوں کو لندن کا کوئی اڈیٹر اس کے برخلاف تہمت لگانے میں استعمال کرتا۔ خیر اگر
عیسائی یا یہودی سرمایہ کبھی ایشیا کے ملک میں داخل بھی ہو تو موجودہ سانحوں سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ
اعلیحضرت سلطان المعظم عبد الحمید کو اس بات کا مزید خیال رکھنا چاہیے کہ تمام فائدے اور محاصل جو ہو در لیا
اور مجوزوں کو آمدنی مستند مقبوں ہی میں نہ داخل ہو جائیں۔ مگر سلطان نے تلخ تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ
روسا اور شکاری لوگ ان کے ملک کو ایک شاہراہِ شکار خیال کرتے ہیں اور اسی لئے ان کی رعایا اطمینان
رکھے کہ کبھی کوئی ایسی رعایتیں نہ عطا کی جائیں گی۔ تاوقتیکہ ان کے خاص خاص فوائد اور محاصل کا معتد بہ
حصہ عثمانی سلطنت کو نہ مل جائے۔ وہ سوانح جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس طریقے سے متعلق ہیں۔ جو مسیرس آرمٹ
لینگ۔ آرلٹ اور سیفیلیڈ صاحبان کے ریلوے سے بننے کو تھی۔ سلطان نے بہت بڑی رعایتیں دینے
کے عوض میں ان شرائط پر زور دیا تھا۔ (اول) ٹھیکیدار بصرہ اور انگورا سے ایک ہی وقت کام شروع
کر کے لائن کو مقام آخر اللذکر سے لیکر بغداد تک لیجائیں۔ (دوم) گورنمنٹ کا اختیار ہوگا کہ تاریخ عطائے
ٹھیکے سے نزد اجرائے ریلوے کی تاریخ سے تیس سال بعد لائن کو خرید لے (سوم) یہ خریداری تاریخ خرید کے
ماقبل پانچ سالوں کی کل آمدنی کی سالانہ اوسط کے پچاس فیصدی کے برابر سالانہ اقساط میں داخل کیا جائیگا۔

یہ شرائط باوجود ایسی نرم ہونیکے کہ شاید ہی کوئی بادشاہ سلطنت کسی اجازت کے عطا کرنیکے عوض میں
انہیں پیش کرتی مسٹر ارلینگر نے منظور نہ کیں اور اس وقت تک امر معرض التوا میں ہے۔ تیسری شرط نمبر ۳ کو
خاص کر خیالاتی ہوں سا اس سے سلطان کے اس پولیٹیکل فہم و فراست کا پتہ ملسکتا ہے جسکا ہم نے پہلے بھی ذکر
کیا ہے۔ اگر ایسی ہی شرائط انگلش گورنمنٹ بڑی بڑی ریلوے لائنوں کے اجارے عطا کرتے وقت کر لیتی
تو آج ہماری انگریزی قوم مسٹر ایڈورڈ و ٹیکن جیسے اشخاص کے ظلموں کو برداشت کرنے میں [illegible] فرنچ گورنمنٹ
اپنے وقت میں [illegible] رہی۔ چنانچہ تھوڑے ہی سال گذرنے کے بعد فرنچ قوم اپنے ریلوے سلسلے کی
آپ مالک ہو جائے گی۔ ریلیں زمانہ موجودہ کی شاہراہیں اور یہ ایک سخت ظلم ہے کہ خاص خاص پرائیویٹ
اشخاص ان آمد و رفت کے منافع اجارہ پر قابض ہوں۔ سرمایہ دار کا بیشک یہ حق ہے کہ
وہ اپنے [illegible] سرمایہ کو معہ ایک مناسب فائدے کے ان خطروں اور جوکھم کے عوض جو اسے برداشت
کرنے پڑتے ہیں۔ واپس لینے کا دعوے کرے۔ سلطان المعظم نے بیرونی قرض خواہوں کے فائدے کے لئے
اپنی رعایا کی کمائی اور محنت کو ہمیشہ کے لئے مکفول کر دینے سے انکار کرنے سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ موجودہ پولیٹیکل [illegible]

لہ بغداد و انگورا لائن کا اجارہ نہایت مناسب شرط پر ستمبر ۱۸۹۹ء میں جرمنی کو دیا گیا ہے [illegible] لائن
[illegible] گورنمنٹ [illegible] یہ فقط انگلستان میں [illegible] لائنوں کا مالک ہے۔

سرہنری ایلیٹ سابق سفیر متعینہ قسطنطنیہ نے بھی اپنے آرٹیکل میں جسکا اوپر ذکر کیا ہے۔ ان واقعات کو بیان کیا ہے جن کی نسبت میں نے بھی لکھا ہے کہ وہ عبدالحمید کی تخت نشینی کے باعث ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) ایسی فرق ہی جو آج ترکوں کو بمقابلہ یورپ ضعیف ثابت کر رہا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ فی الحال ترکوں نے بہت ترقی کی ہے اور روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔ اس بیان کیلئے ہم صرف ٹیلی گراف کی ہی شہادت کافی نہیں سمجھتے بلکہ ایک اعلیٰ یوروپین کے خیالات کی طرف توجہ کریں گے جسکو دولت عثمانیہ کی حالات پر غور کرنیکا زیادہ موقع ملا ہے۔ وہ پروفیسر ویمبری ہیں جنہوں نے پانچ گزشتہ لیکچروں کے علاوہ ایشیائی مذہب فی الحال ایک جدید لیکچر دیا ہے۔ اس لیکچر کو ٹائمز آف انڈیا نے شائع کیا ہے۔ اور ہم اوسی اخبار سے نقل کرتے ہیں:-

" پروفیسر ویمبری نے دوبارہ اس ٹریٹ منچسٹر میں آرمینی کو اسوسی ایشن کے سامنے " مغربی تہذیب کا اثر مشرق پر " کے مضمون پر ایک لیکچر دیا۔ پروفیسر مذکور نے بیان کیا کہ ترک دیگر ایشیائی اقوام میں سے نہایت سربرآوردہ اور ترقی یافتہ ہیں۔ بظاہر وہ بالکل یوروپین معلوم ہوتے ہیں۔ اور عادات اور قواعد بھی یوروپین کی مانند ہیں مگر افسوس تبدیلی نسوان کے گروہ میں نہیں ہوئی۔ عربیا اپنی قدیم عادات اور رسم و رواج پر قائم ہیں۔ جو صدہا برس سے چلی آتی ہیں یعنی ان کو یوروپین قاعدوں اور عادات کی کلی نفرت ہے۔ تیس برس ہوئے جب میں ترکی ملک میں رہتا تھا تو مجھے حیرت ہوتی تھی کہ عورتوں میں کیسی ضد ہے لیکن اب سلطان حال کے تحت سلطنت میں انہوں نے تہذیب اور ترقی کے تو بہت کچھ تدابیر کی ہیں۔ میں یہ فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں سلطان کا ذاتی دوست ہوں جو مغربی خیالات اور یوروپین طریقہ بود و باش سے کامل واقف ہیں۔ اور ترکی سلطنت میں زمانہ حال کی تہذیب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ سکول کالج یونیورسٹی حال کے ترکی زمانے میں بہت کچھ بڑھ گئی ہیں۔ اعلیٰ فرقے کے لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو فرانسیسی زبان خوب نہ بول سکتا ہو۔ اور انگریزی۔ فارسی۔ بلکہ جرمنی بھی کچھ لکھ پڑھ سکتا ہے۔ یورپین زبانی کے علوم کو سیکھنے کی لوگوں میں بہت ترقی ہو رہی ہے جو ترکی زبان میں جاری ہیں مغربی خیالات پیدا ہو کر سب عجیب کی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ شیکسپیئر کی خاص خاص تحریروں کا ترجمہ ترکی زبان میں بہت ہی عمدہ دیکھا تھا بہت سی انگریزی مشہور آثار کی کتابوں کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ سلطان جدید سکولوں کے لئے صرف خاص مدد دیتے ہیں۔ یہ نوعمروں کو یورپ بھیجتے ہیں الغرض یہ ہنر لوگوں میں روشنی پھیلانے کے لئے بہت کوشش کرتے ہیں۔ اس ترکی فرمانروا کی نسبت میں خوشی سے دیکھتا ہوں کہ لارڈ سالسبری نے اپنی سپیچ گلاسگو میں اونکی نہایت درجہ تعریف کی ہے۔ یہ قابل حیرت ایشیائی شخص ہے۔ آپ سے بہتر کسی کو بھی نہیں ملا۔ یہ ملکی انتظام اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے محنت میں مصروف رہتا ہے۔ علی الصبح بیدار ہو کر کاروبار سلطنت شروع کر دیتے۔ بعض مرتبہ تین بجے سہ پہر تک مصروف رہتا ہے اور کم خوراک ہے اور شراب نہیں پیتا اور واقعی اپنی طبیعت سے محنت ایسی پر رکھتا ہے۔ شاید تم خیال کرو گے کہ ایسے اعلیٰ رئیس کی حکومت میں ترکی کو ترقی کیوں نہیں ہوتی ہے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ مثل شخص کے قومیں بھی یکایک ترقی نہیں کر سکتی ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

مگر اس موقع پر مسٹر ہنری ایلیٹ کی تاریخی صداقت اور اوس کی پولیٹیکل فراست چوک جاتی ہے۔ اور اُس کے مضمون کا کل لب لباب مدحت پاشا کے تنزل اور اُس کی مجوزہ کانسٹی ٹیوشن کی ناکامیابی پر نوحہ کرنا ہے۔ وہ سلطان پر بڑے زور سے اتہام لگاتا ہے کہ اُس نے پھر پرانی لاعقیدی پالیسی اختیار کر لی۔ اور اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ اگر کانسٹی ٹیوشن کو کارروائی کرنے کی مہلت ملتی تو روم میں اصلاح کی ترقی بہت ہی جلد اور بہت ہی اطمینان دہ ہوتی۔

میں مدحت پاشا کے تعریف کرنیوالوں کی نسبت سخت الفاظ کہنا نہیں چاہتی۔ اول الذکر بیشک ایک لائق اور مستعد مدبر تھا۔ اور آخر الذکر یعنی کانسٹی ٹیوشن، ایسی ہی اچھی اور ایسی ہی بری تھی جیسی کہ بلجلت گڑھی ہوئی کانسٹی ٹیوشنیں ہوتی ہیں۔

مدحت کی کانسٹی ٹیوشن کی بڑی تجویزیں جو کہ کانفرنس منعقدہ قسطنطنیہ کی پہلی نشست پر مشتہر کیگئی تھیں یہ تھیں کہ چیمبرز مقرر کئے جائیں۔ ایک سینیٹ (دیوان اعیان) اور دوسرا چیمبر آف ڈپٹیز (مجلس وکلا) سینیٹ کے ممبروں کو ملک کے بڑے بڑے رئیسوں سے منتخب کئے جائینگے سلطان نامزد کریگا۔ چیمبر کے ممبر قرعہ اندازی سے منتخب کئے جائینگے۔ اور یہ دونوں کل کاروبار سلطنت دوسری یوروپین کانسٹی ٹیوشنوں کیطرح کرینگے۔ اسلام سرکاری مذہب مقرر کیا گیا۔ مگر دوسرے مذاہب کو بھی اپنے طریقہ عبادت کی عام اجازت دیگئی۔ آزادی مطابع اور رعایا کی تعلیم عطا کی گئی۔ ابتدائی تعلیم لازمی گردانی گئی۔ تمام اشخاص اختلاف مذہب کے لحاظ کے بغیر کل ملکی عہدوں کو حاصل کرسکنے کے مستحق گردانے گئے۔ جائیدادیں محفوظ کی گئیں خانگی مکانات بالکل معصون کئے گئے اور آخری قاعدہ یہ بنایا گیا کہ تمام ملکی عہدیدار بغیر کافی اور جائز وجوہات کے موقوف نہ ہوسکینگے۔

تاریخ نے مشرقی نیم سی کانسٹی ٹیوشن بنانیوالوں کی تجاویز کی ناقابلیت کو ثابت کر دیا ہے اور علم سوشل ازم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲) جس طرح کوئی دفعتہً بلا کر زقند ترقی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح تربیت بھی ترقی نہیں کرسکتی۔ ترک مثل اور ایشیائی اقوام کے آج اُس درجہ پر ہیں جس درجہ پر ہم بارھویں تیرھویں صدی میں تھے جس طرح سے ہم تیرھویں صدی سے یکایک حال کی تہذیب میں نہیں آسکتے تھے اسی طرح ترک بھی نہیں آسکتے۔ تہذیب و ترقی کے لئے زمانہ اور تحمل درکار ہے۔ یورپ میں اس زمانہ اور رعایت نہیں ہوتی ہمیشہ بڑ ہانکتے ہیں کہ ترکی نظام بگڑا ہے سلک بادیہ رہے ہیں صنعت اور حرفت اور علوم کی بے پروائی کی جاتی ہے مگر وہ یہ فراموش کرتے ہیں کہ جنے یہ باتیں بڑی محنت اور مشقت سے حاصل کی ہیں۔ جنہیں بڑی مشکلات سے تعصبات اور مذہبی دیوانگی اور پولیٹیکل ظلم کو موقوف کیا۔ اگر ترکوں کو وقت ملتا رہے جس میں رفتہ رفتہ ملک کی ترقی ہو تو کچھ شک نہیں کہ سلطنت سنبھل جائیگی۔ اور بہت بڑے مشرقی مسئلہ کی مشکل آسان ہو جاویگی۔

نہیں پڑھا دیا ہے کہ سلطنت ایک ایسی ترکیب ہے جو کہ آدمیوں کی بنی ہے۔ اور ایسی شی بھی ہو نہ کہ وہ ایک قدرت ہے کہ کسی معمار یا انجینیر کی لیاقت یا مرضی سے بنائی جا سکے یا تبدیل کیا جا سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ حضرت پادشاہ کی نیک نیتی کی تجاویز کو عمل میں لانے کی مہلت نہ ملی لیکن اس کا بہت بڑا سبب شہری ایلیٹ کی اپنی ہی گورنمنٹ تھی۔ مگر ہم سوشلزم کے جاننے والوں کو ساتھ ہی یہ اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اس کی ناکامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ قوم جس پر جبراً عمل کی گئی تھی پولیٹیکل ترقی کی اس سطح پر ابھی تک نہیں پہنچی تھی جس پر ہی صرف ہمارے قسم کی کانسٹی ٹیوشن چل سکتی ہیں۔ ہمارے انگریز بھائی جنہیں صدیوں سے سلف گورنمنٹ جاری ہے اپنے بادشاہوں سے کئی دفعہ لڑائی کر چکے ہیں جو سرکاری عہدوں کو بری نظروں سے دیکھتے رہے ہیں۔ اور جو مختلف مجلسیں۔ کونٹی کونسلیں انتظام کلیسا۔ قرعہ اندازیوں کی صندوق اور ناجائز حملوں کے انسداد کے ایکٹ اور کیا کیا کچھ نہیں رکھتے۔ یہ بہت جلد خیال کرتے ہیں کہ کانسٹی ٹیوشن حکومتیں کوہ سینا(ح) پر دی گئی تھیں۔ اور وہ تمام بادشاہ بدذات ہیں جو انہیں قائم نہیں ہونے دیتے۔ اور وہ کل قومیں بیوقوف ہیں جو ان کے قیام کی درخواست نہیں کرتیں۔ ہمارا وہ ہم وطن جو طبقہ درمیانی کا فرد ہے اور وہ آدمی جو سفید ٹوپی پہن کر جو بہت گاڑی میں سوار ہوتا ہے، کیا یہ بھول گیا کہ حکومت کے مختلف طریقے مقصد حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ اور یہ کہ جو وسائل ایک قوم یا رعایا کے ہاں اس مقصد تک بہت جلد پہنچا دیتے ہیں دوسری قوم کے ہاں بالکل ہی الٹا نتیجہ پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک امر جو لنڈن یا نیویارک میں بد چلنی کو روکتا ہے قسطنطنیہ اور بغداد میں آگ سے اور فساد برپا کرے گا۔

اس لئے مجھ پر جبکہ ایک انگریز عورت ہوں اور تھوڑی آزادی پر کچھ تھوڑی ہی محبت نہیں اور جو مطلق العنانی کو کبھی بہت پسند کرنے والی نہیں یہ امر بخوبی واضح ہے کہ وہ شخص جو عبدالحمید پر الزام لگاتے کہ اس نے اپنے ملک کی کانسٹی ٹیوشن کی آزادی کو بالکل اٹھا دیا اور قدیم تاریک طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ یا تو بہت ہی بڑی بد ایمانی کا مجرم ہے یا پولیٹیکل قابلیت اور علم حقوق انسانی سے بالکل بے بہرہ ہے۔ بات یہ ہے کہ سلطان المعظم ان دونوں امروں میں ان پولیٹیکل عالمان خود فروش کی نسبت بہت ہی زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے صدر اول سے واقعیت کی اور نقلوں کی اصلیتوں کو معلوم کر لیا۔ اور یورپ کی نکمی دلفریبی سے بنائی ہوئی اصلاحوں کو نظر انداز کر کے اپنی ہی ذات میں طرز حکومت کو محدود رکھا۔ اور صرف یہی امر اس رعایا کے مذاق اور احتیاج کے مناسب تھا جس کی بہتری اور آسائش کیلئے خداوند کریم نے آپ کو ذمہ وار بنایا ہے۔

(ح) کوہ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے اور اس احکام ربانی کے حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ انگریز لوگ آئینی حکومتوں پر ایسے فریفتہ ہیں گویا ان کے قیام کا بھی اس موقعہ پر خداوند کریم نے حکم دیا تھا۔ * جونینی گلیڈسٹون *

زمانہ گذشتہ کے ایک بڑے مشہور مشرقی مدبر حضرت سلیمان نے جیسے عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ روئے زمین کی بادشاہی
کا خاصہ مع مطلع وجہ اتحاد بیان کیا ہے کہ مشیروں کی کثرت میں ہمیشہ بہتری ہے پس ایسی بہتری بادشاہ کے خوفناک
نتیجہ سے سلطان عبدالحمید نے اپنی رعایا کو بچایا ہے اور میں بڑی طمانیت سے ہر ایسے شخص کے پاس اپیل
کرتی ہوں جو روم میں رہا ہے۔ اور جو اس کے باشندوں کے خیالات اور خواہشوں کو جانتا ہے کہ وہ بتائیں
کہ اگر روم کی قسمت ایک نمائشی پارلیمنٹ کے سپرد کی جاتی تو کیا ہوتا۔ میرے خیال میں یہ ممکن تھا کہ ان اصلاحوں کی
اتنی بڑی لمبی فہرست تیار ہو سکتی جو کہ ان قیاس اور فائدہ رسان کاموں کی بہت بڑی تعداد کا ایک تھوڑا سا حصہ ہے
جسکو سلطنت عثمانیہ کے موجودہ حاکم نے شروع کیا ہے۔ اور جو یا تو مکمل ہو گئے ہیں یا قریب التکمیل ہیں۔

میں اس بات کا انکار نہیں کر سکتی بلکہ سچے دل سے یقین رکھتی ہوں کہ وہ دن ضرور آئیگا جب سلطنت ترکی
خود حکومت کرنیوالی سلطنت ہوگی۔ مگر یہ دن مدحت پاشا کی تجاویز کی تعمیل سلطنت گذشتہ سے بجائے بہت جلد
آنے کے اور زیادہ پیچھے پڑ جاتا۔ اور اسی طریقہ سے جو سلطان اور اس کے وزراء نے اختیار کیا ہوا ہے
وہ وقت جلد آ سکتا ہے۔ امیرالمومنین عبدالحمید کے چال چلن کی نسبت بچشم خود دیکھنے والے نے اسکی سلطنت
کے پہلے ہی مہینے کے اخیر میں اس طرح پر لکھا ہے۔

ہر ایک اہم ملکی معاملے میں سلطان عبدالحمید کی ذاتی رائے نے ایک مستحکم اور قطعی اقتدار حاصل کر لیا ہے
جو اقتدار دن بدن بڑھ رہا ہے۔ مگر یہ اس کے متقدمین کے برعکس بالکل ہی مختلف قسم کا ہے یعنی خلافاً یا سلطان
مزاجوں کسی مداخلت یا بیجا عارضی ترنگوں یا خفیہ مشورہ یا پوشیدہ دباؤ کا نتیجہ ہو۔ بلکہ یہ مراعات سلطان کی طرف
سے تمام امور سلطنت پر ہر ایک قسم کی آگاہی مقدرت حاصل کرنے اور پھر اس آگاہی کی بنیاد پر اپنی رائے قایم کرنے کی
باقاعدہ کوشش ہے۔ وہ کدورت جو شروع شروع میں اس کے دل میں ان وزیروں سے پیدا ہو گئی تھی جو اس کے
ماقبل حکومت کی اخیر میں بہت کچھ چالاک بن گئے تھے کچھ بھی وقعت پیدا ہو کر بعد بالکل مٹ گئی ہے اور تعلقات
جو اس کے اور انکے درمیان قایم ہو گئے ہیں عجیب ہی قسم کے ہیں۔ مدت سے کہ قواعد و آداب کے مطابق سلاطین ترکی
کل دنیا کی طرح اپنے وزیروں کے ساتھ بھی بہت کم خلا ملا رکھتے ہیں۔ مگر موجودہ سلطان نے اس قاعدے کی بندش
کو توڑ دیا ہے۔ وہ انکو اپنے حضور میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور کل اہم معاملات پر بحث کرتا ہے۔ سنہ حال ہی
میں تجارت و حرفت کو ترقی دینے اور اعلیٰ مدارس کے کھولنے اور ایسا انتظام کرنے سے … قایم کرنے کی بڑی خواہش ظاہر
کی ہے اور اسکی یہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ اور اس نے اپنی قابل خدمات کے لئے ان لڑکوں کو منتخب کیا ہے جنہوں
نے یورپ میں تعلیم پائی ہے۔ اور جو صرف ان زبانوں کو ہی بول سکتے ہیں بلکہ یورپ کے مہذب ملکوں
کے بڑے بڑے اعلیٰ خیالوں سے بھی واقف ہیں۔

اگر سوائے مندرجہ بالا دلایل کے کسی اور ثبوت کی بھی ضرورت ہو کہ ایسے شخص کی براہ راست حکومت روم
جیسی ملک کی رعایا کے لئے منتخب مجلسوں کی حکومتوں کی نسبت بہت اچھی ہو تو بھی یہ ثبوت بلگیریا کی حالت سے
مل سکتا ہے جس میں ہر عہدہ نامہ برلن کے مطابق وہ خود مختار رہا ہے اُس سال ہوا لیکن آج تک یہ بد قسمت صوبہ
سازشوں اور سیاہ بختی کا آتش کدہ بن رہا ہے ہر ایک سرکاری عہدہ خالی ہونے پر بیگانہ والی اجنبی ایجنٹوں کو
سازش کرنے کا ایک نیا موقعہ دیتا ہے کہ اپنی سلطنت کی اغراض کا کوئی ہوا خواہ مقرر کرا دیں اور وہ لوگ
(یعنی ایجنٹ) ہر ایک نئے منتخب کنندے* سے رشوت دیکر اپنا مطلب نکال لینا ممکن سمجھتے ہیں پچھلی لڑائی میں
روسی سپاہیوں میں یہ عام گفتگو ہوتی تھی کہ ان دہقانوں کی حالت جن کو ہم آزاد کرنے کے لئے آئے ہیں۔
ہمارے باپوں اور بھائیوں کی حالت سے جن کو ہم (روسی سپاہی) پیچھے چھوڑ آئے ہیں بدرجہا اچھی ہے اگر یہ
خوشحالی بلگیریا کے کسانوں میں اب نہیں پائی جاتی۔ سلسلہ کل شہادتیں ثابت کر رہی ہیں کہ یہ روز بروز
غائب ہو رہی ہے) تو انکو اپنے آزاد کنندوں اور خود اپنی مجلس (مجلس کلام) کا اس تبدیل کے لئے
شکر ادا کرنا چاہیئے۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ تمام انگریزی اخبارات میں ایک فقرہ شائع ہوا تھا جس میں بادشاہ اٹلی کی
ایک سرگذشت بیان کی گئی تھی۔ سب انگریزی جمہوریہ خیالات والوں نے بادشاہ موصوف پر بڑی تحسین و آفرین کی
اسمیں یہ بیان تھا کہ جب بادشاہ ہمبرٹ نے چند پبلک باغوں کا معاینہ کرتے وقت خیال کیا کہ اسکی رعایا
میں سے یہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے تو کہا معلوم ہوتا ہے کہ میرے لوگ اس جگہ کی خوبیوں سے استفادہ
کا بہت ہی کم حظ اٹھاتے ہیں جب اُسے یہ کہا گیا کہ اس کے معاینے کے دوران تک عام لوگ باغ سے نکالے
گئے ہیں تو اس نے انکو فوراً داخل کئے جانیکا حکم دیا اور طرفۃ العین میں باغ ایک شکر گذار اور وفادار ہجوم سے
بھر گیا۔ مگر **عبد الحمید** کی زندگی کا ایک ایسا ہی واقعہ ہے کہ کوئی ایسی مشکوری اور شہرت نہ پائی حالانکہ ترک کے لحاظ میں
جو کہ اسکی بیداری جتانے کے لائق ہے۔ ایک دن کھانا کھاتے وقت اس نے سلطانیہ کی باہر ایک جماعت کو مجتمع دیکھا جو کہ
ان باغوں کو ایک نظر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے فوراً دروازے کھلوا دینے کا اور کل تمام لوگوں کو جو اس جگہ
اکٹھے ہوئے تھے داخل کئے جانیکا حکم دیا اور اس وقت سے لیکر پبلک ان باغوں میں جو بینک بالکل ممنوع الاجازت
تھے برابر داخل پاتی ہے۔ بعض خاص مغربی بادشاہ (مثلاً شاہ انگلستان) جو خیال کرتے ہیں کہ یہ قصہ پیش پیغمبر کی طرح
دینی عبادت ہے بالکل الگ ہے اُنکے آداب سلطنت کے شایاں ہے ایسا ہی عمل کریں تو اس کی وجہ بھی ہو کافی تا

* منتخب کنندہ یا ایکسٹرہ لوگ ہوتے ہیں جو پارلیمنٹ یا کسی اور میونسپل جماعت کے ممبروں کا انتخاب یا رائے دینے کا استحقاق رکھتے ہیں
اپنی کروڑ ہا رائے دہندہ کہتے ہیں اور ان لوگوں کو اکثر رشوتیں دی دلا کر اپنے حسب پسند ممبر کے انتخاب پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

ہو رہی ہے۔ شاید کسیقدر سنبھال سکیں۔ یہ موقع اُن خانگی رازوں کے بیان کرنیکے لئے نہیں ہے جن کی
حفاظت ایک شہنشاہ اور ایک بھنگی کو یکساں مد نظر ہوتی ہے۔ مگر ہمیں صرف ایک ایسا امر بیان کرنا ہے جو
ہر ایک قسطنطنیہ کا ہر ایک باشندہ جانتا ہے یعنی کہ سلطان کی پرائیویٹ زندگی بجائے ایک مشرقی شہزادہ
کے حالات کے عام مروجہ خیالات کے مشابہ ہونیکے بالکل ایک انگریزی جنٹلمین سے ملتی جلتی ہے منجملہ دیگر
اصلاحوں کے اُنہوں نے حرم کے خرچ کو بہت ہی کم کر دیا ہے۔

وہ نہایت ہی خطرناک ذمہ واری جو مطلق العنان بادشاہوں کی قسمت میں لکھی ہے یعنی اگر اُن فیصلوں کے
قائم کرنے میں جو جرأت آنکی بد قسمت مظلوم رعایا کی جانیں منحصر ہوتی ہیں زندگی اور موت کے اختیارات کو استعمال
کرنیکے ہر ایک موقعہ پر ہمیشہ سلطان نے رحم کو مد نظر رکھا کہ اُس نے مسئلہ الانصاف کے دعوؤں کی بخلاف فیصلہ کیا ہے
اور اپنی تخت نشینی کیوقت سے لیکر آجتک کسی ایک بھی حکم موت پر دستخط نہیں کیا۔

سلطان کی پولیسی کو پورا کامیاب کرنے اور اسکے ایام حکومت کو اُسکی وسیع سلطنت کی کروڑوں رعایا کیلئے
ایک خالص بابرکت زمانہ بنا دینے کیلئے اب صرف ایک ہی چیز کی بڑی ضرورت ہے یعنی یہ کہ یورپین جلد ہی ان خانہ
سازشوں سے ایک لمبی امان کا زمانہ۔ اگر انگلستان اور اُسکے مددگاروں نے اپنی رعایا کے بہت بڑے حصوں کو سلیقہ
تباہی اور پریشانیوں کو خارج کر دیا ہے اور اپنی جیلخانے اور دیگر جیلخانوں کو خالی کر لیا ہے اپنے گرجوں اور
کارخانوں کو نا اہلوں اور مزدوروں سے پر کر چکے ہیں اور اپنے انسانی ہمدردوں اور پولیٹیکل اور شورش پسندوں
کی ملاقات کو کسی مشغلہ دینا چاہتی ہیں اُن کو نیکی اور ہمدردی کی قسم ہے کہ وہ برائے خدا اپنی توجہ اس سلطنت
معدوس کیطرف منعطف کریں جو ایک جبر و سیاہ بادل کیطرح آنکی سے لیکر جہیزو واسوٹک پھیلی ہوئی ہے وہ
اپنی مشترکہ یادداشتوں کی پچھلی نصیحتیں اور اپنی دھمکیاں اس بادشاہ کو دیں جسکی فاقہ کش اور مظلوم رعیت
ارگرد کی رعایا کی بابت مصیبتوں اور تباہیوں کی بہت بڑی آہ و زاری کا سلسلہ ہر وقت ایک شور آسمانوں پر
پہنچا رہا ہے سلطان کی کانوں میں ظلم کے باعث جلا وطن شدہ اور ستم رسیدہ اور شکستہ دل قیدیوں کی نالیاں
پولیٹیکل قیدی اس شمالی مقدس سرزمین سے اپنی رہائی کیلئے زاری و دعا مانگتے ہیں خواہ وہ اس شہر سے
کیوں نہ ہو کہ انکی تمام باقی ماندہ عمر وحشی حرکت کی مملکت میں صرف ہو لیکن اگر شاہان یورپ دنیا کی اور زبردستی
کے باعث ایک نہایت ہی ظالم نہایت ہی غدار اور نہایت ہی نا ہنجار کے ساتھ معاملہ میں جس سے بڑھکر آفتاب دنیا کو
ہے کوئی پلید لعنتی نہیں ہے کوئی مداخلت کرنے سے ڈرتے ہیں تو وہ اتنا ہی چاہا کریں کہ وہ ایک اس بادشاہ کو تنبیہ دیں
جو اپنی تمام رعایا کو اور ان تمام شخصوں کو جن کی چشم انصاف کی ہے یہ نظارہ دکھلا رہا ہے جسکا جواب روز روزی ناموں
شاعرانہ دلی آرزو کی تمی ہی ہے۔ ستارہ روس کے فساد وہی ایک عالم آشوب طوفان میں ایک مضبوط بند تام ہے

وہ سلطان کی حکومت کی بحیرہ قلزم اور نہر سویز سے پرے تک پھیلی ہوئی ہوتی جسے انکار کر دیں لیکن
اگر عثمانی حکومت مقبوضات افریقہ کو پچھلے دس سال کی تاریخ کو چھوڑ دو تو سلطان عبد الحمید کی مشکلات کا کارنامہ ہوگا
بالکل نامکمل نقشہ تحریر کرنے والی ہونگی۔ سلطان کا کام بہت ہی ہلکا ہو جاتا اگر مصر کی حالت سلطنت کی
یوروپی اور ایشیائی صوبوں کی حالت سے بہت کچھ متضاد ہوتی مگر جیسی ابتری ان میں پھیلی ہوئی تھی ویسی ہی
اس جگہ بھی تھی یکساں عنصروں سے یکساں نتیجے پیدا ہوتے ہیں مرکز کی بدانتظامی اور صوبجات بعیدہ کے گورنروں
کی غفلت شعاری اور مسلسل بیرونی سازشوں کے ذریعے نیل پر بھی وہی ہلچل اور تمدنی خرابیاں قائم ہوگئی
تھیں جن کا امیر المومنین عبد الحمید کو باسفورس اور فرات پر سامنا کرنا پڑا تھا۔

دیکھئے اسمٰعیل کی بدانتظامی اور فضول خرچی سے جب یورپ کے بنیے یہودی ساہوکار یہ الوقت حسب معمول اپنی ساکھ کے
لیے چل جاتی تھی تو سود پر قرض دینے کی عنایت کی تھی سلطان کی تخت نشینی کے وقت تک مصر کی مالی مشکلات درجہ
اتم کو پہنچ گئی تھیں فوج بقایا تنخواہ کے لیے چیخ رہی تھی۔ اور کمبخت دہقان ان ٹیکسوں کی وجہ کے نیچے مرے جا رہے تھے جن
کی آمدنی سے لیونٹ کی عیاشی متلاشیان زر کے پاکٹ بھر جاتے تھے اور پیرس کی طرح اسکندریہ کی سوسائٹی کے جسم
آراستہ ہوتے تھے۔ مگر جونہی سلطان کے دار الخلافہ سے مرض الموت (یعنی روس کا قبضہ) رفع ہوا اس کو جنوب کی
طرف نظر کرنے کا موقع ملا۔ امیر المومنین عبد الحمید فوراً بڑی مستعدی سے اس کے انتظام کی جانب مشغول ہو گئے
انکو زیادہ دیر تک غور کرنے یا کوئی بہت بڑی تحقیقات کرنے کی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی معلوم ہو گیا کہ
تخت مصر پر اسمٰعیل پاشا کا رہنا زیادہ موزوں نہیں ہے۔ یہ جگہ انکے مناسب حال نہیں۔

مطلق العنان حکومت کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑی تخت کو صرف قلم کی ایک جنبش یکلخت
عام سے کا آدمی بنا دیتی ہے اور اسکو اسی بے فکری کے ساتھ جس کا وہ معزول شدہ عہدہ دار بغیر جھگڑے کے حرکت
کرنے کی کچھ ضرورت نہیں پڑتی۔ پس جبکہ ماہ اگست ۱۸۷۹ع کی ایک خوشنما صبح کو خدیو اسمٰعیل کو معلوم ہوا کہ وہ
اچانک معزول و تخت سے اتار دیا گیا ہے اور ایک بالکل جائز طریقے سے اسمٰعیل کا بیٹا توفیق اسکا جانشین ہو گیا ہے لیکن کیا
یہ تغیر مصری دہقانوں کے حق میں بہتری کا تغیر ہوا؟ مابعد کے واقعات کی روشنی سے اس سوال پر بھی مباحثات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) کہ ان کا رکارڈ ہو [illegible] دیتا ہے تار برقی ۳۳۰ میل تھی جسکی تار کی لمبائی ۱۰۶۴ میل ہے
سے تار ہر ملک ۵۵۰ میل انگریزی تار برقی ہے۔ باقی کاروائی [illegible] میں ۲۲۰ ڈاکخانے تھے جنہوں نے [illegible]
اندرونی خطوط ۱۲۹ و بیرونی خطوط وغیرہ ۱۴۰۰ اندرونی اخبارات [illegible] بیرونی [illegible]
تقسیم کیے۔ یہ پرانے اعداد مقابلہ کے لیے رہنے دیئے گئے ہیں مصر کی موجودہ حالت مناسب [illegible]
کے ساتھ ترکی کی موجودہ حالت میں بیان کر دی گئی ہے۔

ملک کے وسط میں لگ گیا تھا۔ مگر خواہ کچھ ہی ہو اس سے واضح تر اور کوئی امر نہیں کہ سلطان عبد الحمید کو (اور یہی
صرف ایک ایسے آدمی تھے جو اس فساد اور جھگڑے کو جو خدیو اور مصر کی رعایا کے مابین برپا ہوا بڑی عمدگی سے فیصلہ اور
درست کر سکتے تھے) اس امر پر کوئی قاطع فیصلہ کرنے کا ہرگز موقع نہ دیا گیا اور جب انگریزی فوجیں ایک دفعہ سکندریہ میں
داخل ہو گئیں تو انہوں نے بڑی دانائی سے انگلستان اور اس کے سپاہیوں کو جو انگلستان کے حرص و طمع کی قربانگاہ پر نثار
ہوتے خود ہی اس مشکل میں سے نکلنے کے کام پر جس میں وہ بے سوچے سمجھے کود پڑے تھے چھوڑ دیا۔ اور اسی نتیجہ
پر و پیچیدہ فیصلہ پر چھوڑا کہ وہ اس کا اور ان کے درمیان جنہوں نے اسکے حقوق کو غصب کر لیا ہے رستہ
قائم کریں۔ عرابی کے باغی مشتہر کیے جانے پر مصر پر انگریزی فوجیں پورے طور سے سلطان کی اجازت حاصل کیے بغیر حملہ
آور ہو گئیں۔ انہوں نے ایک ایسے شخص پر جس کو رہبر کہا جاتا تھا اور فن جنگ سے بالکل نابلد جاہل اور ایک تلاشی روزگار سپاہی تھا و
جسے جنگی تجربہ بھی حاصل نہیں تھا فتح پانے کے باعث عزت و افتخار اور تازہ شہرت حاصل کی۔ اور علاوہ ازیں ایک
اچھا خاصا ایسا مقتدی کی صورت میں ہاتھ سے نکل گیا باغی فوج معدوم ہو گئی۔ اس کا افسر گرفتار کیا گیا جو کورٹ
مارشل سے تحقیقات کیے جانے کے بعد باغی کی طرح گولی سے مار دیئے جانے کے بجائے جیسا کہ اگر خدیو کا اشتہار شروع
سے آخر تک جھوٹ نہیں تھا تو کرنا چاہیے تھا۔ ایک نامعتبر سرسری تحقیقات کے بعد انگلستان کے ایک
ایشیائی مقبوضہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔*

انگریزی گورنمنٹ فرانس کی اس جنگ کا (جو کہ انکے خیال میں جنگ تھا) کارروائی میں شمولیت کرنے سے انکار
سے فائدہ اٹھانے سے چوکی اور آئندہ کیلئے فرانس کے حق مداخلت سے انہوں نے بالکل انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے انگلستان
کو آگ میں سے خرما نکالنے کو تنہا اکیلا چھوڑ دیا۔ اور اسی لیے آئندہ کیلئے مصری معاملات میں دخل دینے کا حق اسکا
بالکل زائل ہو گیا اور عملی ختم ہو گئی۔ اور برٹش گورنمنٹ نے خدیو کی درخواست پر سلطان کو اطلاع کرنے کے بغیر ہی
سر [illegible] لارڈ نارتھ بروک اور لارڈ ڈفرن کو بحیثیت نامور اشخاص بغرض مظلوم و بیکسوں کی آسائش اور بہتری کی
تدبیر سوچنے اور عمل میں لانے کیلئے روانہ کر دیئے۔ ان مسائل میں سے بعض بڑی عجیب و حیرت افزا تھیں گو شروع
شروع میں صوبہ وار کونسلیں مقرر کی گئیں جن کا یہ کام تھا کہ اپنی حدود میں مقامی کاموں کیلئے ٹیکس لگائیں
اور وصول کریں۔ اور علاوہ مقامی امور کے مصری گورنمنٹ کو مشورہ دیں اور ایک مجلس لیجسلیٹو کونسل مقرر کی گئی جو سال
میں چار دفعہ نشست کرے اور جس کا یہ کام ہو کہ ان تمام امور کی نسبت جو خدیو کے پیش ہوں غور کر کے اپنی رائے تحریر کرے

* عرابی پاشا اب تک بطور اسیر سلطانی کے سیلون میں نظر بند ہے۔ (اب یہ رہائی پا کر فوت بھی ہو چکا ہے۔)

سلہ جیسا کہ جملہ نمبرات جو مصر میں ان سے ظہور میں آئی ہیں [illegible] کر دیئے گئے ہیں۔ اور لارڈ کرومر کے کام
سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے چند اوصاف ضمیمہ مصر کی موجودہ حالت میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

سالانہ بجٹ اور دوسرے بڑے بڑے امور میں اپنی رائے مدبرین سے خدیو کو دو دیں۔

مگر یہ جلدی ہی ظاہر ہو گیا کہ عربی کی شکست یا اُن مدبروں کی پر لیاقت کوششیں انگلینڈ یا مصر کو مشکلات سے نجات نہیں دے سکیں اور کہ انگلستان کی فوجیں غیر معلوم وقت تک ہٹائی نہیں جا سکتیں بلکہ در یہ میں اس انگریزی کاروائی سے بدظنی کا جوش سلطان کی تمام مملکت واقع افریقہ میں اس خفیہ سرعت سے پھیل گیا جس سے مشرق میں اکثر خبریں مشتہر ہو جاتی ہیں۔ سوڈان کے وحشی عرب قبائل نے یہ معلوم کر کے کہ سلطان کی فوج نے ایک قسمی کو لشکر سے نکال اور شمالی آکر۔ قدرتی طور پر خیال کر کے کہ ان کو آقا کی قوت تنزل پر ہے فاش بغاوت کر دی۔ اور مصری سرحدی چھاؤنیوں کا محاصرہ کر لیا۔ انگلستان اس کی اصلی مقامی حکومت کو زائل کر دینے کا سبب اُن بدقسمت آدمیوں کی جانوں کا ذمہ دار ہو گیا۔ جن کو یک لخت دشمن کی ایک بے شمار تعداد نے گھیر لیا۔ گو انگلستان کے ایک چھوٹے مگر شوریدہ پولیٹیکل گروہ نے ابن ڈی کو چھوڑ دینے اور محصور فوجوں کے متعلق یہ خونی و سنگدلی پالیسی پر چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ تاہم ایسی بے غیرتی کا کام مسٹر گلیڈسٹون کے شایان تھا جس میں ابھی گلیڈسٹون کی پرانی دیانتداری اور حمیت کا کچھ تھوڑا سا حصہ باقی تھا۔ جنرل ہکس پاشا تھوڑی سی ملکی فوج کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ جو کہ چاروں طرف سے گھر کر بالکل قتل کیے گئے پھر تھوڑے ہی زمانہ کے بعد جنرل بیکر کے سپاہیوں کی بھی یہی گت ہوئی۔ اسکے بعد گارڈن کا صحرائے اعظم کاٹ کر خرطوم پہنچنے کا سفر واقع ہوا اس نامور بہادر کی زندگی کے آخری ایام کے واقعات لکھنے کی ضرورت نہیں اس کا ذکر۔ ہر ایک شخص واقف ہے اس نسل کے ہر فرد بشر کے دل پر نقش برسنگ ہے گا محاصرہ خرطوم اور اس بہادر مجاہد کی موت کی کہانی تا قیامت اس ایک دھبہ گارڈن کے بے عزت کا تاج اور ایک قوم جس کے لیے شرم کا سیاہ دھبہ رہیگی۔

لارڈ سالسبری کے برسر اقتدار حاصل ہونے کے بعد جو یہ امید ہوئی تھی کہ اسکے پہلے جانشین مسٹر گلیڈسٹن کے ساتھ جو سخت کینہ پیدا کرنے کے باعث وقوع میں آیا اسکے بہی خواہوں کے دلوں میں امید پیدا ہو چلی تھی اور بھرنے لگا پڑیں کرہ تمام ابتری جو ماہ اگست میں خرطوم کے فتح ہو جانے کے بعد بہت زیادہ پھیل گئی تھی۔ اب ختم ہو جاویگی۔ اور مصر کے معاملات کے متعلق سر ڈرمنڈ ولف کا سلطان کی خدمت میں سفارت خاص پر جانا اس سیدھے راستہ پر ایک قدم کا رکھنا شمار ہوا۔ اسکی ہدایات میں جو تھوڑا حصہ ہوا شائع ہوئی تھیں۔ اس امر کا صاف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سابقہ گورنمنٹ کے ساتھ اس غیر معمولی بے ادبی کے برتاؤ کرنے اور اسکی حکومت کو نظر انداز کرنے کی معافی مانگی جائے۔ اس جگہ اسکا ایک حصہ درج کیا جاتا ہے۔

"ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ کی یہ خواہش ہے کہ وہ اس حیثیت کو جو اعلیٰحضرت سلطان روم کو بطور شہنشاہ مصر کے بلحاظ قانون حاصل تھا وہ بھی اصول دیگر شرائط کے مطابق حال کی پہلی پوری صحیح تسلیم کریں اور خیال کر کے آپکی

کہ اگر وہ سلطان کے اقتدار کو بحیثیت سلطان کے ممالک متعلقہ مصر پر اس طرح تسلیم کرلے تو اُن کو اپنی سلطنت
کے غیر مسلمانوں پر حکومت کرنے میں بہت تقویت ملیگی۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی یقین رکھتی ہے کہ اعلیٰحضرت
سلطان ہی کے اختیار میں ہے کہ اگر چاہیں تو اس ملک کے اُن حصوں میں جو نے اہمال فوجی بغاوتوں اور
مقابلوں کی تباہی میں پڑے ہوئے ہیں، امن و امان قائم کردیں سلطان کی حالت سے رعایا کے بہت سے حصے
پر جن کا مذہب اسلام ہے نہایت بڑا اثر پڑے گا اور اُس شک اور بدگمانی کے جتنے آثار دور ہو جاوینگے
جو کہ تمام لوگوں میں پیدا ہوگئے ہیں کہ اُنکو غیر مذہب والی قوموں کا محکوم بنانیکا ارادہ کیا گیا ہے نیز
سلطان کے زیر سایہ ایسی اقوام موجود ہیں جن سے وہ ایسے سپاہی بھرتی کرسکتے ہیں جن کو مصر جنوبی ممالک کی
آب و ہوا کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ اور اسی لیے وہ ان ممالک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے اپنی کچھ
ایسی سپاہ اور افواج کو روانہ کرسکتے ہیں۔ جو وہاں کی مضرت رساں ہوا سے اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہیں جیسے کہ خود باشندے
ان الفاظ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ انہیں لارڈ سالسبری نے مسٹر گلیڈ اسٹون کو اس سے بھی زیادہ سخت ملامت
کی جو کہ اُنسے ہوس آف لارڈز میں کی تھی مصر پر سلطان کی بادشاہت۔ اُنکا مذہب اسلام کا خلیفہ ہونا
اور یہ جو انکی وہ طاقت و اقتدار جو وہ شمالی مصر وحشی قبائل پر رکھتے ہیں، اُنکی سپاہ کی بہادری اور
شجاعت الغرض یہ تمام امور تسلیم کیے گئے اور اس بات کے لیے بطور قاطع دلائل کے بڑے زور سے پیش کیے گئے
کہ اب مصر کا امن و امان انگریزی سپاہیوں پر زیادہ عرصہ کے لیے نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ اُسکی اصلی حقدار اعلیٰحضرت
کے سپرد کیا جائے۔ طریقہ کارروائی جو نوٹ (مراسلہ) میں دکھلایا گیا لبرل گورنمنٹ کی کل پالیسی کا عین
اُلٹ تھا جیسا اسکندریہ کی گولہ باری والے معاملہ میں چوک اور غلطی کھائی اور اسکے مابعد کی کارروائی
میں سلطان کے حقوق کو عمداً جان بوجھکر اور علانیہ نظر انداز کیا تھا۔

محکمہ خارجیہ میں لارڈ گرینول کی موجودگی کے آخری سال میں اسی پالیسی کی اور بھی زور سے تعمیل کیگئی تھی
فروری ۱۸۸۵ء میں ترکی سفیر متعینہ لندن نے لارڈ گرینول کو مراسلہ دیا۔ جس میں سلطان کی مصر پر شہنشاہی
کی حیثیت بصاف صاف لفظوں میں ظاہر کیا تھا کہ مصر میں امن و امان قائم کرنیکا صرف ہم ہی استحقاق رکھتے ہیں اور
بلحاظ اس امر کے پر درخواست کی تھی کہ مصر سے انگریزی فوج کو واپس بلائے جانے کا بہت جلد بندوبست کیا جاوے
تاکہ اسکی جگہ خود ہماری افواج انگریزی فوج کی کل ذمہ داریوں کو اُٹھا لیں۔ اس مراسلے کے بعد دوسرا مراسلہ مورخہ
مارچ ۱۸۸۵ء اپریل کو آیا جس میں انگریزی گورنمنٹ پر یہ ظاہر کردیا گیا۔ کہ باب عالی نے مصر کی آیندہ حکومت اور سلطانی
مفہوم اُسکے آیندہ کے لیے حفاظت کرنیکا مصمم فیصلہ کرلیا ہے ان تمام مراسلات کا جواب میں انگریزی محکمہ خارجیہ ایک گہری
گہری خاموشی اختیار کی جسکی وجہ یہ ہے جو غلطی کہ جنرل گارڈن کی جو اس وقت کے واقعات کو لارڈ گرینول

سے زیادہ اچھی طرح سے جانتا تھا ۱۸۸۳ء میں صاف بتلادیا اور اس نے بغیر لحاظ کیے صاف کہدیا کہ صرف چھ ہزار ترکی سپاہی کیا اس کل معاملے کو آسانی طے کر سکتے ہوں۔ یہ مرتبلانا کوئی ضروری نہیں کہ اس چالیس ہزار آدمی کی رہے سے انگریزی منسٹر فرینیل نے مدت کے لیے موقوف کر دیا تھا) باقی دیگر تمام تجاویز کیطرح اسکی تجویز بھی مسٹر گلیڈسٹون کی وزارت نے بڑی حقارت کے ساتھ رد کر دی (کیا) گویا ان کی گورنمنٹ انگریزی کا صرف ایسا ایک ملازم تھا جسکی تجاویز پر ٹھکرایا گیا ہو۔ اور جسکی نصیحتیں نظر انداز کیگئی ہوں۔ دسمبر ۱۸۸۴ء کو مسٹر ایولین بیرنگ نے لارڈ گرنویل کو مندرجہ ذیل تحریر روانہ کی:-

"سوڈان میں انگریزی عملداری کا خاتمہ ہونے میں بہت تھوڑا شبہ ہو سکتا ہے اس حالت میں مصر سے انگریزی افواج کے بالکل ہٹا لینے کی پالیسی بہت مشکل ہی نہیں بلکہ میرے خیال میں جہاں تک کہ مصر سے تعلق ہے بالکل ناممکن ہو جاویگی اور یہ بڑا خطرہ ہوگا کہ واقعات کی ضرورت کے باعث ہمیں دریائے نیل کے انتہائی جنوبی وادی کے بہت بڑے حصہ پر مستقل طور پر یا نیم طور پر برٹش حکومت قائم کرنی پڑ جاویگی"

اسکے جواب میں لارڈ گرنویل نے جواب دیا کہ گورنمنٹ حضور اس سے ہر رنگ میں بالکل غیر متفق ہے۔

جون ۱۸۸۵ء میں سلطان کیطرف سے ایک اور مراسلہ کے پیش ہوتے ہی یہ نازک حالت درجہ انتہا تک پہنچ گئی اسمیں سلطان نے معاملات کی موجودہ حالت سے سخت ناراضگی ظاہر کی۔ اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے اور نیز ممالک محروسہ میں خود اپنی فوج روانہ کرنے کے ذریعہ سے امن و امان کو قائم رکھنے کی خواہش پر نسبت پہلے کے زیادہ زور دیا۔ اس مراسلہ کا جواب تھا کہ لارڈ سالسبری نے سر ہنری ڈرمنڈ وولف کے مشن کو معہ ہدایات بالا بماہ اگست آئندہ میں روانہ کیا۔

سلطان کے ساتھ پہلی ملاقات میں اس خاص سفیر نے کہا کہ اسکے مشن کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ مصر کے انتظام حکومت کو پھر دوبارہ درست کیا جاوے۔ اور ساتھ ہی سلطان کے حقوق کو پوری طرح تسلیم کیا جاوے۔ اس مشن کا پہلا نتیجہ مصر میں دونوں سلطنتوں کیطرف سے کمشنروں کو روانہ کرنے کے لیے عہدنامے کا بتاریخ ۲۲ اکتوبر ۱۸۸۵ء مکمل ہونا تھا جنکا یہ کام ہو کہ معاملات کی موجودہ حالت کو بغور تحقیق کرکے بمشورہ خدیو خوشحالی در مدامی بہتری کے وسائل جو سرحد کے استحکام اور مصری گورنمنٹ کے مستقبل قیام پر مبنی ہوں سوچکر ان سے اطلاع دیں۔ اس عہدنامے کی شرائط پر عمل ہو جانے پر ایک دوسرا عہدنامہ برٹش فوج کے بالکل قطعی واپس اٹھا لیے جانے کے لیے تیار کیا جائے گا۔ ڈرمنڈ وولف انگلش کیطرف سے کمشنر مقرر ہوا اور اسنے اپنی کارگذاری کی آخری رپورٹ میں سب کچھ سادگی سے ظاہر کر دیا۔ جو کہ اسکی گورنمنٹ کا اہتمام کارروائی سے اصلی مقصد تھا۔ اسنے کہا: انگلستان کے لیے سب سے پہلے قابل غور امر ہندوستان کو آنے جانے کے لیے آزادانہ آمد و رفت کے

بلکہ سیکنگی یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اوسکو بالکل بحالت امن قائم رکھ سکے۔ معروضہ اسی پر وہ ابتک اپنی پالیسی
چلانے کے لیے زور دیتا ہی جو اُسکے چھوڑنے مددگار کو بیکار بنا رہی ہی مصری رعایا پر لاکھوں روپیہ کے خرچ کا
بوجھ مسلط رہی ہو اور جو دوسری یورپین طاقتوں خصوصاً فرانس کے دلوں میں بدگمانی اور رشک پیدا کرنے
کے سبب ہو سوا ان سب باتوں کے ایک ایک آن اسکی افواج کے خروج کی مسدود رہا ہو گی۔ اور سب سے بڑی بات یہ
ہے کہ کیلا روم تن تنہا براہ راست قاطع طور پر ثابت کر سکتا ہے کہ وہ اس غرض کے حاصل کرنے کیلئے جو کہ
انگلستان کی سپاہ اور انگلستانی عہدہ داروں کا مصری زمین پر ایک مدت کیلئے رہنا اور ٹھہرنے کی حق کا
دشوار قصداً اور مطلقاً نہ ہے کافی منضبط اور وقعت کا ہے۔ ان خدیو کو شاید ایسے وقت میں اپنے
صیغہ مال کے مفاد اور عدالت عامہ کے بہتر انتظام کیلیے یورپین عہدہ داروں کی ایک جماعت نوکر
رکھنی پڑے مگر انہیں اسکے تابع فرمان اور ان شرائط کا پابند رہنا پڑے گا کہ گویا وہ مصری نوکر ہیں

اب صرف ان بعض چند عام خیالات کا درست کرنا باقی ہی جو ہنری ولف کنونشن کی آخر کار ناکامیابی
اور سلطان کے اینگلو ترکش عہدنامہ مورخہ مئی ۱۸۸۷ء کی منظوری سے انکار کرنے کے باعث کے بابت
میں مشہور ہو رہے ہیں۔ اکثر انگریزی اخبار نویسوں اور دوم درجے کے مدبروں کے خیال میں اس انکار
کا باعث صرف دول عظام کی سازشیں تھیں۔ جو انگلستان کے رسوخ سے رشک کھاتی تھیں نہ کہ خود
سلطان کی خود اپنی آزادی۔ یہ جو خیال کیا گیا ہے کہ ہائی کمشنر کے ایسی معززہ اور فائدہ مند شرائط
کے پیش کرنے پر عبد الحمید ضرور خوشی سے جامے میں پھولا نہ سمایا ہوگا۔ اور نیز یہ جو کہا جاتا ہے
کہ روس و فرانس نے دھمکی و خوشامد سے سلطان کے مذہبی تعصب کو یاد دلانے سے اور علماء کی
پر جوش حب وطن کیطرف اشارہ کرکے اُس سانحے کا عجیب ذریعہ یاد کرایا جو عبد العزیز کو پیش
آیا تھا اور اسطرح بہت سی تکلیفوں اور التوا کے بعد سلطان کو (جو ایک خلیق مگر کمزور ارادہ اور نا
مستقل مزاج آدمی ہی) اس امر پر رضامند کرنے میں کامیاب ہوئے کہ وہ ایسے معاہدے پر دستخط
کرنے سے انکار کر دے جسکے رو سے ایک غیر سلطنت کو اس کے ایک صوبہ میں بمرضی خود جب چاہے
فوجی مداخلت کرنے کا حق باضابطہ طور پر ملتا ہو۔

ان خیالات پر عقل سلیم کی روشنی کی بہت ہی تھوڑی سی شعاعیں پڑنے کے لگاتار قیدوں کو بخوبی واضح ہو جائیگا
فرانس اور روس کو اس عہدنامہ کی تصدیق کیے جانے کی مخالفت کرنی چاہیے تھی۔ اور انہوں نے کی بھی لیکن
امر واجبی ہو اور جو ظاہر طور پر تسلیم کیا جاتا ہو سلطنت فرانس کا وادی نیل میں انگلستان کے رسوخ کے بیانہ اور حد
تک بڑھتے جانے پر رشک کرنا ویسی ہی ہے انگریزی سفارت کے پیچھے ان کا روڑا پیدا کرنا ایک امر واجبی اور

لگا فرض ہے۔ اور روس کی انگلستان کے ساتھ مشرقی امور پر ضرب المثل رقابت عام شہور ہے جو دونوں باتیں ایم ایم ہنری سونٹلیو (فرانسیسی سفیر) اور نیلیڈاف (روسی سفیر) کی متحدہ کوششوں کا کافی باعث ہیں لیکن ان امور کو کہ یہ مخالفت صرف سلطان کی مستقل مزاجی اور مضبوطی طبیعت کے باعث کامیاب ہوئی۔ کوئی ایک شخص بھی جو پچھلے دس سال کے واقعات کو یاد رکھتا ہے ہرگز نہ مانیگا ایسے شخص کی نسبت جس نے ۱۸۷۸ء میں ایک شمالی فوجی قوت رکھنے والی طاقت کے حملے کی دھمکی اور پھر ایک رفیق و مددگار کے کنارہ کش ہو جانے کے وقت بھی بغیر طاقی کے ایک ذرہ بھر حصہ کو ترک کرنے سے انکار کیا ہو اور جس نے اپنے دار الخلافہ اور اپنے مقام سکونت کو اس وقت جبکہ فوج مخالف اسکے دروازوں تک پہنچ گئی تھی۔ اور اسکے وزیر سراسیمہ و پریشان ہو رہے تھے فوراً بھاگ جاؤ کہکر بھی چھوڑ دینے سے انکار کر دیا ہو یہ کہنا کہ وہ خلیق و برد بار ہے مگر کسیقدر بہت ہی غیر مستقل مزاج ہے" ایک مجنونانہ جھوٹ سے کم نہیں۔ جو لوگ اس قسم کی واہیات خرافات بکتے اور لکھتے ہیں۔ ان کو منطقی "قانون اختصار" یاد کرنا چاہیے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ سادہ سے سادہ شرح جو ایک امر واقع کے لیے کافی ہو وہی جو عوام الناس میں مقبول اور پسندیدہ ہو جاوے۔ اس عہد نامے اور اسکے قبل کے واقعات کو غور سے دیکھنے اور سمجھنے پر ایک بے تعصب دانا بینا پر بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ سلطان کی نامنظوری کے لیے اور بھی بہت سی وجوہ تھیں۔ اور کہ اگر روس و فرانس کے وکلا اپنی نصیحتوں کو اپنے ہی پاس رکھتے تو بھی سلطان اعظم اس معاہدہ کو ہرگز تسلیم نہ کرتے۔

ناظرین کسی ایک متدین اور صاف باطن کو ایک لحظہ کے لیے سلطان کی جگہ پر بیٹھ کر اس واقعہ کو انکی آنکھوں سے دیکھنے دو۔ آپکو یاد ہوگا کہ ۱۸۸۵ء میں سلطان انگلش گورنمنٹ پر اس بات کے لیے زور دیتے رہے تھے کہ وہ معاملات مصر کو اپنے ہاتھ میں لینا اور برٹش سپاہ کی جگہ اپنی سپاہ مامور کرنا چاہتے ہیں۔ ان خواہشوں کو مسٹر گلیڈسٹون کے مشیروں نے حقارت سے دیکھا۔ لیکن جب لارڈ سالسبری اس عہدہ پر مامور ہوا تو انہیں پھر سلسلہ جنبانی کی۔ جس کا ظاہرا یہ مدعا تھا کہ جہانتک ممکن ہو سلطان کی عرصہ مدید کی خواہشوں کو پورا کیا جاوے۔ اور اس لیے کہ یہ تغیر دفعتاً واقع نہ ہو۔ اولاً تحقیقات کرنے کے لیے ایک عہدنامہ لکھا گیا۔ باین خیال کہ وہ بھر نہج خوشگوار ہوگی۔ وہ اس اثنا میں مصر کی رہائی کا لیے دونوں سلطنتوں کو مطلوبہ وقفہ ملجاوے گا۔ چنانچہ یہ تحقیقات دو برس میں ختم ہوئی اور تصور کیجئے جب سلطان کو یقیناً یہ امید کرنیکا حق تھا کہ جب آخر کار قطعی معاہدہ پیش ہوگا تو اسمیں ہماری حکومت کے قیام اور برٹش افواج کی واپسی کی پختہ اور محدود شرائط ضرور درج ہونگی۔ مگر برخلاف اسکے ان کو کیا معلوم ہوا؟ یہ کہ نہر سویز کی آزاد جہاز رانی کی عمدہ ترین مضبوطی کے لیے (جو آزادی سے پایہ ہے کبھی ذرا بھر بھی معرض خطر میں نہیں ہوئی) ایک مزید قول و قرار اور معاہدہ کیے جانے کے بعد بھی مندرجہ ذیل

فقرے معاہدے میں بڑھا دیے گئے ہیں:۔

(۱) چونکہ سوڈان کی حالت بے نظمی اور مصر میں پولیٹیکل حوادثات کے باعث تکالیف عائد ہونے کی وجہ سے کچھ عرصے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ سرحد کا استحکام اور مصر کے اندرونی امن و امان کے لیے معمولی احتیاط برتی جائے اس لیے ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ ملک کی جنگی حفاظت اور طاقت فوجی کی نگرانی و اہتمام کرے گی۔

(۲) اس مطلب کے لیے وہ مصر میں برٹش افواج کی ایک تعداد جو ضروری خیال کیجاوے رکھیگی اور مصری افواج کا معائنہ کرتی رہیگی۔ اور وہ شرائط جو واپسی برٹش افواج اور مصری افواج پر انگریزی گورنمنٹ کی نگرانی کے خاتمے سے متعلق ہیں۔ اس عہد نامے کے پانچویں فقرے کی شرائط کے مطابق پوری کیجاوینگی۔

اب وہ فقرے جو جلی عبارت میں ہیں کم از کم بالکل گول مول اور وسیع ہیں۔ اور برٹش گورنمنٹ کو ہر ایک طرح کے عمل کا اختیار دیتے ہیں۔ اور اس کو کسی خاص امر کے کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اور جو کہ سوڈان کی حالت بے نظمی کا ذکر کیا گیا سو وہ اس کے ماقبل کے دو سال کی حالت سے زیادہ بری نہ تھی جب کہ لارڈ سالسبری نے یقینا بیان کیا تھا کہ سلطان کی حکومت اور سلطان کی سپاہ بڑی خوبی کے ساتھ عمدہ انتظام اور امن قائم کر سکتی ہے۔ پھر ۱۸۸۷ء میں یہ ضروری کیوں خیال کیا گیا۔ کہ ابھی تک انگریزی سپاہ سرحد مصر کی حفاظت کریں۔ اور انگریزی افسر افواج مصر کی کمان کریں۔

فقرہ پنجم۔ جس کا حوالہ دیا گیا ہے فقرہ چہارم سے کچھ زیادہ اطمینان بخش تھا اس کے مطابق انگریزی افواج کو قابض رہنے کی اقل مدت تین سال قرار دی گئی تھی جس کے ساتھ یہ بھی ضروری شرط تھی کہ اگر کسی اندرونی یا بیرونی خطرے کے عائد ہونے سے خلو مصر کا التوا ضروری ہو جاوے تو وقت رفع خطرہ قابض رہیگی اور اس واپسی کے بعد بھی دو سال تک مصری افواج انگریزی نگرانی میں رہینگی۔ یہ باتیں ہی کچھ کم نہ تھیں مگر اس فقرے کے آخری حصے میں ایک ایسی شرط تھی جس کے باعث سلطان کو اس عہد نامے کا منظور کرنا بالکل ہی ناممکن ہو گیا تھا۔ اس میں یہ درج تھا کہ اگر کسی بیرونی حملے کا ڈر ہو یا اندرونی امن و امان میں خلل واقع ہو جاوے یا خدیو مصر اپنے شہنشاہ کے حقوق اعلیٰ یا اپنے معاہدوں کی وفاداری کو ادا کرنے سے انکار کرے تو عثمانی گورنمنٹ کو مصر میں فوجی قبضے کا اختیار ہوگا۔ مگر ساتھ ہی ایسی صورتوں کے وقت انگلستان کو بھی مساوی حقوق حاصل ہونگے۔

بہر حال یہ دونوں فقرے ہی اس بات کے لیے کافی تھے کہ بغیر اس قسم کی وجہ کے جیسے کہ فرانس نے دھمکی دی یا روس نے ایسا مشورہ دیا سلطان کے عہد نامے کی تصدیق کرنے سے انکار کر دینے کا باعث ہوں۔ ملکہ معظمہ کی گورنمنٹ نے اپنے سفیر کی واپسی کے وقت سے ایک ایسا رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جس سے مسئلہ مصر کو ایک ایسی بنیاد پر

سوا عملی حکومت سے زار کو نفرت ہو گئی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ بلگیریا میں قیام کر کے ایک جمہوریہ ریاست کی جانب
میں کوشش شروع کرتا۔ مگر جمہوری سلطنت نے صاف ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خاقانوں کے استعمال کی نسبت بہتر تیار رکھتے ہیں
انتظام میں بس بلگیریا کے لیے ایسا شہزادہ ہونا چاہیے جس کا انتخاب پر روس قطعی قابو رکھ سکے۔ اور جس کی پہلی
سلطنت قدم اسکی مہربانی سے شفقانہ مخالفت میں چلا جاوے (یعنی جو از سر تا پا روس کی متابعت میں چلا)
معاہدہ کے مطابق قرار دیا گیا ہے۔ بلگیریا میں نظم حکومت کا اجرا اور اسکی نگرانی دو سال تک شاہی روسی کمیشن کریگی اور
دفعہ ہشتم کی دوسری شرط قرار پائی کہ ترکی افواج نئی ریاست کے ہر ایک حصہ کو واپس ہٹا لیجاویں گی اور اس عرصہ میں روسی
افواج کے ذریعہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے کافی ہونگی کہ کل ہو جانے تک جس کی تعداد بعد ازاں عہد نامہ سے دونوں
فریق مقرر کرینگے۔ روسی افواج ملک پر قابض رہیں گی۔ اور ضرورت کے وقت کمشنر کو فوجی امداد دینگی۔ یہ قبضہ تخمیناً
دو سال تک رہیگا (اس معاملہ کو مبہم طور پر) (جہاں شرائط سے ظاہر ہوتا ہے) وجوہ بھی نہایت عجیب ہیں جنکو
پرنس گارچکوف نے اسطرح بیان کیا۔

"میعاد غیر محدود شرائط کے اسطرح غیر منضبط قائم کرنے کی یہ وجہ ہے کہ ان ضرورتوں کے لیے جو آئندہ پیش آویں۔
گنجائش ہے۔ بلگیریا کے عارضی قبضے کی دو سال میعاد صرف اسی لیے مقرر کیگئی ہے کہ یہ مدت امن و امان کو قائم رکھنے
مسلمان اور عیسائی اقوام کو آپس کے عناد و فساد سے محفوظ رکھنے۔ ملک کی آئین بندی کرنے اور قوانین کو
وضع کرنا اور روسی ملیشیا کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھی گئی ہے۔ اور نیز اس لیے کہ اگر میعاد قبضہ غیر محدود رکھی جاتی
تو یہ امر صوبہ پر قطعی قبضہ کر لینے کی ابتدائی کاروائی خیال کیا جاتا۔ جس کا خیال شاہی دربار کے کسی ممبر کے گمان میں بھی
کبھی نہیں آیا۔ یہ نہ کوئی ضرورت ہی ہے کہ میعاد تخمیناً رکھی گئی ہے کیونکہ شاہی دربار اس میعاد کو جہاں تک
ممکن ہو مختصر تجویز کیگئی ہے۔ اگر اس معاملہ کی کامیابی کو نقصان پہونچائے بغیر ممکن ہو تو حتی الامکان کم کرنے
کو تیار ہے۔ جیساکہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ روس کا مطلق ارادہ نہیں کہ بلگیریا کو روسی پولیٹکل سسٹم (نظم
ملکی) میں شامل کیا جاوے۔ ملک کی پرانی رسوم میں کوئی تغیر نہیں کیا جائیگا۔ صرف قانون کی شکل کرنیکی طرف
توجہ کیجائیگی جو ہمیشہ ایک صدی گزرنے پر صرف اسی لیے مقرر کیے گئے ہیں کہ قومی ترقی کی مخالفت کریں اور
پہلی بلگیرین کونسل کے انعقاد میں جو ریاست کی آئین بندی کی درستی کے لیے طلب ہوئی ہے سہولت
پیدا کریں۔"

عہدنامہ برلن کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات سے ڈپلومیٹسٹ (مدبر) کی مصلحت سادگی اور صداقت
سے زیادہ مجتمعہ پر رو کا اثر پیدا ہوا۔ جس کی کہ اسکو توقع تھی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنوبی حد کوہ بلقان مقرر
کیگئی اور روسی افواج کی میعاد قبضہ بجائے تخمیناً دو سال کے ۹ مہینے یعنی ۳ مئی ۱۸۷۹ تک محدود کی گئی

وہ گلادسٹن جنہوں نے بلگیریا میں روس کا رستہ صاف کیا تھا۔ جس خاص بلغاریوں کی جماعت کو سمجھتے تھے۔ جنہوں نے روس میں تعلیم پائی تھی۔ اور مذہباً بہ روسی خیالات میں بالکل روسی ہو گئے تھے۔ ان کے لیے روسی علم الادب ہی گویا کی کتابیں روسی رسم الخط میں۔ روسی تواریخ اور روسی علوم کا کام علم کتابت اور انجیر وغیرہ جو پڑھایا جاتا تھا ان کتابوں کا مدعا یہ سکھلانا تھا کہ جنوب مشرقی یورپ جب ترکی کی محکومی سے آزاد ہوگا تب ہی تمام سلاوی[۱] اقوام کا ایک بہت بڑا اتحاد زیر حکومت زار قائم ہو جاوے۔

قصہ مختصر روسیوں کا قبضہ نو ماہ پر محدود کیا گیا۔ اور روسی گورنمنٹ کو ساتھ ہی کہا گیا کہ جس وقت کہ کل روسی فوجیں رومیلیا میں سے گذر جاویں۔ اور ریاست بالکل خالی کر دی جائے۔

انگریزی لبرل[۲] جماعت مطلق العنان حکومت کی دیانتداری پر بشرطیکہ وہ مطلق العنانی کسی انگریز یا غیر مشرقی بادشاہ ہو کیسی ہی۔ جو بہت ہی یقین رکھتی ہے یہ کچھ تعجب خیز نہیں۔ مگر تاہم یہ بات پایا جاتا ہے کہ کانگریس کو بجز اس کے شبہ تھا کہ کیا بلگیریا کی آزادی ٹھیک آزاد ہوگی جس حالت میں کہ کارروائی کا سلسلہ افسروں کی زیر نگرانی ہو۔ اور قرعے کے صندوقوں پر روسی سپاہیوں کا پہرہ ہو۔ اور یہ خیال اور بھی پختہ ہو جاتا ہے جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ممبران کانگریس نے نشست کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سن لیا کہ بلگیریا کا روسی فوجی گورنر صوبے کے پولیٹکل اور مالی مستقبل کو مزید ذاتی دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تاہم واقعات ہند کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ روسی ایک جی کو مارنے کے لیے کھمبی کو اس کے حلق تک ٹھونس دینے کے علاوہ اور بھی کئی طریقے جانتے ہیں (یعنی اپنے مخالف کو صرف نرمی ہی سے نہیں ہلاک کرتے بلکہ اگر ضرورت پڑے تو سختی سے بھی مار ڈالتے ہیں)۔

شہزادہ الگزینڈر کے انتخاب سے پہلے روسی کمشنر نے بلگیریا والوں کو یہ ذہن نشین کرنے کا کوئی موقع فرو گذاشت نہ کیا کہ یہ ان کا دوست و مربی روس ہے نہ کہ یورپ اور یہ کہ ان کی آئندہ بہتری اور خوشحالی کی اصلی امید اس بڑی بادشاہت کی ہمدردی و حفاظت پر موقوف ہے جو کہ ان کی آزادی کا بانی ہوا ہے۔ نہ کہ قومی انگلستان پر۔ مگر انکی

---

[۱] روسی۔ بلغاری۔ سرب۔ رومانی۔ جبل اسود کے ساکنین سلیو قوم میں سے ہیں۔ یہ قوم تاتاری النسل ہے۔

[۲] انگلستان کا لبرل فریق اور اسکے لیڈر مسٹر گلیڈسٹون ڈیوک آف آرگائل وغیرہ گو اپنے ملک کی نیم خود مختار شاہی حکومت کو ہی بہتر سمجھتے اور ایک طرح کی تقریباً جمہوری حکومت کے قائم ہونے کو پسند کرتے ہیں مگر روس کی اشد خود مختار اور نہایت ہی سفاکانہ حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ شہزادے صاحبان بے ایسی مدح و ثنا کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

روم ایلیا میں ان روسی سازشوں کا نوٹس لینا پڑتا رہا جو عہد نامہ برلن کی پالیسی کے برخلاف اور عہد نامہ سین سٹی فانو کی پالیسی کے مطابق تھیں چنانچہ حضور ممدوح نے باقی دول کو مطلع کر دیا کہ روس کی ان زبردست ستمگری کے باعث انہیں مشرقی مسئلہ کا پھر دوبارہ انجھیڑا کرنا پڑیگا۔ یہ ایسی پیشگوئی ہے کہ اثنائے تحریر کتاب میں بھی پیچھے ہر دن اور ہر راستے اسکے پورے ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ نئے صوبے کو بالکل روسی بنانے کی کوشش بلاشبہ اوسی اچھی طرح ظاہر ہو گئی۔ جبکہ پرنس الگزینڈر نے اپنے آپ کو ایک روسی جرنیل کے ہاتھ پر چھوڑ دیا۔ اس جرنیل کا نام اب پھر معاملات بلگیریا میں نمودار رہا ہے جو جرنیل زناتھ کی تجاویز کے مطابق سب سے پہلے ایک کونسل آف سٹیٹ قائم ہو گئی۔ جو ایسے اجنبیوں سے جو سلیوز زبان بول سکتے تھے مشتمل تھی اس کے بعد تمام ریاست میں روسی افسروں کو بطور جنگی کمشنروں کے مقرر کیا گیا۔ اور اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس وقت شہزادہ نے اپنے آپکو۔ اس مضبوط تعلق کا جو روسی قوم کو باشندگان بلگیریا سے وابستہ کرتا ہے مؤید و حامی کرنے کی ٹھان لی تھی۔

پرنس کی یہ وضع آخر کچھ ایسی نمایاں اور عجیب ہو گئی کہ سلطان المعظم کو کل دول کے نام ایک زبردست یادداشت روانہ کرنی پڑی جس میں انہوں نے مفصلاً ان امور کی تشریح کی ہے۔ جن میں بلگیرین گورنمنٹ نے عہد نامہ برلن کی ذمہ داریوں سے قدم بقدم علیحدہ ہونے کی کوششیں کیں۔ یادداشت میں یہ بھی جتلایا گیا کہ بلگیریا میں مسلمانوں کی نہ تو جائداد محفوظ ہے اور نہ انکا مذہب۔ اور نہ مسلمانوں کو پبلک کاموں کے اہتمام و نگرانی میں جو کہ ان کا حق ہے کسی قسم کا دخل دیا جاتا ہے۔ اور ترکی تجارتی گماشتوں کے تقرر کی نہ تو اجازت دیجاتی ہے اور نہ اگر انہیں بطور خود مقرر کر کے بھیجا جائے تو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سلطان المعظم نے مسلمان نقل وطن کرنیوالوں کی تباہ حالت کی طرف بھی توجہ دلائی جن میں بہتیروں کو معاوضہ ابتک نہ ملا تھا۔ اور جن میں گو اکثر بلگیریا کو واپس چلے گئے۔ مگر اب تک اپنی جائداد سے محروم اور فقیری کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ یورپ میں اس انصاف پسندی کی اپیل پر ختم ہوا جس کا زور شور بابعالی نے یورپ کے ساتھ تعلقات رکھنے میں سنا تو بہت تھا مگر پایا بہت کم۔

اعلیحضرت سلطان المعظم کا یہ مراسلہ بے اثر نہ رہا۔ دول یورپ نے پرنس الگزینڈر کو عہد نامہ برلن کی شرائط کی ٹھیک ٹھیک بجا آوری کی کافی طور پر تاکید کی۔ اُسے جتلایا گیا کہ بابعالی نے کافی اور قاطع شہادت سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ بلگیریا کی گورنمنٹ نے اپنی مختلف مذاہب کی رعایا کے ساتھ منصفانہ طریق پر برتاؤ نہیں کیا۔ آخر میں اُسے جتلایا گیا کہ اس کا تاج و تخت اسی پر منحصر ہے۔

اس فہمائیش کے بعد الگزینڈر روسی حمایت سے خواہ مخواہ معلوم کر کے کہ یہ طرفداری صرف اپنی آزادی کھو کر

غرض میں حائل ہوتی ہو کچھ بیزار ہو گیا ہو خواہ آسنے یہ خیال کیا کہ دول متحدہ صرف زبانی ہی جمع خرچ
پر بس کر لیں گی اور یورپ کا ستارہ بھی فی الحال کچھ نہ کچھ زوال پذیر ہو گیا کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ
اس وقت آپنے کارروائی میں ایک آزادانہ رویہ اختیار کر لیا جس میں اسے اسمبلی کے معزز ممبروں کی ایک کافی
تعداد سے مدد ملتی رہی۔ پالیسی کے اس تغیر کا یہ سوء نتیجہ پیدا ہوا کہ ملک میں ایک معتدبہ پولیٹیکل
حرکت و تحریک پیدا ہو گئی۔ سیاست کے لبرل فرقے نے اس تحریک کو بہت تقویت دی۔ اور تمام ملک
بھر میں صاف صاف روس کے مخالف خیالات ظاہر ہونے شروع ہو گئے مگر اس پولیٹیکل تحریک سے
پولیٹیکل تغیر بھی واقع ہونے شروع ہو گئے۔ اور ساتھ ہی خفیہ سازشیں میں کمزوری اور ضعیف پسندی
بھی پائی گئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۸۸۶ء میں پھر سلطان اعظم نے کل دول عظام کو مخاطب کیا اور آئندہ
ایک دفعہ پھر عہدنامہ برلن کی حرف بحرف تعمیل کرانے کی تاکید مزید کی۔

اعلیٰحضرت سلطان نے پرنس الگزینڈر کی بعض حال ہی کی سپیچوں کی طرف انکو توجہ دلائی جن میں انہوں نے
ایسے خیالات ظاہر کیے تھے جو بلغاریہ کی نسبت سلطنت کی وفادارانہ تسلیم کے برخلاف تھے۔ اور آخر میں حضور
ممدوح نے دستخط کنندگان معاہدہ برلن کی مداخلت نہ کرنے کی پالیسی اختیار کرنے پر سخت اعتراض کیا جس سے انہوں نے
بتا دیا کہ رفتہ رفتہ بلغاریہ میں اور مشکلات پیدا ہو جائینگی جن کا نتیجہ ایک سخت پیچیدگی ہوگی۔ اور وہ پیچیدگی
آخرکار لڑائی پر ختم ہوگی۔ مگر دول نے شاید خیال کیا کہ وہ ایک سیدھے سادے ترک کی نسبت حالات
سیاستکا کو بہتر جانتی ہیں۔ اور خاموشی اختیار رکھی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ ۱۸۸۵ء میں بلغاریہ میں بیکایک غدر
اٹھ کھڑا ہوا پیدا ہو گیا کہ پرنس نے اپنے آپکو اس عام جوش کے دریا میں بہہ جانے کو چھوڑ دیا اور ایک ایسا کام کیا
جس سے آخرکار وہ اپنا تخت کھو بیٹھا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مشرقی رومیلیا نے بغاوت کر کے اسکو حکومت ترکی
بلغاریہ کے ساتھ اس شرط پر کہ بھی ایک ہی حکومت میں ملا لیوے۔ آپنے اس امر کو قبول کر لیا۔ اور یہاں تک کہ
اس نے کل آبادی کی خواہش کے برخلاف نہ چل سکنے کے باعث بلقان کے دونوں جانب کے متحدہ ممالک کی حکومت
اختیار کر لی ہو۔ مشرقی رومیلیا کو بلغاریہ سے ملا لیا۔ اس نازک موقع پر عبد الحمید کی پالیسی پر جس جس پولیٹیکل
مشکلات سے بچنے کے متعلق انکی عمیق دوراندیشی اور قابلیت کو صاف صاف ثابت کر دیا۔ برلن کانگرس
میں انہوں نے کل بلغاریہ کو خود مختار ریاست بنائے جانے کی مخالفت اس لیے کی تھی کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ
اسکا صرف ایک ہی نتیجہ ہو گا یعنی کہ روسی پروگرام اور مدعا کی عین کامیابی۔ چنانچہ انکی مخالفت کامیاب ہوئی
اور بلغاریہ کا جنوبی ملک انکے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر اب صورت بالکل ہی بدل گئی تھی۔ بلقان کے جنوب
و شمال دونوں طرف علانیہ روسی سازش اور فضیلت سے تنگ و مضطر ہو گئی تھی۔ پرنس الگزینڈر نے

(آزادی کی) امیدیں اسی طرح میابی ہوئی جو لڑائی میں فتح پانے سے بھی حاصل ہوتی۔ بماہ اپریل ۱۸۸۶ع وہی زرت
خیرت الگزینڈر کو ایک مسلح گروہ نے گھیر لیا اور اسکی چھاتی پر پستول رکھکر اس سے تحریری دستبرداری تخت و تاج
تخت پر جبراً دستخط لیے۔ اور پھر اسے قیدی بناکر سرحد پار لے گئے۔ روس نے حسب معمول اس سازش کا کرنی کا علم
یا اس سے کسی طرح کا لگاؤ ہونے سے مطلقاً انکار کیا۔ مگر ویسے ہی جیسے پال مال گزٹ کے ایڈیٹر یا لندن سے باہر
کوئی شخص بھی اس انکار پر یقین نہ کرتا تھا۔ اور اس سینہ زوری کے برخلاف غصہ کا جوش کل یورپ میں اس زور پر تھا
کہ اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ اگر الگزینڈر اپنے آپکو پھر آزاد پاتا اور اپنی رعایا کی طرف چلا آتا تو اکثر دول عظام اسے مدد
دیتیں اور وہ پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ تخت پر متمکن ہو جاتا۔ مگر اس نے وہ مستعدی اور مستقل مزاجی دکھائی
جو اس سے روسیوں کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کے موقع پر ظاہر ہوئی تھی۔ وہ ہچکچاتا اور رکا رہا۔ اور قیمتی وقت کو ہاتھ سے
گذر جانے دیا۔ اور آخرکار جب وہ بلگیریا کو واپس آیا تو اس نے اپنی اس دوسری آمد کو زار کی طرف ایک
ایسا خط لکھنے سے ذلیل کیا جو ایسے خوشامدانہ اور غلامی کے لفظوں میں تھا کہ کل یورپ نے یکلخت اس کا خیال
ترک کرنا چھوڑ دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مشرقی شطرنج کی بساط سے غائب ہو گیا۔

اس دن سے لیکر آج تک یہ صوبہ جسنے برلن کانگرس کے سفرا کی توجہ کو اسقدر اپنی طرف مبذول کیا اور جس کی
بہتری کے لیے دس سال ہوئے کل دول عظام نے بقدر مقدور اظہار کیا تھا۔ ایسا منظر پیش کر رہا ہے جس پر انسان
اور فرشتے روئیں۔ تو بجا ہے۔ اور جن نظر سے اس نصیحت کی مدبرانہ عقلمندی کے قاطع ثبوت مہیا ہیں جو ہم
کو متواتر کیے ہوئے فائدہ اس ایک شخص (یعنی سلطان الغازی عبدالحمید خان ثانی) نے پیش کیا ہے جو اس تقریر کی
ضروریات کا بھی علم رکھتا ہے۔ پرنس الگزینڈر کی آخری اور ذلیل روانگی کے بعد مہینوں تک بلگیریا کا قائم مقام حاکم
اشتہار دیتا رہا کہ کوئی شخص آوے اور آکر حکومت کرے۔ چنانچہ بعد انتظار بسیار سال گذشتہ (۱۸۸۷ء) کی جولائی میں
ایک شہزادہ مسمی فرڈینینڈ آف کوبرگ نے جو کبھی ختم نہ ہونیوالی جرمنی کی ٹیوٹانک شاہی خاندان کا ایک ممبر ہے اس
عہدہ کو بہ شرط منظوری دیگر سلاطین * قبول کیا۔ مگر یہ منظوری اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ معلوم کرنے کیلیے
کسی تیز نظری پولیٹیکل فراست کی ضرورت نہیں کہ بہت ہی جلد بلکہ شاید اس شمارہ کے جب کرنے کے زیر طبع ہی ہوں
شہزادہ کوبرگ بھی بیٹن برگ کے پیچھے پیچھے کسی نامعلوم جزیرہ بارکی تاریکی میں جا گھسیگا۔ فقط ایک نصیحت اسکو آکر مختصر
دیتی کہ فرڈینینڈ اور ست بہت ہی پرانا ہے معلوم ہوا جب کہ اسنے یہ کہا ہے کہ اگر میں اپنی ہی منشا کے مطابق چلنا چاہوں تو
میں فوراً قوم بلغاریہ کا خیال چھوڑ جاؤں اور اسکی کامل مختاری کا اعلان کر دوں۔ لیکن ایک منتخب شدہ بلگیرین
شہزادے کو عہدنامہ کی عزت کرنی ضروری ہے۔ اور یہ عزت اسکی حکومت کی مضبوطی اور بلگیرین رعایا کی

* شہزادہ موصوف کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا۔ یہ شہزادہ اب تک بلگیریا کا فرمانروا ہے اور سلطنت روم و سلطان المعظم
اور دیگر سلاطین یورپ نے بھی اسکو بادشاہ بلغاریہ یا والی بلگیریا تسلیم کر لیا ہے بلکہ ۱۸۹۸ء میں بلقان و بلگیریا کا حاکم

خوشحالی کا موجب ہوگی۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اوسے دلی منشا یہ جانا مادہ کیونکہ اس نو عہدنامہ کا
کوئی مطلقاً نہیں کیا اسکی حکومت کچھ بغیر ظ بنا پر قائم نہیں اور نہ ہی اسنے بلگیریا قوم کو کسی طرح مرفہ الحال بنایا
ہے اور بعض نے ایک ہی سوال ہے جو اسکو بارہ میں پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ بلگیریا میں کتنی مدت اور بھی رہیگا؟

اس معاملہ میں سلطان کی وضع بہت صاف اور مضبوط ہے۔ جنوب مشرقی یورپ کی بدانتظامی کا مکمل علاج
برلن کانگرس میں تجویز کیا گیا تھا اور اس عہدنامے کے دستخط کنندگان میں سے ایک ہونیکے باعث سلطان عبد
الحمید اس معاہدہ کی مادہ کو ٹھیک ٹھیک عمل میں لانے کو تیار ہے۔ اگر بدانتظامی دور نہ ہو تو اس علاج کا قصور ہے سلطان نے
اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ کل سلطنتوں میں سے جن کو وکلاء نے بذریعہ دستخط اس عہدنامے پر کیے صرف روس نے
ہر ایک شرط پر پورا عمل کیا ہے اور وہ ایسا جا طور پر پرنس بسمارک کے الفاظ کی طرف جو جولائی ۱۸۷۸ء میں کہے گئے
تھے توجہ دلانے کی درخواست کر سکتا ہے۔

جب عہدنامے کی تیسری دفعہ زیر بحث تھی تو اسکے کافی ہونے پر چند ممبروں کو شبہ پڑا اور انہوں نے کسی آئندہ
زمانہ کے لیے تخت کو خالی ہو جانے کی صورت میں اس اتفاقی ضرورت کے پیدا کرنے کی کسی کافی اور وافی تجویز سوچ رکھنے
کی خواہش کی تب پرنس بسمارک نے یہ کہا تھا یہ کانگرس کا منصب نہیں کہ تمام مشکلات کے لیے چارہ جوئی تجویز کرے
اگر بلگیرین قوم نا اتفاقی یا بے قابلیت کے باعث اپنے قوانین کو نہ چلا سکیگی تو اسوقت یورپ کو ضرور
مشورہ کرنا پڑیگا مگر یہ مشورہ پیچھے کو اور صرف جب کہ ایسا وقت آ پہنچے کیا جاویگا۔

وہ وقت آ گیا ہے۔ بلگیرین قوم کی نا اتفاقی یا نا قابلیت سے نہیں بلکہ روس کی بے ایمانی اور دل [illegible]
ظالمانہ پالیسی کے باعث یہ نئے قوانین "کبھی نہیں چلینگے"۔ اب کیا یورپ مشورہ کریگا؟ اگر وہ ایسا کریگا تو اسکے
غور و فکر کے صرف دو ممکن نتیجے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ صوبہ پھر براہ راست سلطان کی حکومت اور قبضہ میں
دیا جاوے۔ اس فیصلے کی تائید میں وہ عملی ترقی پیش کیجا سکتی ہے جو برخلاف اس تباہی، بے امنی اور نا اتفاقی کے جو
اس نئی سرکاری گئی خود مختار حکومت (یعنی بلگیریا) میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے کی ہے جو سلطان کی براہ راست
حکومت میں رہنے دیے گئے ہیں۔ ایسے فیصلے سے کم از کم یورپ میں امن عامہ تو ضرور قائم ہو جائیگا کیونکہ اس
فیصلے سے بلگیریا کی حکومت یورپ کی ایک نہایت ہی کم حریص اور بہت ہی کم غاصب طاقت کے ماتحت ہو جاویگی
اگر مصیبت کے وقت مستقل مزاجی معاہدوں پر وفاداری سے قائم اور ہتک آمیز بدگمانیوں ملنے پر صابر رہنا معزز
طاقتوں کی رائے میں پسندیدہ اور قابل سفارش اوصاف ہیں۔ تو بیشک عبد الحمید کی بڑی فراخ حوصلگی کی
پوری تائید کریگی۔ مگر افسوس برعکس اسکے ہم پایا تو یہ جاتا ہے کہ ایسی خصائل سے صرف دوسروں میں حقارت سے دیکھنے
گستاخی کرنے اور زیادہ غاصب بننے کی جرات پیدا ہو گئی ہے۔ اور اگرچہ ایسے فیصلہ سے بلگیریا اور کل دنیا کو وہ سب فوائد

خلل کی وجہ تخت سے علیحدہ کیے گئے اور انکا چچا زاد بھائی سلطان مراد تخت نشین ہوا۔ جو اس تاریخ سے پانچ دن پہلے خود اپنے کمرے میں مارے ہوئے پائے گئے اور ان کے بازو پر ایک شدید زخم پایا گیا۔ یہ امر تو مسلمہ ہے کہ شہنشاہ مرحوم دماغی اور جسمانی قوتوں میں کمزور ہو گئے تھے۔ اور اسکی وجہ کاش دوسری فکر اور بار کو جو ان پر پڑا ہوا تھا نہیں ہٹا سکتے تھے اور جس سے یہ خوف ہو گیا تھا کہ وہ کہیں وسکا ہی یا کھو نہ بیٹھے۔ مگر کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوا کہ وہ درحقیقت ایسے ہی مجنون ہو گئے تھے کہ خودکشی کر بیٹھے۔ تاہم انکی علیحدگی اغراض مملکت کیلیے ضروری ہوگئی تھی۔ اسی لیے وزیروں نے انکے جنون کا بہانہ رکھ لیا تاکہ یہ امر دنیا کو جائز معلوم ہو۔ سلطان مراد کے تخت نشین ہونے پر یہ امید لگائی گئی تھی کہ وہ اپنے آپکو ایک لائق حکمران ثابت کرینگے مگر چند ہی ہفتے گذرنے پر یہ معلوم ہو گیا کہ وہ بھی اس بھاری بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے جس کا اس نازک وقت میں برداشت کرنا عثمانی شہنشاہ کو ضروری اور لازمی ہو رہا تھا۔ اسی لیے وزیروں نے صلاح کی کہ اس فرمانروا کو بھی معزول کر دینا چاہیے اور شیخ الاسلام (مذہب اسلام کے مذہبی مقتدا) سے جازت حاصل کر کے سلطان مراد کو بڑی آسانی سے معزول کر دیا۔

اس کے بعد کونسل میں یہ قرار پایا کہ تاج و تخت سلطان مراد کے چھوٹے بھائی عبد الحمید آفندی کو پیش کیا جاوے اور ان سے درخواست کیجاوے کہ سلطنت کی اہم اغراض سیاسی اس کی مقتضی ہیں کہ وہ تخت قیصری پر جلوہ افروز ہوں اور سیف عثمانی کو زیب کمر کریں مگر تاج و تخت کو وہ شخص جس کی خدمت میں یہ پیش کیا گیا کسی طرح پسند کرتا تھا عبد الحمید آفندی برسوں کی تنہائی میں تدبر و تحقیق کے عادی ہو گئے تھے اور اب اس گوشہ تنہائی کو سلطنت کی خاطر تاج کی پروا نہ چاہتے تھے۔ انہوں نے زور دیا کہ میرے بھائی کو اور موقع دیا جائے تا وقتیکہ حکمرانی کرنے میں اسکی قابلیت بخوبی ثابت نہ ہو جائے مگر جب یہ امر بوضاحت ثابت ہو گیا تو انہوں نے بڑی مشکل سے اس درخواست کو قبول فرمایا اور ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء کو اپنے بزرگان عالی شان کے تخت پر ان بڑے نامور اور لائق بادشاہوں میں سے جو سلطنت عثمانیہ میں ہو گزرے ہیں ایک حکمران ہے جو اپنے آپکو ایک ظاہر کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوئے

اعلیٰحضرت امیر المومنین خلد اللہ ملکہ کی پیدائش ۲۲ ستمبر ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔ انکی* والدہ ماجدہ کشمیری تھیں جو انکے پیدا ہونیکے تھوڑی ہی عرصہ بعد عالم آخرت کو سدھار گئیں اور خورد سالی میں انکی تعلیم و تربیت سلطان عبد المجید کی دوسری حرم محترمہ کے سپرد کی گئی جو خود لاولد تھیں وہ بچہ کا اور بچہ کی بڑی عورت تھیں انہوں نے بے اولاد ہونیکی وجہ سے بڑی محبت سے پالا اور نہایت ہی لطف و محبت سے خود جیسے وقت سے حفاظت کی۔ انکا پہلا اتالیق مصطفیٰ آفندی مرحوم تھا پھر کمال آفندی انکا اتالیق مقرر ہوا جو مغربی تعلیم سے پورا ماہر تھا۔ گو شروع سے امیر المومنین کو انکی خورد سالی میں نہایت ہی عمدہ مشرقی تعلیم دی اور ساتھ ہی ساتھ مغربی خیالات بھی انکے ذہن نشین کرا تا گیا۔ انہوں نے عربی

* اعلیٰحضرت کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک تھا۔

اور فارسی میں بڑی جلد کمال حاصل کر لیا اور تواریخ اور جغرافیہ کو بڑے شوق سے پڑھا۔ مگر یورپ کی کل زبانوں میں عموماً
اور فرانسیسی میں خصوصاً انہوں نے بہت کم ترقی کی چنانچہ اس وقت بھی اگرچہ وہ ان زبانوں کو سمجھ لیتے ہیں مگر بول نہیں
سکتے۔ بچپن ہی سے وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ زیادہ ربط رکھتے تھے اور بچپن ہی سے ان میں سنجیدگی کی علامات پائی
جاتی تھیں۔ اور کم گوئی اور شرمیلے پن میں مشہور تھے لیکن ساتھ ہی انکی طبیعت میں فہم و فراست اور ذہانت و ذکاوت
کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور غور و فکر کی عادت بچپن ہی سے پڑی ہوئی تھی۔ اور چونکہ انہوں نے مادرانہ الفت و محبت
کا مزہ ہی نہ چکھا تھا اور والد بھی انکی گھاتی غور و پرداخت نہ کرتے تھے۔ اسی لیے وہ اوائل عمر ہی سے بالکل تنہائی میں
بسر اوقات کرتے اور دوسرے بچوں کی طرح آسایش و آرام اور کھیل کود سے بالکل الگ رہتے جوانی کے وقت بھی وہ سیر و تماشے
میں کبھی شامل نہ ہوتے اور اپنی آمدنی اور خرچ میں ایسی احتیاط سے کہ تخت نشینی کے وقت تک انہوں نے ساٹھ ہزار پونڈ
یعنی ۹ لاکھ روپیہ جمع کر لیا ہوا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں وہ اپنے چچا سلطان عبدالعزیز مرحوم کے ساتھ یورپ کی
سیر کو گئے اور جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں پیرس۔ لندن اور وائنا کی اس سیاحت نے انکے خیالات کو وسیع
کرنے اور علمی لیاقت بڑھانے میں بڑی مدد دی۔ اور جونہی وہ قسطنطنیہ میں واپس آئے۔ اپنی تعلیم کی کمی کو پورا کرنے کی
خواہش ان کے دل میں بڑے زور سے پیدا ہو گئی۔ اور مطالعہ اور کتب بینی میں بڑی محنت سے مصروف ہو گئے اور
ساتھ ہی انہوں نے علم موسیقی کا بھی کچھ شغل رکھا مگر پہلے کی طرح اب بھی وہ کبھی سوشل (اجتماعی) تقریبوں یا
تماشوں میں ہرگز شامل نہ ہوتے۔ بلکہ کسی قسم کا شکار تک بھی نہ کھیلتے تھے۔ پرنس مراد دو روز گدی کے بعد اپنے چچا
سلطان عبدالعزیز کے ظالمانہ طریق سے قتل کیے جانے کی خبر سنکر انکے دل کو سخت صدمہ پہونچا۔ اور جب ان کا
بھائی مراد تخت نشین ہوا تو سب سے پہلے اعلیٰحضرت ہی نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور صرف اسی وقت ان کی
کیرکٹر کی طبعی قوت اور طاقت نمایاں ہوئی۔ جب کہ سلطان مراد دماغی کمزوری کے باعث معزول کیے گئے۔ اور
یہ تخت قیصری پر جلوہ افروز ہوئے شاید اس سے پہلے یہ خود بھی اس مخفی قوت سے جو انمیں نہاں تھی بے خبر ہوں۔
اس کے ظاہر ہونے کے لیے موقعہ اور وقت کی ضرورت تھی کیونکہ عنان سلطنت کو ہاتھ میں لیتے ہی ہمارے حسین
کم گو مطالعہ میں مستغرق۔ تنہائی پسند عزلت نشین شہزادے نے وہ مستعدی چستی اور لیاقت خداداد ظاہر کی کہ وہ اشخاص
بھی جو بچپن سے لیکر اس وقت تک انکے حالات سے پورے واقف تھے۔ حیران و ششدر رہ گئے۔

ترکی تواریخ کے ایک نہایت ہی تاریک زمانے میں ان کو عثمانی سلطنت سنبھالنی پڑی۔ گورنمنٹ نے اس سے
تھوڑا ہی عرصہ پہلے اپنے آپکو بالکل دیوالیہ بنا دیا ہوا تھا۔ فینانس بالکل بربادی کی حالت میں تھا۔ اور ملکی حیثیت

---

* وہ حرم خاص کے محلات میں صرف ترکی زبان [illegible] تاتاروں کے حرم میں بولی جاتی ہے۔

* سلطان عبدالعزیز بھی انکو بہت محبت کرتے تھے۔

ہر ایک اہم ملکی معاملے میں سلطان عبد الحمید کی ذاتی رائے سے ایک بہت بڑا اور قطعی اقتدار حاصل ہوگیا ہے جو آئے دن بڑھتا جاتا ہے۔ مگر اسکے متقدمین کے برعکس بالکل ہی مختلف قسم کا ہے۔ یہ مطلق العنان یا سلطان مزاجوں کی سی مداخلت نہیں جو عارضی تلون مزاجی خفیہ مشورہ یا پوشیدہ دباؤ کا نتیجہ ہو۔ بلکہ یہ مداخلت سلطان کی بیدار مغزی تمام امور سلطنت پر ہر ایک قسم کی آگاہی قدرت حاصل کرنے اور پھر اس آگاہی کی بنا پر اپنی رائے قائم کرنے کی باقاعدہ کوشش ہے وہ کدورت جو شروع شروع میں اُسکے دل میں ان وزیروں کی پیدا ہو گئی تھی۔ جنھوں نے ماقبل حکومت کے ایام میں بہت کچھ چالاکیاں کی تھیں پوری واقفیت ہو جانے پر بالکل دور ہو گئی اور وہ تعلقات جو اسکے اور ان کے درمیان قائم ہو گئے ہیں عجیب ہی قسم کے ہیں۔ صدیوں کے قواعد و آداب کے مطابق سلاطین باقی کل دنیا کی طرح اپنے وزیروں کے ساتھ بھی بہت کم خلا ملا رکھتے تھے۔ مگر موجودہ سلطان نے اس تنہا رہنے کی بندشوں کو توڑ دیا ہے وہ ان کو اپنے حضور میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور کونسل میں معاملات پر بحث کرتا ہے اسنے حال ہی میں تجارت و حرفت کو ترقی دینے۔ زراعتی مدارس کھولنے اور آزمائشی زراعتی فارم قائم کرنیکی بڑی خواہش ظاہر کی ہے (اسکی یہ خواہش پوری ہوگئی) اسنے اپنی ذاتی خدمات کے لیے اُن افسروں کو منتخب کیا ہے جنھوں نے یورپ میں تعلیم پائی ہے اور جو نہ صرف ان زبانوں ہی کو بول سکتے ہیں بلکہ یورپ کے مہذب ملکوں کے بڑے بڑے اعلےٰ خیالوں سے بھی واقف ہیں۔

اندرونی اصلاحات کے لیے میں اس مقبول و محبوب بارگاہ الٰہی کی کل خواہشیں بفضل ایزدی پوری ہو گئی ہیں سب سے پہلا امر جسکی اصلاح ضروری تھی صیغہ مال تھا جو نہایت ہی ابتر اور تباہی کی حالت میں تھا خصوصاً کے وقت ہو لیکر جس نے انقلاب کے بعد فرانس کے خزانہ کو دیکھا آجتک کسی انسانی نظر نے ایسا مایوس کن اور بے سروپا منظر پیش نہ آیا تھا سلطان معظم کے حکم سے سرکاری کمیشن تحقیقات کے لیے مقرر ہوئی جس میں خفیہ غبنوں اور خیانتوں کی ایسی واردات ظاہر ہوئیں جو کسی مشرقی ملک میں بھی آجتک نہ پائی گئی تھیں۔ انکو معدوم کرنے کے لیے نہایت ہی عمدہ مالی پالیسی اختیار کی گئی جسکے مفید اور کار آمد ہونیکی اس سلطنت علیا کی موجودہ مرفہ الحالی اور صیغہ مال کی روز افزوں ترقی اور خوشحالی کافی شہادت ہے۔ خزانہ کی درستی کے بعد دوسرا امر قزاقی کو روکنا تھا جو سلطنت روم میں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے بڑی مستعدی سے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قزاقوں کی گرفتاری اور انکی بیخکنی کی کارروائیاں بڑی تیزی سے جاری ہیں جن کا نتیجہ صاف نظر آ رہا ہے ان کارروائیوں کے چند سال اور اسی طرح جاری رہنے سے تمام ممالک محروسہ سے قزاقی کا نام و نشان تک مٹ جائیگا۔ اور ٹرکی کی مالی حالت اور روم کی خوشحالی دن بدن بڑھتی چلی جائے گی۔

صرف یہی ترقیاں نہیں جو اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید کے عنان حکومت کو ہاتھ میں لینے کے وقت

نوٹ ترکی کی مفصل تاریخ کے لیے دیکھو کتاب ٹرکی کی موجودہ ترقیات۔

سے ہو گئی ہے۔ ان کی خاص ذاتی نگرانی میں سلسلہ تعلیم اپنے اعلیٰ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ اور صرف لڑکوں کے
لیے ہی نہیں۔ بلکہ تعلیم نسواں نے بھی جو انکے ظل حمایت میں ترقی کی ہے وہ مجملہ سے کم نہیں۔ ابتدائی تعلیم لازمی
کر دی گئی ہے۔ اور ہر محلہ و بستی کے واسطے ضروری ہو گیا ہے کہ اس میں ایک مدرسہ ایسا ضرور ہو جس میں تعلیم مفت
دی جاتی ہے۔ اور علاوہ قرآن مجید کے جدید علوم و فنون کی تعلیم دی جائے۔ یہ کہنا شاید ضروری نہیں ہے کہ اعلیٰ
حضرت کو اس بارے میں سخت مستعد خفیہ الفتنوں سے سابقہ پڑا اور اسی وجہ سے ملک کے مدرسوں نے جتنے
کافی ترقی نہیں کی۔ اسکے مطابع بھی اعلیٰحضرت کے خاص ظل عاطفت میں لیے گئے ہیں۔ اور خاص سرکاری
مطبعے میں حکم شاہنشاہی کے مطابق یورپ کے علوم و فنون اور سائنس کی کتابوں کے ترجمے
برابر ہوتے رہتے ہیں۔ ایران کی حکومت ہائے سابقہ میں یہ جرأت کہاں تھی۔ سلطان المعظم کو ہر وقت یہی
فکر لگی رہتی ہے کہ انکی رعایا کی علمی اور دماغی لیاقت اعلیٰ درجہ تک پہنچائی جاوے۔

اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید کی اصلاحیں صرف یہیں پر ختم نہیں ہو گئیں۔ فوج کا از سر نو ترتیب کرنا
اور اسکو باقاعدہ تعلیم دینی سخت ضروری تھی۔ اور انہوں نے اس معاملے میں بھی ویسی ہی دلچسپی اور مستعدی سے
کوشش کی جیسی کہ دوسرے محکموں میں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج روم کی فوجی حالت درجہ کمال کو پہنچ گئی
ہے اور وہ ایسی عمدہ اور باقاعدہ ہے۔ کہ امپراطور ولیم ثانی شہنشاہ جرمنی کی زبان بھی جو جنگی امور کے
مبصر و مستند اہل الرائے ہیں۔ انکی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہے۔ ریلوے کا سلسلہ بھی بہت کچھ بڑھایا گیا ہے
اور ایشیا میں کئی نئی لائنیں زیر تعمیر ہیں۔

ان سب کاموں میں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ سلطان المعظم عبد الحمید خاں ہی بذات خاص مستعد
اور مصلح قوت ہیں۔ ان کے وزراء صرف حکم کے بندے ہیں۔ جو سلطان المعظم کے براہ راست احکام و ہدایات پر
کاربند ہوتے ہیں۔ اور جو اکثر پرانے خیالات کے آدمی ہوتے ہیں بیشک یہ اعلیٰحضرت کیلئے ایک خوشی ہے کہ
اپنی رعایا کی بہتری میں گو وہ بذات خاص بحیثیت مجموعی کیسے ہی گرمجوش اور مستعد ہیں۔ مگر ان کے وزراء
دوسرے حکام تحت میں ایسی گرمجوشی اور مستعدی نہیں پائی جاتی اسی لیے صوبجات بعیدہ میں تہذیب اور
شائستگی کی ویسی ترقی نہیں ہوئی جیسی کہ ان علاقوں میں ہوئی ہے۔ جو اعلیٰحضرت کی خاص ذاتی
نگرانی میں ہیں۔ یہ بات قریب قیاس ہے سلطان المعظم بڑے ہی رحمدل شہنشاہ ہیں۔ اور یہ عام مسلم امر ہے کہ تخت
نشین ہونے سے لیکر آج تک انہوں نے صرف ایک ہی فرمان قتل پر دستخط کیے ہیں۔ انہوں نے ایک طرح سے تو
سنگین سزا موقوف کر دی ہے کیونکہ ایسے مجرموں کی قسمت کا فیصلہ وہ بذات خود فرماتے ہیں۔
اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ روم کی بدانتظامیاں خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں غلط بیانیوں اور افترا

جیسا کرنے کے لیے ایک اور بہت بڑی جماعت متعین ہے۔ اینڈ میں اکثر اونٹوں پر لادا جاتا ہے اور کچھ کشتیوں کے ذریعے ترکی روٹی بڑی موٹی گول گول ملائم اور شیریں خوش ذائقہ اور ہر طرح سے نہایت ہی عمدہ ہوتی ہے اور خاصکر وہ جو سوجی کی پکائی جاتی ہے۔

سلطان المعظم کا کھانا صرف ایک شخص مع اپنے شاگرد پیشوں کے پکاتا ہے۔ کوئی دوسرا اسے ہاتھ تک نہیں لگا سکتا ہے۔ یہ چاندی کی دیگچیوں میں پکایا جاتا ہے اور جب تیار ہو جائے تو ہر ایک دیگچی پر کاغذ کا ٹکڑا چسپاں کیا جاتا ہے اور وہ سربمہر کیجاتی ہے۔ جس کو ایک چہرہ لیں سلطان کے حضور میں لیجاتا ہے اور ہر ایک برتن میں سے ایک ایک چمچہ لیکر پہلے خود چکھتا ہے۔ یہ امر زہر کے اندیشے کیلیے کیا جاتا ہے۔ طعام ہمیشہ انہیں برتنوں کی میں جن میں وہ پکایا جاتا ہے سلطان المعظم کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ یہ اکثر سونے کے ہوتے ہیں۔ مگر جس حالت میں کہ وہ اس سے کم قیمتی دھات کے ہوں تو وہ سونے کے ایک کٹورہ نما برتن میں رکھے جاتے ہیں۔ جس کو ایک غلام پکڑے رہتا ہے اور سلطان المعظم تناول فرماتے جاتے ہیں۔ ہر ایک دیگچی میں مختلف قسم کا طعام ہوتا ہے۔ جس کو سلطان المعظم روٹی اور ایک قسم کی پھلیوں کے ساتھ جن کو دوسرا غلام ستھرے دسترخوان میں لپیٹے رہتا ہے نوشجان فرماتے ہیں۔ سلطان المعظم دوسری برتنوں کا ہرگز استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ تمام کھانا انہی چھوٹی چھوٹی دیگچیوں میں کھاتے ہیں۔ میز پر تو ہرگز کھاتے ہی نہیں۔ اور چھری کانٹا کم کام دیتے ہیں۔ وہ سالن اور چمچوں کو انگلیوں سے کھانے کو بہت مرغوب رکھتے ہیں۔

جتنی قسم کے کھانے ہوں اتنے ہی مختلف غلام حاضر رہتے ہیں۔ وہ عموماً کسی دریچے کے پاس جو کہ باسفورس کے کنارے پر ہو۔ وہاں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کھلے پائینچے کی ازار اور جبہ جھلک کو زیب تن فرمائے ہیں۔ اور آستینیں اوپر چڑھا لیتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ قہوہ نوش فرماتے ہیں۔ پھر چٹ لیکر اطمینان کے ساتھ نیچے لیٹ جاتے ہیں۔ اور مختلف خیالات میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ اس آرام کو وہ کیف کہا کرتے ہیں۔ تباہی ہے اُس شخص کے لیے جو ان کو اُس وقت دق کرے۔

باقی تمام خاندان کے لوگ جب اور جہاں چاہیں اپنا کھانا کھا سکتے ہیں۔ ہر ایک کے سامنے چھوٹا سا دسترخوان جس پر ایک چمچہ اور چند روٹیاں ہوتی ہیں۔ بچھا دیا جاتا ہے۔ مگر طبقۂ اعلیٰ کے سامنے روٹی کی جگہ پلیاں رکھی جاتی ہیں۔

تخمیناً ہر روز محلات کے واسطے ایک ٹن چاول چھ سو پونڈ قند اور اسی قدر قہوہ علاوہ دوسرے مصالحوں پھلوں میووں۔ گوشت اور سبز ترکاریوں کے خرچ ہوتا ہے۔

تقریباً کل ترک چاول۔ گوشت اور روٹی اکثر کھاتے ہیں۔ مچھلی۔ شیرینی۔ مٹھائی۔ مغزیات

اور خشک اور تازہ پھل اور میوہ جات الگ ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ باورچی خانوں میں فضول خرچی اور فراوانی بہت ہوتی ہے اور ہر روز اس قدر کھانا پھینکا جاتا ہے کہ اس پر سو کنبے پرورش پا سکتے ہیں۔ مگر یہ فضول خرچی ترکی سلطان پر ہی محدود نہیں۔ بلکہ یورپ کے اکثر شاہی محلوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ فالتو اور بچا ہوا کھانا فقیر اٹھا لیتے ہیں جو قسطنطنیہ میں بافراط ہیں اور جو باقی بچ رہے۔ وہ آوارہ کتوں کے کام آتا ہے۔

سلطان محل کے ہر ایک طرح کے استعمال کیلئے اور باقی کنبے کے صرف پینے کیلئے پانی روز بمقام چشموں سے جو باسفورس کے کنارہ بحیرہ اسود کی طرف بمقام [illegible] واقع ہیں بوتلوں میں لایا جاتا ہے۔ قہوہ بھی باہر ہی اسی غرض سے تیار ہوتا ہے کہ ایک گھوڑا اور دولت پر ہر وقت تیار رکھا ہے اور نیز ایک گاڑی بھی تیار رہتی ہے کیونکہ شہنشاہ شاید تبدیل مکان کرنا چاہیں۔ جو کہ وہ اکثر صرف ایک لمحہ کی اطلاع پر کر دیتے ہیں۔

باوجود اپنے گرد اس بھاری خرچ کے کارخانے کے ہونے کے ان تمام چیزوں کا مالک خود بڑی سادگی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ امیرالمومنین بہت ہی سویرے طلوع آفتاب سے قبل جاگ اٹھتے ہیں۔ پوشاک پہننے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے جس میں یورپی قانون معاشرت کے مطابق انہیں شاید بہت زیادہ دیر لگانی پڑے۔ پوشاک زیب تن فرما کر وہ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں اسکے بعد ایک پیالی سیاہ قہوہ کی نوش جان فرماتے ہیں۔ اور پھر فوراً ہی سگرٹ پینا شروع کر دیتے ہیں جسے وہ سارا دن برابر پیتے رہتے ہیں۔ حاضری کے تناول کر لینے کے بعد وہ خانگی معاملات کی طرف حسب ضرورت متوجہ ہوتے ہیں جس توجہ کی اس خاندان میں جہاں مختلف عمروں اور مختلف احتیاجوں والے اشخاص بکثرت موجود ہوں اکثر ضرورت رہتی ہے۔ یہ امر طے کر کے وہ حرم سے باہر نکل کر سلام لک (مردانہ مکان) میں رونق افروز ہوتے ہیں یہاں وہ درباری امور کے متعلق مکمل رپورٹیں سنتے ہیں۔ دس بجے کے قریب ان کا [illegible] سکریٹری اور دوسرے بڑے بڑے عہدیدار ان کے کام کیلئے اور رپورٹیں لیکر حاضر ہوتے ہیں۔ ان سب کو لیکر خلیفۃ المسلمین ایک صوفی پر بیٹھ جاتے ہیں کل کاغذات ان کے داہنے ہاتھ پر ہوتے ہیں اور بائیں ہاتھ پر ترکی اخباروں اور یورپی اخباروں کے اقتباسوں کا ڈھیر ہوتا ہے جن کو ملاحظہ سلطانی کیلیے ترجمان کا محکمہ جو صرف اسی لیے مقرر ہیں۔ ترکی میں ترجمہ کرتے ہیں۔

یہ کام ختم کر کے وہ نہایت ہی سادہ ناشتہ تناول فرماتے ہیں۔ یعنی تھوڑا سا گوشت جس میں سبز ترکاری بہت سی پڑی ہوئی ہو۔ ناشتے کے بعد وہ باغ میں چہل قدمی کرتے ہیں۔ یا ان جھیلوں[1] میں سے کسی ایک میں جو پارک (رمنا) میں موجود ہیں کشتی پر سوار ہو کر سیر کرتے ہیں۔ اس وقت چیمبرلین یا اور کوئی بڑا عہدہ دار ضرور ہمرکاب ہوتا ہے اسطرح دو گھنٹے کے گشت کے بعد نشست گاہ میں تشریف آور ہوتے ہیں اس جگہ یا تو دربار عام کرتے ہیں یا کسی کمیٹی کے اجلاس میں شامل ہوتے ہیں غروب آفتاب سے ایک یا دو گھنٹے پہلے

[1] ان جھیلوں کی مفصل کیفیت کتاب حالات استنبول میں درج ہے۔

وہ پھر ہوا خوری کو جاتے ہیں۔ انکا شام کا کھانا بھی ناشتے کی طرح بالکل سادہ ہوتا ہے۔ انکی مرغوب غذا پلاؤ
شیر برنج اور تھوڑے سے گوشت پر منحصر ہے۔ مخدرات کو اپنے احکام مذہبی کی پیروی میں ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ مگر شربت بہت
پیتے ہیں۔ اور برف کی بالائی کی قلفی اکثر کھاتے ہیں۔ کھانا کھا کر ہضم ہونے کے بعد وہ یا تو سلاملک میں آتے
ہیں یا حرم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جہاں انکی بیٹیاں انکو گانا سناتی ہیں۔ یا کوئی باجہ بجاتی ہیں۔ ایسے موقعوں
پر وہ بذات خود اکثر پیانو بجاتے ہیں۔ جس میں انکو کمال حاصل ہے۔

رات کو لکھنے پڑھنے کا بہت کام رہتا ہے اس وقت ان کاغذات کو سنتے ہیں۔ جو بارگاہوں سے
آتے ہیں۔ اس سے اکثر رات کو دو بجے جا کر فارغ ہوتے ہیں اسکے بعد آرام چوکی پر بہت تھوڑا وقت سوتے
ہیں۔ شیخ ابوالحسن شاذلی کے طریقے پر ہیں۔ اور وظائف بھی کرتے ہیں۔

مصوری وغیرہ سے انکو کچھ ایسا شوق نہیں۔ نہ انکو حرم کیطرف کچھ خیال ہے۔ مگر اپنی اولاد پر حد
سے زیادہ نثار ہیں۔ اور اپنے خاندان کے افراد سے نہایت ہی الفت رکھتے ہیں۔

قد اعلحضرت کا میانہ ہے۔ اور کل اعضا میں بہت عمدہ تناسب ہے۔ وہ اپنی ثقیل الوزن [illegible]
فرائض کے بوجھ کو بڑی بہادری سے اوٹھائے ہوئے ہیں۔ مگر بعض اوقات چہرہ مبارک پر بڑھاپا اور تھکان
کی علامات پائی جاتی ہیں۔ ریش مبارک سیاہ ہے اور بال اور آنکھیں بھی سیاہ ہیں۔ چشمہائے مبارک سے نرمی
اور ملاطفت برستی ہے مگر ساتھ ہی زیرک اور تیز فہم ہیں۔ وہ ان لوگوں کو جو شرف ملاقات حاصل کرنے
آتے ہیں۔ خوب نگہ بھر کر اس طرح غور سے دیکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکے ضمیر کے اصل حالات معلوم کر
لینگے۔ مگر وہ دلفریب اور خوشنما جلوہ جو اول ان آنکھوں سے دلوں پر پڑتا ہے اسی بے آرامی اور وہم پرستی کی
کیفیات کو جو ان آنکھوں میں بستی ہے دیکھکر دور ہو جاتا ہے۔ سلطان المعظم اپنے محل میں بھی اپنے آپ کو
محفوظ خیال نہیں فرماتے۔ اور گو کسی خاص شخص پر ان کو شبہ نہیں۔ مگر وہ ہر ایک سے ڈرتے ہیں۔ وہ اچھی
طرح سے جانتے ہیں کہ شرقی بادشاہوں کی زندگی میں درباری سازشیں اکثر واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یا کہ
وہ ان عبرت خیز سانحوں (یعنی سلطان عبد العزیز شہید اور سلطان مراد کی معزولی) کو بھول نہیں
گئے۔ جو ان کے تاج و تخت حاصل کرنیکے باعث ہوئے تھے۔ کیا ان کو درحقیقت ہی ایسا چوکنا رہنا چاہیے؟
یہ ایک بحث طلب امر ہے۔

الغرض تھوڑے ہی بادشاہ ایسے گذرے ہیں جو پہلے امیر المومنین کی طرح اپنی رعایا میں ایسے
ہر دلعزیز ہوئے ہوں۔ وہ اپنی رعایا میں نئی ہی طرح کے سلطان ہیں۔ اور رعایا بھی اس ندرت کی قدر
کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی۔ وہ ایسے سلطان نہیں کہ وزارت حرم سرا میں پڑے رہیں۔ اور شب غفلت کی

ساتھ عیش و آرام میں مشغول ہیں۔ بلکہ وہ اپنی رعایا کی بہتری میں سچا اور وقتی حصہ لیتے ہیں۔ اپنی
مستعدی میں کسطرح کل کاروبار سلطنت کو بعض چالاک درباریوں کے ہاتھ میں چھوڑنے کی بجائے خود ہر ایک امر میں حتیٰ کہ
نہایت ہی چھوٹے چھوٹے معاملات کو بھی خود دیکھتے اور اپنے آپ فیصلہ کرنے میں از حد تقید کرتے ہیں۔ بلکہ ہم
یہ کہتے ہیں کہ وہ اس عادت میں بھی بہت ہی بڑھ گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بلا ضرورت کے اجراء
اور تعمیل میں عموماً بہت توقف عائد ہو جاتے ہیں کیونکہ سلطان المعظم اتنا وقت کہاں سے لائیں۔ کہ ہر
ایک چیز کو ایک ساتھ ملاحظہ فرمالیویں۔

سلطان المعظم بذاتِ خاص نہایت ہی فیاض اور بدرجہ اتم نرم دل ہیں مشکل سے کوئی ایسا مہینہ گذرتا
ہے جس میں وہ جیب خاص یعنی اپنی گرہ سے بڑی بڑی رقمیں اپنی رعایا کے سر سے سختی اور تکالیف دور کرنے کے
لیے مذہب و ملت کا لحاظ کیے بغیر چندے میں عطا فرماتے ہوں۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ انہوں نے خود بخود
۱۰ لاکھ پیاسٹر جزیرہ کریٹ میں ابتدائی مدارس کے قیام کے لیے عنایت فرمائے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے نہایت
اور ظریف نقرئی طلائی کا بہت بڑا حصہ خزانہ عامرہ کی مدد کیلئے نقدی سے تبدیل کرادیا۔ اور دوسری
مرتبہ انہوں نے اپنے ذاتی نوکروں کی بہت بڑی جماعت موقوف کر دی کہ یہ بہت نامناسب خیراتی اور بے جا
خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی رعایا پر نہایت ہی کم خرچ کا بوجھ ڈالنے کی حالت میں گذارہ کرتے ہیں۔ اور ان کی
سول لسٹ ایک بڑی شہنشاہی کے لحاظ سے نہایت ہی کم ہے۔

ان کے کیرکٹر کا لب لباب بدرجہ غایت حزم و احتیاط ہے۔ اور یہی شاید ان کی سخت بے اعتباری
اور عام مذبذب کا باعث قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اسی لیے شاید وہ کل کاروبار سلطنت کو خود سرانجام دیتے
ہیں۔ مگر شکر کا مقام ہے کہ اس سخت احتیاط کے ساتھ واقعی علم و واقفیت اور ذہانت بھی شامل ہے۔
اور یورپ جدید اندرونی اور بیرونی پالیسی کے تمام مسائل اور مذاہب اور تعلیم کے متعلقہ سوشل معاملات
کو سمجھنے اور کل باتوں کا مقابلہ کرنے اور ان کو سرانجام دینے کے لیے جو ان کے ہاتھوں میں ہو کر گذرتے
ہیں نہایت ہی قابل ہیں۔ یہ ایک اور خوش قسمتی کی بات ہے کہ قدرت قادر نے انکو کام کرنے کی غیر معمولی
استعداد اور قوت بخشی ہوئی ہے اور ضبط و اطوار میں وہ حد درجہ کے خلیق اور متواضع ہیں۔ خاصکر اپنے
نوکروں کے ساتھ سلوک کرنے میں اعلیٰ درجہ میں تحقیق ان کی ایسا مشہور معلوم ہے کہ جو کوئی ایک دفعہ شرف
اندرون ملازمت ہوتا ہے۔ بقیہ عمر کے واسطے انکا گرویدہ احسان ہو جاتا ہے۔ اور انکو جان سے زیادہ عزیز
سمجھتا ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر بڑی احتیاط اور سلیقے سے گفتگو کرتے ہیں مگر جب کوئی ایسا مضمون آجاوے جس سے
انکا جوش موجزن ہو جاوے تو کمال رعب داب سے تکلم کرتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں وہ متعصب نہیں۔ مگر

اپنے مذہب کے پکے معتقد ہیں۔ اور ہر ایک امر میں احکام شرعی کی پابندی کرتے ہیں۔ علما، درویش اور فقرا کی اکثر مجالست کرتے ہیں۔ اور بڑی فراخدلی سے انکو انعام و اکرام عطا فرماتے ہیں۔ اور سچ پوچھو تو انکا ہاتھ دینے کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اپنی عادتوں سے انہوں نے حاتم اور فیاض کے نام کو گرد کر دیا ہے۔ وہ تمام یورپین ملاقاتیوں کو عموماً اور صاحبان علم و ہنر کو خصوصاً بیش بہا تحائف نوازش کرتے ہیں۔

اگر ہم ٹرکی گورنمنٹ کی ماہیت کو دیکھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک لبرل خیال شہنشاہ ہیں۔ مگر اسمیں کلام نہیں کہ مغربی خیالات کی سی آزادی روم میں مفقود ہے۔ تاہم اعلیٰحضرت امیر المومنین یہ امر بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ آپنے فی الحقیقت آزاد خیالات کو جو ممالک عثمانیہ میں آزاد خیالی کی بنیاد قائم کر رہے ہیں۔ کس طرح اپنے ممالک محروسہ کے مقامی پولیٹیکل اور قومی حالات کے مطابق کر لیا ہے۔ بظاہر تو وہ ایک جابر اور مطلق العنان شہنشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اصل میں اپنی رعایا کے ساتھ پدرانہ سلوک کرتے ہیں۔ اور انکی بہتری کا خالص نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ روم کی کتنی ہی خطائیں کیوں نہ ہوں۔ مگر اس کے موجودہ فرمانروا اعلیٰحضرت سلطان معظم خلیفۃ المسلمین **عبدالحمید خان** ثانی الغازی ایک عقلمند، صلح پسند اور فیاض حکمران ہیں۔ انکی خواہش عظیمہ اپنی رعایا کی خوشحالی اور بہتری ہے۔ سلطان اعظم کے طول قدر اور بے نظیر عہد حکومت میں روم نے تن درستی اور صحت یابی کے راستے میں بہت بڑی سرعت کے ساتھ اور اطمینان بخش ترقی کی ہے۔ اب جس چیز کی اس کو سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ وہ امن کا زمانہ ہے۔ کہ اسمیں وہ اپنی مالی حالت قوت اور طاقت کو بخوبی سنبھال لے۔

سلطنت عثمانیہ کی نازک حالت کو سلطان معظم سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں سمجھتا۔ اسی لیے وہ تمام یورپین تنازعوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں۔ اندرونی بغاوتوں سے انہیں بے کھٹکے رہنا چاہیے ان کا تخت محفوظ ہے۔ اور وہ تمام بیانیاں جو یورپ میں خانگی سازشوں کے متعلق پہنچتی ہیں۔ اور یہ روایتیں کہ لوگ انکو معزول کر کے ان کے بھائی **مراد** کو تخت نشین کرنا چاہتے ہیں۔ بالکل بناوٹی اور افترا پردازیاں ہیں۔ اس امر کو تو الگ ہی رہنے دیجیے کہ **مراد** فی الحقیقت ہی دماغ میں سخت کمزور ہیں۔ اور کہ کل خاندان کا ہر ایک فرد بشر اپنے خلیفۃ المسلمین پر جان نثار کرنے کو تیار ہے۔

ضمیمہ نمبر دوم ۲

حضرت سلطان المعظم اور دنیائے اسلام

منقول از رسالہ تمدن کلکتہ بابت [illegible]

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسکی معرفت ہر ایک شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ غیر قومیں خیال کرتی ہونگی کہ حضرت سلطان المعظم مثل اور مسلمان سلطانوں کے ایک باعزت و باوقعت فرمانروا ہیں۔ اور انکی عزت و وقعت صرف انہی کی حدود سلطنت میں جیسا کہ اور سلطانوں کی ہوتی ہے محدود ہے۔ مگر نہیں حضرت سلطان المعظم کی عزت محبت و حمایت کا جوش تمام دنیا کے پرجوش اہل اسلام میں موجود ہے۔ میں اُن قوموں کا تذکرہ نہیں کرتا جنکو دنیائے اسلام کی کچھ خبر ہی نہیں۔ میں اُن قوموں کا نام نہیں لیتا جن میں فخر نسبت کا خواب کن جوش باقی ہے لیکن اس امر کو میں یقینی طور سے کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی کوئی قوم اسلام ایسی نہ ہوگی جسکو سلطان المعظم سے تعلق و ہمدردی کی خواہش نہ ہو۔ اسکی وجہ میرے نزدیک وہ جائز تعلق اسلامی جوش کا ہے جو اسلامی محبت کے ساتھ ہمیشہ باقی رہیگا اور کیونکر نہ باقی رہے۔ تمام دائرہ اسلام کے مرکز مسلمانوں کے قبلہ ایمان کی جان۔ حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً و تشریفاً کی حمایت آج سلطان المعظم ہی کی **ذات بابرکات** پر منحصر ہے۔ اُن مقدس و مبارک مقامات کا شرف خادمیت جو تمام شرفوں اور اعزازوں سے بمقدار بالا ہے جس قدر مخدوم کا شرف خادم پر بالا ہو سکتا ہے سلطان المعظم ہی کو حاصل ہے۔ اور علاوہ ازیں بیت المقدس بھی ہے جو عیسائیوں اور مسلمانوں کا ایک مشترک معبد ہے۔ اور جس کو دولت علیہ عثمانیہ کی بادشاہانہ و شجاعانہ تدبیر و قوت نے ایسے پرخطر اور خوفناک زمانے میں بھی اپنے ظل حفاظت میں رکھا ہے جبکہ بڑے بڑے متعصب عیسائی سلطنت کو خواہش پیدا ہوئی ہے۔ سلاطین عیسائیہ کی قوت متفقہ سے بڑے بڑے شیر کے زہرے آب ہوتے ہیں۔ تمام عیسائی یورپین کو بیت المقدس کی خدمت بلاشبہ متفق بنا دینے کے لیے ایک پُر تاثیر قوت ہے۔ اگر اہل یورپ ملکی سیاست اور علمی تہذیب کے پردے سے اپنے ناجائز مذہبی جوش کو نہ چھپا چکے ہوتے تو تمام دنیا پر ظاہر ہو جاتا کہ عیسائیوں کو بیت المقدس کا مسلمانوں کے قبضے میں ہونا کس قدر ناگوار ہے۔ لیکن علوم فلسفہ کی روشنی اور تہذیب انسانی کی جانفزائی نے تمام ممالک عیسائیہ کی ظلمت تعصب کو بالکل ہی دور نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ بہت سی متعصب خوفناک صورتیں وحشت کی تاریکی میں اب تک موجود ہیں۔ کیا دنیائے اسلام اُن ہمدردیوں کو خیر [illegible]

حملے ہو رہے ہیں۔ بھلا وہ بھی میری رائے میں صرف ایک انگلستان تعصب مذہبی پر تہذیب انسانی کو
غالب رکھنے کی قوت اپنی پوری ہمت سے ظاہر کر سکتا ہے۔ باقی تمام سلطنتیں مذہبی جوش سے ایسے
خطرناک وقت میں بدست ہوکر لوٹ پڑنا معیوب نہ سمجھیں گی۔

مسلمانوں کے مقدس سپر کامل نشان کو بیت المقدس کا حرمین شریفین سے صرف ایک
ہی درجہ کم ہونیکا سبق دیا ہے۔ تمام دنیائے اسلام بیت المقدس کو عزت بھری نگاہوں سے ہمیشہ اور ہر وقت
دیکھتی چلی آئی ہے اور یونہی اسوقت تک دیکھتی چلی جائے گی جبتک اُسکا پاک ایمان باقی ہے۔ مورخین کیلیے
صلیبی خونخوار لڑائیاں جو اسی پاک سرزمین کے قبضہ حاصل کرنے کے لیے نہایت شدومد سے ہو چکی ہیں وہ
اسلام اور بیت المقدس کے تعلقات ظاہر کرنے کو کافی ہیں۔ تمام دنیائے اسلام پر بیشک لازم ہے کہ وہ اپنے مقدس
مقامات کی حفاظت کیلیے سلطانوں سے زیادہ سرگرمی دکھائے گو اس حفاظت کا بار زیادہ تر اوسی گروہ اور اوسی
سلطان پر رکھا جا سکتا ہے۔ جو اطراف خطۂ مذکور میں فرمانروائی اعلیٰ قوتوں سے کر رہا ہو۔ اسلام کی مذہبی
مقامات ہر نفس سے برابر تعلق رکھتے ہیں لیکن اہل اسلام صرف اسی وجہ سے خوف نہیں ہیں کہ متعصب عیسائی
دولتیں جنکو فی زمانا روز افزوں ترقی حاصل ہے ہمارے مذہبی سلطان کے مقابلے کے لیے
بیت المقدس کے قبضہ حاصل کرنے کی خواہش میں موقع پاکر ضرور آمادہ ہو جائینگی بلکہ انکی دوراندیش طبائع اپنی
حسن تدبیر سے کام لیکر بالیقین اس امر کو سمجھ رہی ہیں کہ کرسچین ہم (کرسچانی ملت) اپنی مدت شدنے اور دولت
لینے کے لیے صرف زبانی حملہ پر اکتفا نہیں کر سکتی بلکہ وہ اسلام کے محفوظ اور مقدس تیرتھ تک بڑھنے کی جرات اور
کوشش کریگی۔ اور کوئی دقیقہ اٹھائے ہوئے تہ و بالا کرنا نہ رکھیگی۔ اگرچہ اُس مقدس سرزمین کا سچا نگہبان ہمیشہ
کیلیے اُس کو محفوظ رکھنے کا وعدہ کر چکا ہے ~ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است ۔

لیکن اہل اسلام کا کشت و خون، اطراف و جوانب کا مسیحی قبضہ، مسلمانوں کا ننگ، تمام عہد عدیں میں مقید ہونا
آئندہ کے یہودیوں کی شکل ذلیل و خوار ہونا اور بڑے بڑے عزت کے مقدس مقامات پر صلیبی پھریریوں کا لہرانا ہی
کیا کم ہے۔ ہر وہ مسلمان جسکی رگوں میں حمیت کا جوش ہے اس خوفناک حال کے دیکھنے کے لیے نہ وہ زندہ رہنا پسند کریگا
اور ایسی بیحیائی اور بیحرمتی کی زندگی بسر کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ بیشک یہی وہ خیال ہے جو تمام دنیائے اسلام کو
ہر وقت سلطان اعظم کی جانب متوجہ کرتا رہتا ہے کیونکہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ سلطان اعظم ہی کی ذات
بابرکات تمام اسلامی فرمانرواؤں کے طبقے میں ایسی نکل سکتی ہے جو اسلامی خدمتوں۔ مذہبی حمایتوں اور
مقدس مقاموں کی حفاظتوں کو قائم رکھ سکے اور رکھتی ہے۔ ہر سال لاکھوں حاجیوں کا دنیا کے ہر حصے سے
حرمین شریفین کو جانا اور بیت المقدس اور بیت الرسول میں سلطان اسلام کا خطبہ سننا اور

ان فیاضیوں اور حمایتوں کو دیکھکر اپنے ممالک کو واپس آتا تمام دنیا کے اہل اسلام میں ایک عجیب جوش محبت پیدا کرتا ہے تمام ہندوستان دیکھے اہل اسلام ہر وقت اپنے دینی محافظ اور اسلامی نگہبان کے لیے بجہد دل و جان سے حضور مقدس باری تعالیٰ میں ہمیشہ دعائیں کرنے میں مصروف رہتے ہیں ؎

اندر بقائے عمر تو خیر جہانیاں ٭ باقی مباد ہر کہ نخواہد بقائے تو

وہ اپنے خیال کے سچے اہل اسلام جن کو اخباروں سے کوئی دلچسپی حاصل نہیں ہو سکتی اخبار والوں کی دکانوں پر جا کر مذہبی سلطان کی خبر دریافت کرتے ہیں اور نہایت ہی اشتیاق سے اگر انکی خوش قسمتی سے کوئی ایسی خبر ہو سنتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر شہروں میں سلطان اسلام کی بقائے سلطنت کی دعائیں مانگتے ہیں شاید کوئی نادر وقت اسلامی عزتوں کا ناقدردان اعلیٰحضرت کے لیے نصرت و عزت کا طلب کرنا جائز سمجھتا ہو۔ واقعاً بالاتفاق حضرت سلطان المعظم کی محبت سے تمام دل بھرے ہوئے ہیں مسلمانوں کو بے شک بشارت ہے کہ آج کل موجودہ مذہبی سلطان بڑے بڑے اوصاف سلطانی کا منبع ہے جو اپنی خوش تدبیری اور عاقلانہ کارروائیوں سے نہ صرف اپنے دوستوں کا ممدوح ہے بلکہ دشمن بھی اسکے اوصاف کی معترف اور اسکی لیاقت کے قائل ہیں جو ہمیشہ سلطان عثمانیہ کو ایک معمولی ایشیائی فرمانروا سمجھتے ہیں۔ چند فقرے مصنف کتاب ریویو آف اسلام کے مدیر ناظرین کرتا ہوں منصف مزاج اور عدل پسند اشخاص معلوم کر لیں گے کہ حضرت سلطان کس عالی دماغ اور عقل و قوت کے فرمانروا ہیں +

عبرت ریویو آف اسلام

علمائے حنفیہ نے یہ عزم راسخ کر لیا تھا کہ سلطان کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ علانیہ مذہبی اور انتظام مذہبی کے متعلق کاروائیوں کے پیشوا بن جاویں پس جب انہوں نے دیکھا کہ سلطان عبدالعزیز طریق خلافت پر ٹھیک ٹھیک نہیں چلتے تو انہوں نے انکو تخت سے اتار دیا اور عبدالحمید سلطان حال کے لیے جو انکے خیال کے مطابق سچے والی اسلام ہیں راہ کھول دی۔ مذہبی سلسلہ جانشینی بغیر جب خاندان عثمانیہ کی شاخوں کا یہ نتیجہ ہو گا یعنی سلطان عبدالحمید تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو دنیا اسلام کو ایک نعمت غیبی معلوم ہوئی۔ یہ بات قابل یقین ہے کہ اگر عبدالحمید یا عبدالعزیز کا جانشین کوئی ویسے ہی نا فہم اور خبط گو ہوتا سے ہوتا جو اکثر تخت سلطنت پر پچھلے زمانے میں بیٹھتے آئے ہیں تو خلافت عثمانیہ اس وقت تک زمانہ گزشتہ کی بات ہو چکی ہوتی۔ لیکن سلطان عبدالحمید نہ تو نفس پرست اور آرام طلب تھے۔ اور نہ جسم یا طبیعت کے کمزور تھے انہوں نے جیسا خیال کیا ہے جیسا ہر ایک شخص خواہ مخواہ اس پر غور کریگا اس جا نشین کو جو لیا اور مذہب کے

سلطان ۔ مس کتاب کا ترجمہ دفتر ... لاہور سے ... قیمت پر مل سکتا ہے

اعلیٰ منصب کے خیرخواہ گروہ کے پیشوا اور سرداران کی میری دانست میں یہ بات بلا شبہ کہی جا سکتی ہے کہ باعتبار
مذہب اور دین کے وہ ایک پکے متقی ہیں۔ لڑکپن میں باوجود شہزادگی کے وہ ایک ذہین شخص تھے اور علمی مذاق خصوصاً
جغرافیہ و تاریخ کا شوق رکھتے تھے۔ مذہب میں اگرچہ عالم نہیں ہیں تاہم مذہبی علم انکو حاصل ہے لہذا یہ بات تسلیم
کرلینی چاہیے کہ اپنی مذہبی اور روحانی افسری یعنی منصب خلافت کی حالت پر انکو عادت کے ساتھ توجہ ہے
ایک شخص نے اپنا چشمدید واقعہ مجھ سے بیان کیا ہے کہ تخت نشینی سے چند روز بعد جب شمشیر مسجد ایوب میں
انکو تلوار خلافت بندھوائی گئی تو انہوں نے اپنے طرز و طریقے میں ایک دفعۃً تبدیلی کرکے اہل بارگاہ سلطانی کو
متعجب کردیا۔ اسی روز بعد دوپہر سلطان عبدالحمید تمام دن اُن لوگوں کو اپنے دربار مذہبی (یعنی منصب خلافت
کا دربار) کی زبان میں یاد کرتے رہے۔ جو کئی صدیوں سے مجلس سلطانی کی حدود کے اندر سنائی نہ دی تھی۔ یہی
تحقیق ہے کہ روسیوں کے حملے کے ترددات سے نجات پاکر انکا پہلا کام تھا کہ اس اعلان اور وعظ کو جو شروع ہو چکا
تھا اور نظم و نسق کے پیرایے میں لائیں اور ہندوستان اور ممالک بربری میں نئے وعظ اس لیے بھیجیں
کہ ان مسلمانوں پر جو غیر مذہب والوں کی زمین میں رہتے ہیں خاص سلطان کی خلافت کا وعظ کہیں غیر ممالک
کے اہل مسلمانوں کو بھی سلطان کی تقرر یا استبدادی کی بہ نسبت دنیاوی بادشاہ کے بطور حاکم مذہبی کے زیادہ
ہو اور سفیران یورپ کے ساتھ سلطان نے اپنی یہ حالت برابر اور مستقل طور پر اور نہایت اثر کے ساتھ قائم
رکھی ہے سلطان عبدالحمید کی لیاقت کا یہ کچھ کم ادنیٰ ثبوت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی مملکت کی ہمسایہ اثر
سفارت کو درہم برہم کردیا۔ وہ نماز کے نہایت پابند ہیں۔ اور درویشوں اہل کرامات اور متقدس
لوگوں کے بڑے خاص مربی ہیں۔ ایسے لوگوں کی بڑی تلاش میں رہتے ہیں اور انکی بڑی عزت کرتے ہیں امور
سلطنت اور عدل گستری میں جب وہ خود عمل کرتے ہیں تو سخت پابندی شریعت کی کرتے ہیں۔ اور مسائل
مشتبہ میں ہمیشہ مفتی یا شیخ الاسلام سے مشورہ کرتے ہیں۔ جب کوئی یورپ کی فرمایشیں خلاف قانون
شریعت کے ہوتی ہیں تو سلطان انکے روکنے میں کچھ کم اور ناقابل وقعت توجہ اور استقلال ظاہر نہیں کیا
سلطان عبدالحمید نے نہ صرف علمائے ترک کو اپنا مرید بنایا۔ بلکہ اپنی عملداری سے باہر بھی راہوں کے ایک ایسے
اور قابل وقعت ذخیرے کو اپنا طرفدار بنا لیا ہے۔ یا تو مذہب کے حق میں یہ لوگ دغا بازی کرنے والے سمجھے گئے تھے۔
یا اگر اسکو خاندان عثمانیہ کے سلطان پر پھر ایک مرتبہ بطور والی اسلام کے نظر پڑنے لگی اور پرانے فیشن کے
علما جو اسلام کی بازگشت ابتدائی حالت پر چاہتے تھے۔ سلطان عبدالحمید کو اسلامی پہلوان اور ہیرو
سمجھتے ہیں۔ ایک سال گذرا جب میں جدے میں تھا۔ تو اس وقت یہ بات نہ تھی۔ لیکن اب یہی حالت دکھائی
دیتی ہے۔ اس وقت تک خود اونہی کے فرقے کے لوگ انکی نسبت شبہے کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ اور بلا شبہ

* موسیو راکو۔ الجیریا میگزین وشریولی۔

سلطان نے ہنوز کوئی جوش پیدا نہیں کیا تھا وہ لوگ انکی منشاء کو سمجھتے نہ تھے اور یہ خیال کرتے
تھے کہ سلطان ایک عالی جاہ بادشاہ مگر سچے سلطان ہونے پر شبہ تھا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی تھی کہ سلطان
عبد الحمید کا اور کا [illegible] نا معلوم ہوتا نکلیگا علاوہ بریں سلطان عبد الحمید نے اس وقت تک اپنی قوت نہیں دکھلائی
تھی اور تعویذ ... ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ملک میں آدمی کا لا ادری کا لقب پاتا ہے اور اسکی ستائش ہوتی ہے
لیکن پہلا آٹھ ماہ میں بہت جلد جلد فتوحات وقوع میں آئیں یونان البانیا اور کردستان میں عبد الحمید نے اپنی
تدبیر سے بازی کو جیت لیا۔ انگلستان سے وہ کچھ نہیں ڈرے اور مصالح بجز ترجیح مسلم کا سامنا جلدی ہی کیا۔ یورپ کی
تلمیح کے سامنے انہوں نے یہ جرأت کی کہ مدحت پاشا کو جو یورپ کی حمایت میں تھا گرفتار کر لیا۔ اور ان الزام قتل
اسکی تحقیقات کی۔ بالآخر ٹیونس میں اہل فرانس سے بھی سلطان نے گویا اپنا ہی کام کرا لیا یعنی اطراف کے شمالی
افریقہ کے مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کا موقع ملا حالانکہ یہ وہ خلقت تھی کہ صدیوں سے سلطان کی حکومت کی
برخلاف تھی۔ مگر ... پر سلطان ... کے لیے یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ ایک عرب کے سینے میں اپنی خیر خواہی کے
وفاداری کے خیالات پیدا کر دی اُس زمانہ میں ... بہ خصوص یہ بات ... تھا کہ ترکی کی حکومت سے آزاد ہونے کی
ہمیشہ ... ہر زمانہ میں پائی ... ساحل افریقہ کے ... سب لوگ ترکوں کی طرف سے اٹھنے کے خیال کو لغو اور بیہودہ
سمجھتے تھے لیکن اب خود مالکی لوگ جو قیروان میں متحد اور گرامی قدر ہیں سلطان عبد الحمید کے اشارہ پر
حرکت کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ مصر میں بھی سلطان کس قدر کامیابی کے ساتھ تحریک کر رہے ہیں۔ ہندوستان
کے مسلمان مساجد میں انکے لیے دعا مانگتے ہیں ہر جگہ وہ فرقہ جو اسلام کی بازگشت چاہتا ہے مسلح ہو رہا ہے اور ایسے خلیفہ
کو جو انکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور یورپ سے بے اصل سمجھتا ہو اور بشرط ضرورت اہل ملت پر ... معلوم ہو
ہر گز کسی ... لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کا پیشوا اسلام کے علم جہاد بلند کرے۔ اپنا پیشوا تسلیم کر لیا ہے۔
سلطان عبد الحمید پاکیزگی کے ساتھ شریعت پر رجوع لاتے ہیں۔"

فقرات مندرجہ بالا سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم ان تمام اوصاف سلطانی سے
موصوف ہیں جو ایک عالی ہمت بلند خیال یکتائے زمانہ مدبر منتظم ہوشیار و متشرع خلیفہ میں ہونے چاہئیں۔ اور
حقیقت میں انہیں اپنی اسلامی پالیسی میں ہمیشہ کامیاب مظفر و منصور کے لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اگر
مندرجہ بالا اقتباس کے کل خیالات سے ہمیں اتفاق نہیں۔ علاوہ بریں عقلائے فرنگ مدبران یورپ کی
بھی ہر وقت حضرت سلطان المعظم کی نسبت نہایت ہی عمدہ اور قابل وقعت ہے۔ لارڈ مارکوئس آف
سالسبری وزیر اعظم انگلستان کے وہ تمام بیانات جو ترکی کی نسبت فرماتے ہیں۔ قابل لحاظ ہیں۔ جناب
ممدوح فرماتے ہیں کہ ترکی کی حالت بہتر ہے۔ سلطان نہایت ہی قوی الارادہ حکمران ہیں اور ... کے ...

میں جو اُن کو سابق حکمرانوں نے سلطنت میں پیدا کی تھیں نہایت سخت سخت جفاکشی ظاہر فرمائے ہیں۔ کل سلطنت عثمانیہ کی ترقی کی جانب کوشش ہو رہی ہے جس کو تحسین کامل ہے کہ اگر ترقی برابر قائم رہی تو بلا شبہ اس سے امن وامان قائم ہو گا اور یورپ کو اس سلطنت کے تنزل وتباہی کا ہرگز خوف نہ باقی رہیگا۔

(پروفیسر ویمبری نے دربار میں سٹریٹ پنجشنبہ میں [illegible] کو انجمن کثیر کے سامنے جو لیکچر دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم میں پالیسی [illegible] تو ان سے کہ کسی ہو سکے نہیں ہے لائق پروفیسر کا بیان ہے کہ ترک دیگر ایشیائی اقوام میں نہایت سر آوردہ اور ترقی یافتہ ہیں۔ چونکہ اس لیکچر کا ضروری حصہ کسی جگہ اس سے پیشتر حواشی میں درج ہو چکا ہے۔ لہٰذا اعادہ بیسود ہے۔ مترجم کتاب)

حضرت سلطان المعظم نے اپنی تدابیر اور حسن انتظام سے سال گذشتہ میں بلوہ کریٹ✽ کو نہایت ہی مستقل مزاجی سے فرو کیا۔ اور امسال بعض [illegible] فتح یمن کا بلوہ بھی جو ایک مدت تک زور پکڑ گیا تھا نہایت ہی شد و مد سے فرو کیا گیا۔ فوجی طاقت کو قوت دینے اور مالی حالت کو درست کرنے میں بھی اعلیحضرت نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ چنانچہ اکثر محققین کی رائے ہے کہ سلطان نے اپنی مالی حالت کو درست کر لیا ہے۔ اب گورنمنٹ ٹرکی کا اعتبار بہت سا بڑھ گیا ہے۔ ٹرکی نوٹ مثل یورپین نوٹوں کے تماوے کے ساتھ جاری ہیں سلطان نے ٹرکی کو ان آفتوں سے بہت کچھ چھڑا لیا ہے جس میں اسکو آخری زمانہ مبتلا کر چکا تھا فوجی قوت بڑھا دینے کا عمدہ ثبوت وہ کردی رسالے ہیں جو ابھی بکثرت بھرتی ہوئے ہیں۔ اور روسائے عرب نے بھی امدادی فوج دینے کا اشتیاق اور ارادہ ظاہر کیا ہے ؎

الٰہی بخت تو بیدار بادا ✦ ترا دولت ہمیشہ یار بادا
گل اقبال تو دائم شگفتہ ✦ بچشم دشمنانت خار بادا

حضرت سلطان المعظم کے مذہبی جوش کا پورا ثبوت اس بیان سے مل سکتا ہے جو لیوانٹ ہیرالڈ نے قسطنطنیہ کے رمضان المبارک کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جمعے کے روز دوپہر سے سلطانی توپخانوں سے فیر ہونا شروع ہوئے جس نے تمام مومنین کو مطلع کر دیا کہ رمضان المبارک کا مہینہ اور دینی گرمجوشی دکھانیکا وقت آ گیا۔ قسطنطنیہ میں جمعہ کے روز سے رمضان شروع ہوا جمعرات کی شب سے تمام مساجد دارالخلافہ خوب آراستہ و پیراستہ کیجانے لگیں۔ ہر محلے کی مسجدوں میں قرآن خوانی اور سننے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تمام مقامات متبرکہ دکانوں کے محلوں میں بڑا ہی جوش وخروش اور زیب و زینت نظر آنے لگی۔ تمام مساجد کے دروازے شب بھر کھلے رہنے لگے۔ بڑی بڑی مسجدوں میں عجیب صناعیوں سے رنگارنگی اور روشنی کیگئی۔ قرآن پاک کی آیات

✽ بلوہ کریٹ سے مفصل بیان ہو چکا ہے جیسا کہ کتاب کے کسی حاشیے میں اس کرد رسالوں کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ مترجم۔

اونچے اونچے میناروں پر ایسے جلی حرفوں میں لکھی گئیں۔ کہ دور سے پڑھی جاتی تھیں۔ اکثر یوں بھی کیا گیا تھا۔ کہ
دونوں میناروں کے درمیان ایک تانا بانا لگا دیا گیا تھا جس کے بیچ میں قرآنی جملے روشنی کے ذریعہ سے نورانی حرفوں میں
چمکا کے دکھائے گئے تھے۔ پھر ہر طرف تارو دار ایسی خوبصورتی سے شیشہ آلات لٹکائے گئے تھے۔ کہ انہیں دیکھ کر
دلوں میں ایک ولولہ جوش کا پیدا ہوتا تھا۔ اور ان کے حسن و خوبی پر غور کرنے سے ترکوں کے ذوق آرائشگی اور
نفاست کا اندازہ ہو سکتا تھا محکمہ اوقاف نے بحکم سلطانی تمام مساجد کی آرائشگی کے لیے وہ سامان کیا
تھا جو مساجد کے اندر ہر جگہ شاہی جلال و عظمت کا نمونہ دکھلاتا تھا۔ پہلی تاریخ میں وزیر اعظم۔ شیخ
الاسلام۔ تمام ممبران محکمہ وزارت۔ رضا پاشا۔ حسن فہمی پاشا۔ یوسف رضا پاشا۔ علما میں سے رضا آفندی
توفیق بے۔ رشید بے۔ الغرض تمام عہدیداران دولت اس لیے مدعو کیے گئے تھے کہ سلطان المعظم کے ساتھ پہلا
روزہ افطار کریں۔ سلطان المعظم نے قصر یلدز میں روزہ افطار فرمایا۔ اور قبل افطار چیمبرلین حاجی علی کو ان
مذکورہ عہدہ داروں کے پاس بھیجا کہ سلطان کی طرف سے انکو شاہی سلام کہہ آئیں۔ خاص دار السلطنت کے
کل افسر رمضان بھر محل سلطانی ہی میں روزہ افطار کیا کیے۔ پہلی تاریخ گارڈ کے ایک گروہ نے بھی قصر یلدز میں
روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔ اور تمام سپاہی خاص سلطان سے عطا کیے ہوئے تحائف لیکر بعد افطار رخصت ہوئے۔
علاوہ معمولی معمولی فیاضیوں کے سلطان نے حافظ آفندی کو حکم دیا کہ جیب خاص سے دو ہزار پیاستر اور کھانا
اطراف یلدز کے غربا میں تقسیم کر آئیں۔ بیشک ان اعلیٰ درجہ کی فیاضیوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود سلطان
میں ذاتی طور پر نہایت ہی دینی جوش ہے اور وہ اسلام کی تمام رسوم مفروضہ کو بڑی شائستگی سے انجام دینا چاہتے ہیں
قرینے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت سال گزشتہ شہنشاہی طریقوں کے سلطان نے اپنی حالت بہت
کچھ بدل دی ہے۔ وہ سلطان فرمانرواؤں کے لیے معیار بخشش کی ایک عمدہ نظیر ہیں۔ فی الحال سلطان نے اپنی
سالگرہ کے دن عساکر عثمانیہ کے سرداروں اور تمام ادنیٰ و اعلیٰ سپاہیوں کو سلام کہلا بھیجا تھا۔ خاص قسطنطنیہ
میں تو سلطان کا سلام ہر سپاہی کو اسی وقت معلوم ہو گیا اور اسنے بجائے خود مسرت حاصل کی۔ مگر دیگر بلاد
کے سپاہیوں میں جو جوش و خروش پیدا ہوا۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ ترک سپاہی تاج و تخت کے کیسے وفادار و
جان نثار ہیں۔ ایڈریانوپل میں جیسے ہی یہ پیام پہونچا کہ سلطان کل سپاہیوں کو سلام کہتے ہیں ہر سپاہی
کے دل میں مسرت و جان نثاری کا جوش پیدا ہوا۔ اور عاطف پاشا نے جو وہاں کی جنگی کمان افسر ہیں۔ کل
معمول پر جا کر لشکر کو سنایا۔ جس مقام پر جم غفیر مجمع میں وہ خاص سلطانی الفاظ پڑھے گئے۔ تین تین دفعہ نعرہ
خوشی بلند ہوئے۔ اور کل افسروں نے ملکر ایک شکریہ کا ایڈریس روانہ کیا۔

ان سب واقعات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت امیر المومنین سلطان المعظم ایک اعلیٰ درجے کے فرمانروا

ہیں اور محض اُس رب کریم کا فضل و احسان ہے جس نے چودھویں صدی کے ایسے نازک زمانے میں ایسا بیدار
ہوش مستقل اور مدبر سلطان حمایت اسلام کے لیے پیدا کیا بیشک ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ ہم اس امر کو
اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہماری دینی و دنیاوی سرسبزی اس امر پر منحصر ہے کہ اپنے دینی و دنیوی سلطانوں کو
اپنے سچی دل سے خوشی خوشی مسرور رکھیں کیونکہ ہم اہل اسلام کے باغ زندگانی کے اشجار حسرت کا سرسبز و
شاداب ہونا رطوبت معاشی و طراوت معادی پر منحصر ہے حصول طراوت معادی اس امر پر موقوف ہے کہ ہم
اپنے وجود خاکستری میں آثار محبت موجود اور قبولیت طراوت آفتاب **شفقت سلطان السلاطین**
خاقان الخواقین مالک البرین والبحرین خادم الحرمین الشریفین خلیفہ رسول رب
العالمین امیر المؤمنین عبد الحمید خان ثانی الغازی خلد اللہ ملکہ وزاد اللہ سلطنتہ
پیدا کریں جس کی پرتاثیر صورت یہی ہے کہ ہم انکی نصرت و عظمت حشمت و دولت کے لیے بارگاہ
رب العزت سے ہمیشہ دست بدعا رہیں علیٰ ہذا القیاس حصول طراوت معاشی کا وجود اس پر منحصر
ہو رہا ہے کہ ہم اپنے خاکی دلوں کو آلات اطاعت و فرمانبرداری سے اس طرح نرم کر دیں کہ استعداد
سرایت **باران شفقت منبع الاحسان ابر کرم علیا جناب مادر مہربان ملکہ**
معظمہ کوین وکٹوریہ قیصرہ ہند ادام اللہ اقبالہا واجلالہا حاصل ہو
بے شبہ ان دونوں شفقتوں کے اتصال سے ایسی مفید قوتیں پیدا ہونگی جو بارآوری اشجار کے
لیے لازم ہیں ہماری ملکہ معظمہ ادام اللہ اقبالہا واجلالہا کا ابر کرم مادرانہ شفقت کے ساتھ ہماری سروں پر
سایہ کیے ہوئے ہے جو حسب تعلیم اسلام کے حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں ہے کہ انسان اس
جس سلطنت کے زیر سایہ امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہو اور جسکی حمایت میں اپنے دینی و دنیاوی
اصول کو آزادی سے برت رہا ہو اسی کا بدخواہ و بد اندیش ہو جاوے بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکرگزار نہ
ہوگا تب تک خدا کا بھی شکرگزار نہیں ہو سکتا بیشک مسلمانوں پر جن کو اخلاقی اور مذہبی قوتوں کا دعویٰ ہے
واجب ہے کہ وہ اپنی ایسی شفیق و رحیم گورنمنٹ کی ہر وقت مطیع و فرمانبردار اور اسکے ہر کام میں معین و
مددگار رہیں اور اسکے دشمنوں اور باغیوں کے مقابلہ میں جان نثار ثابت ہو کر وہ ظاہر کریں کہ جس سے ان کی
دونوں سلطانوں میں اتحاد کامل پیدا ہے اور یہ کام بیشک ہم سے ممکن ہے اگر ہماری گورنمنٹ ہم
سے کام لے۔

راقم نہال احمد صاحب سیلوی وغیرہ

(و) من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (مترجم)

ضمیمہ نمبر سوم (۳)

خلیفۃ المومنین سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی

منقول از پیسہ اخبار مورخہ ۱۲؍ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

دولت عثمانیہ جو تاریخ عالم کے زمانۂ وسطیٰ میں دنیا بھر میں ایک زبردست طاقت رہ چکی ہے کچھ عرصہ سے اس سلطنت پر ناگوار زمانہ سے کمزور ہوتی چلی آتی ہے ایسی نازک وقت میں یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں نے اس اسلامی طاقت کو کمزور کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور روس نے پچاس چھتیس کے قریب لڑائیاں ترکوں سے لڑی ہیں اسمیں شبہ نہیں کہ اگر یہ طاقت جو کہ روس نے سلطنت ترکی کی تخریب میں صرف کی ہے وہ کسی اور کسی دوسری طاقت کے مقابل میں صرف کرتا تو ایک عرصہ سے اسکے مقابل کا نام صفحہ ہستی سے اٹھ گیا ہوتا روس کا تو اس لیے کہ جو طاقت وہ ترکی کے مقابلے میں برسر جنگ میں صرف کرتا رہا ہے اس میں بہت کچھ حریف اقوام کی امداد ہوتی تھی اور مقابل ہر بار ہے سو فارغ ہو جاتی کہ اس بلا کے مقابلہ کیلئے یورپ میں کوئی دوسری طاقت نظر نہیں آتی شاید بعض لوگوں کا خیال ہو گا کہ انگریز روس کے مقابل ہیں اگر ایسا ہی ہے تو انگریزوں کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انگریزوں کو یورپ اور ایشیا میں ایسی بار و مقبوضات ہاتھ نہ آتے اور سلاطین یورپ میں اس قسم کا پولیٹیکل تعہد نہ ہوتا جیسا کہ آجکل ہے تو ابھی روس پیشقدمی کر جاسکتے خلاصہ یہ کہ اگر قوم ترکی میں اسلامی جوش اور ایشیائی بسالت کا بقیہ ثابت ہوتا تو آج ترکی یورپ کی کئی سلطنتوں میں تیر اندازی کی تقسیم ہو چکی ہوتی علاوہ اسکے ترکی کی خوش قسمتی کہ جیسا کہ گذشتہ جنگ روم و روس کے وقت انگلستان کے ایک معتبر اخبار نے لکھا تھا اگر سلاطین یورپ باہمیں اس امر پر متفق ہو جاتے کہ فلاں حصہ سلطنت فلاں کو ملیگا اور دوسرا دوسری کو اور انگلستان بھی اس تقسیم پر راضی ہو جاتا تو ترکی کے فتح ہو جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہ گیا تھا مگر انگلستان چونکہ ممکن نہیں کہ کبھی اس امر پر راضی ہو کہ دول اتحاد ثلاثہ میں سے کوئی طاقت ترکی پر متصرف ہو جائے کیونکہ اس طرح یورپ میں اس طاقت کو اس قدر اختیار ہو جاویگا کہ انگلستان کے قبضہ ہندوستان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگی

خیر یہ ایک پولیٹیکل مطلب ہے کہ جسکی بحث کی اس وقت ضرورت نہیں۔

سلطنت ٹرکی جب کہ اسطرح کمزور ہو گئی اور دن بدن ہوتی گئی۔ اور یورپ اعظم یورپ میں اسکا نام مرد بیمار مشہور ہو گیا۔ تو خداوند کریم نے اپنی حکمت بالغہ سے وہ عصائے سلطنت جو اعلیٰحضرت سلطان المعظم عبد الحمید خان ثانی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھا اس جانب بھیجا۔ وہ روشن ضمیر سلطان کی مسیحائی سے آج وہ مرد بیمار بالکل شفایاب ہو گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابھی نقاہت باقی ہے لیکن وہ بھی یقین ہے کہ عنقریب رفع ہو جاوے گی۔

سلطان عبد الحمید خان ثانی ۲۱ ستمبر ۱۸۴۲ء مطابق ۵ شعبان ۱۲۵۸ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ سلطان عبد الحمید خان کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ روم میں تخت نشینی کے لیے قانون یہ ہے کہ جو شہزادہ حرم سلطانی میں خاندان میں سب سے بڑا ہو اس کو حرم سلطانی سے جو باکرہ سے مستحق تاج و تخت سلطانی کا قرار دیا جاتا ہے جب سلطان کا جانشین اسکا فرزند اکبر ہوتا ہے جبکہ کوئی چچا یا چچازاد بڑا بھائی باقی نہ ہو۔ انکے والد ماجد کی وفات کے بعد تخت انکے چچا عبد العزیز کے ہاتھ آیا۔ مگر ۳۰ مئی ۱۸۷۶ء کو انکی معزولی پر تخت و تاج انکے برادر معظم محمد مراد آفندی کو ملا مگر چونکہ مجلس وزراء نے بوجہ فتور دماغی کے انکو بھی سلطنت کے قابل نہ پایا۔ تو ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء کو تخت انکے حصے میں آیا جس وقت سے آپنے عنان حکومت کو سنبھالا ہے سلطنت روم کے اقبال کا ستارہ پھر طلوع ہونا شروع ہو گیا ہے انکی حسن تدبیر سے قومی قرضہ دن بدن کم ہوتا جاتا ہے۔ تمام مالی اور ملکی بد نظمیوں اور ہر نوع کی خود غرضیوں کی اصلاح ہو گئی ہے۔ سلطان اپنے اوقات گرامی زیادہ مہام سلطنت کے نظم و نسق میں صرف کرتے ہیں۔ فوجی اصلاح کیجانب آجکل توجہ زیادہ مصروف ہے۔ بخلاف سلاطین ماضیہ کے نہ تو آپ کے حرم میں سینکڑوں خواتین اور کنیزیں ہیں اور نہ آپ کے دسترخوان پر اس قدر اسراف ہوتا ہے۔ جیسا کہ سلطان عبد العزیز کے وقت میں اور جب کہ ٹرکش پارلیمنٹ میں ایک مرتبہ نہایت تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا غرضیکہ آپ بڑے سادہ مزاج عارف اور دیندار بادشاہ ہیں۔ پرہیزگار اس قدر کہ آپنے حال ہی میں دول یورپ سے معاہدہ کیا ہے کہ ٹرکی سپاہیوں کے ہاتھ جہازوں میں شراب فروخت نہ ہو۔ اسیطرح حال میں ایک ارادہ (فرمان) جاری کیا ہے کہ ملک میں قرآن مجید صحیح چھاپنے کی طرف حد سے زیادہ کوشش کیجاوے اور احکام بہ خبر انتظام سے پورے طبع کیا جاوے۔ بحیثیت خلیفۃ المؤمنین آپ جمعہ کے روز کی نماز کے لیے مسجد میں بھی تشریف لیجاتے ہیں۔ یہ نظارہ واقعی قابل دید ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک امریکن سیاح اس کی بابت کسیقدر تفصیل سے لکھتا ہے ناظرین اس طویل حوالے سے حظ اٹھاویں۔

۱؎ قسطنطنیہ میں جمعہ کی نماز بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔ اگر سلطان اس معمول کو چھوڑ دیں تو لوگ

میں بڑی ہلچل پڑ جاوے۔ لیکن جب سلطان برآمد ہوتے ہیں تو ہمات ہزار فوج حفاظت کے لیے محلسرے عبادت
گاہ تک سڑک پر صف بستہ کھڑی رہتی ہے۔ سلطان کو مسجد حمیدیہ بہت پسند ہے جو نہایت خوبصورت سنگ مرمر کی بنی
ہوئی ہے اسکا مینار بہت بلند ہے اور اسپر طلا دار گنبد ہے وہاں سے باسفورس قسطنطنیہ اور دور تک دریا کا منظر
صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہ سلطان کے اس بڑے محلسرے کے متصل ہے کہ جس کا نام یلدیز کوشک ہے۔ یہ مسجد قسطنطنیہ کے
یورپین کوارٹر میں ہے جو پیرا کے نام سے مشہور ہے۔ یلدیز کوشک سے پیرا تک ایک چوڑی سڑک ہے اور اسکی ایک طرف
غیر ملک کے معزز زائرین کے لیے سلطان نے ایک مکان بنوا دیا ہے۔ سلطان کی تشریف آوری سے دو گھنٹے پہلے تیاریاں
ہوتی ہیں۔ پہلے کچھ گاڑیاں جن کی کراوہ دستار بند لوگ ہوتے ہیں صاف اور عمدہ ریت سے بھری ہوئی آتی ہیں۔
یہ ریت کی اونچی سی سڑک پر بچھا دی جاتی ہے چونکہ سلطان کا قدم نہایت مقدس خیال کیا جاتا ہے اسلیے جب کبھی سلطان
المعظم برآمد ہوتے ہیں تو سڑک پر بھی ریت بچھا دیجاتی ہے پھر پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ اور فوج کی آمد شروع
ہو جاتی ہے قطار قطار ایک ہی رنگ کے عربی گھوڑوں پر سوار صف باندھ دیتی ہیں۔ کیپٹن فوج کی ٹوپیاں بھی
اونچی لمبی ہیں۔ جنپر سفید آڑی کلغی ہے اور اسکی وردی بالکل نیلی ہے جن پر ایشیا کوچک کا رسالہ ہے
دامن کوہ کی نیچے کے فاصلے پر بیچ میں پیدل گھڑ سوار اور رسالے پرا جمائے کھڑے ہیں۔ جنکے چہروں سے ایک شان اور سطوت ظاہر
ہوتی ہے۔ ان سواروں کی وردی میں ترکی ٹوپی اور گلگتی سے سوار ایسے کھڑے جان ہیں کہ ان کے سینے خوب
چوڑے اور تنے ہوئے ہیں۔ دوسری سڑک پر پیادہ پلٹنیں ہیں جنکی کچھ کی وردیاں سبز ہیں اور کچھ کا لباس
سرخی مائل نیلگوں ہے۔ جب سلطان المعظم کی آمد کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ تو سڑکیں رنگین دریا بنجاتی ہیں اور سڑک
کے کنارے بہشت تمیز کا ایک عجیب و غریب قسم کا منظر نظر آتا ہے۔ اس مجمع کی داہنی طرف کچھ سفید سفید نظر
آوے گا جو کہ غبار رقیق سفید ریشم یا بادل کے ٹکڑے معلوم ہوں گے۔ جو زمین پر سپید سے قائم ہیں۔ لیکن جب ٹکٹکی
لگا کر دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ ہر ٹکڑے کے بالائی حصے پر دو دو سیاہ آنکھیں چمک رہی ہیں۔ یہ تمام ترکی
لیڈیاں ہیں جو سلطان کی زیارت کے لیے یہاں آئی ہیں۔ اب سرکاری افسروں کی آمد شروع ہوئی۔ عمدہ عمدہ
گاڑیوں پر سوار ہیں۔ جن میں عمدہ عمدہ گھوڑے جتے ہوئے ہیں۔ ان افسروں کے سینے تمغوں میں غرق ہیں
انکا لباس بھی یورپین وضع کا ہے۔ اور اس میں سنہری لیس لگی ہے۔ ٹوپیاں سرخ ہیں۔ ان لال ٹوپیوں سے
جو افسروں اور سپاہیوں کے سروں پر ہیں معلوم ہوتا ہے گویا انسانی پھولوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔ اب دس
ہزار آدمیوں کے منہ سے چیزوں کی صدا بلند ہے۔ اور دوسرے باجے کی سریلی آواز بھی معلوم ہوتی ہے۔
سلطان کی آمد کا غلغلہ ہے۔ غرض تھوڑی دیر کے بعد سلطان کی سواری بھی نمودار ہوئی۔ گاڑی میں
سیاہ رنگ کی ایک عمدہ جوڑی ہے۔ آگے آگے باڈی گارڈ کے سپاہی ننگی تلواریں لیے چلے آتے ہیں۔

کہ جیسی کمل سردی پہنتی ہے اور اسپر زری کا کام ہے۔ سر پہ لال ٹوپی ہے اور اس ہاتھ میں بید ہے۔
تمام زیبایش سامان طلائی ہے۔ لالٹینیں بھی طلا کاری ہیں اور گھوڑوں کا ساز و یراق بھی سنہری ہے۔
اس گاڑی میں تین آدمی سوار ہیں۔ سامنے ایک بڈھا آدمی جس کے بال سفید ہیں بیٹھا ہوا ہے۔ جو سلطان
کا منظور نظر ہے۔ سلطان المعظم گاڑی کے صدر میں متمکن ہیں۔ لباس نہایت سادہ ہے۔ سپاہیانہ کوٹ زیب
تن ہے اسپر لال گوٹ لگی ہوئی ہے قمیص اور کالر بھی اسی قسم کا ہے۔ فرق مبارک پہ لال ٹوپی ہے۔ جو ایک
ذرا کو ملی ہوئی ہے آنکھیں بڑی بڑی اور چہرہ گندمی ہے۔ قد لمبا اور چھریرا۔ سن شاید [illegible]
سے کم نہ ہوگا۔ پیشانی اونچی ہے۔ اور سیاہ گلچھے ہیں۔ جب مکان کے قریب سواری پہونچی تو
سلطان المعظم نے حاضرین کی سلام کے جواب میں اپنا سر اونچا اٹھایا۔ اس کے بعد سواری [illegible]
مسجد کیطرف بڑھی۔ اور جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو سپاہیوں نے اپنا منہ سلطان المعظم کی
طرف کر لیا۔ اور جب آدھ گھنٹے کے بعد سلطان المعظم پھر سوار ہوئے۔ تو سپاہی پھر اپنی اصلی
حالت پر آ گئے۔

وہی امریکن سیاح آگے چلکر سلطان المعظم کی تعریف میں حسب ذیل لکھتا ہے۔
"یہ ایک ایسی سلطنت پر خود مختار فرمانروا ہیں۔ جو متحدہ البلاد امریکہ کے نصف کے قریب ہے انکی
ایک زبان میں ۳۳ ملین سے زیادہ آدمیوں کی حیات اور موت ہے۔ یہ مذہب اسلام کے روحانی سرغنہ ہیں
دو سو ملین آدمی ہر روز نماز کے وقت انکا نام لیتے ہیں۔ ہندوستان شمالی افریقہ اور چین اور جنوبی
یورپ کے مسلمان انکو ظل اللہ کہتے ہیں۔ اور ایشیائے کوچک کے ترکوں کیطرح خلیفۃ الرسول مانتے ہیں
سلطان المعظم کے ممالک محروسہ کی سالانہ آمدنی دس کروڑ ڈالر ہے۔ خزانے جواہرات سے معمور ہیں۔ بیسیوں
شاہی مکانات اور منازل اور ہزاروں عربی گھوڑے ہیں۔ لونڈی غلاموں کا کوئی شمار نہیں ہر
سال سلطان المعظم کا حرم جسکو مشرقی حسن و جمال کا مخزن کہنا چاہیئے۔ جارجیا اور سرکیشیا کی بہترین
حسین اور نوخیز کنیزوں سے معمور کیا جاتا ہے۔ اگر جسمانی آرام و آسایش۔ روحانی کامرانی اور دنیوی
جاہ و حشم منتہائے زندگی ہیں۔ تو ہمیں ذرا شک نہیں کہ سلطان المعظم اپنی خلقت میں دنیا بھر سے
خوش نصیب ہیں۔"

ضمیمہ نمبر (۴) چہارم

حضرت سلطان المعظم کیسے جفاکش اور سادگی پسند ہیں

گریاتک کمپنی دو فروشان یورپی فرانس کی ایک سال گذشتہ کی جنتری میں حضرت سلطان المعظم کی نسبت ایک مختصر نوٹ چھپا تھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے

ان کا طرز خیال اور طریقہ رہائش تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ ان سے پہلے دوسرے شہنشاہوں کا ہوا کرتا تھا صبح سات بجے نو بجے وہ اپنے کتب خانے یا لائبریری میں جہاں مطالعہ کیا کرتے ہیں داخل ہوتے ہیں اور کاغذوں کو دیکھا کرتے درمیان جن میں ایک ترکی اخباروں اور مختلف اخبار و رسائل کے ہفتہ وار اور ماہواری پرچوں کا خلاصہ ہوتا ہے اور دوسرے کاغذات سلطنت کا پیش کیے جاتے ہیں سلطنت کا ہر ایک خط سلطان المعظم خود بغور پڑھتے ہیں جن کا یہ حال ہے کہ کبھی کوئی تحریر بغیر دستخط نہیں کرتے جب تک کہ وہ اول سے آخر تک پڑھ نہ لیں جب وہ دونوں طرح کے کاغذات کا مطالعہ کر چکتے ہیں تو پھر وہ صبح کا ناشتہ بغیر شراب کے تناول فرماتے ہیں۔ اس وقت میز پر جو برتن چنے جاتے ہیں اگر وہ تنہا کھانا کھاویں تو چینی کے ہوا کرتے ہیں لیکن دوسری صورت میں سونے کے ہوتے ہیں کھانا کھا چکنے کے بعد سلطان المعظم کا معمول ہے کہ وہ یا تو بگھی پر سوار ہو جاتے ہیں یا اکثر چہل قدمی میں مصروف ہوتے ہیں جس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ پھر اپنے کتب خانے میں چلے جاتے ہیں اور رات کے اس وقت تک کام کرتے رہتے ہیں جب تک کہ اُن کا دن کا کام ختم نہ ہو جائے۔

سلطان المعظم کی وہ زندگی جو وہ محلات میں بسر کرتے ہیں بہ نسبت ان خیالات کے جو عوام میں مشہور ہیں بالکل برعکس ہے۔ یہاں حرم سرا کے معنی ہی کچھ اور ہیں اور آپ کے حرم میں کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ وہ صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ جو اُن کی پسند خاطر ہے اپنے دن بسر کرتے اور بادشاہوں کی طرح اُن کو چین سے گذارتے ہیں جن کو اتنی محبت ہے کہ انہوں نے اُن کی حالت کی بیماری کے دنوں میں کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور تمام وقت ان ہی کے پاس بیٹھ کر کاٹ دیا کرتے تھے اُن کی لڑکی نعیمہ سلطانہ کو یورپین وضع کی تعلیم دی گئی ہے اور وہ پیانو بجانے میں ایسا کمال رکھتی ہے کہ اس کے ساتھ کی اور کوئی کم ہوگی۔

اعلیٰحضرت عبد الحمید خان ثانی بڑے پکے مسلمان ہیں لیکن پھر بھی جانتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کا بادشاہ ہوں اسی طرح یونان اور آرمینیا والے بھی میری ہی رعایا ہیں اور نہ صرف اپنی قوم کے جو

و مستعدین کو بھی تحائف ارسال کیا کرتے ہیں بلکہ یونان و آرمینیا کے پادری بھی ان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں

ضمیمہ نمبر پنجم (۵)

اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی کی بے تعصبی

اس مضمون کو ایک عیسائی اخبار کیتھولک ٹائمز ساؤنڈ نامی لکھتا ہے

سلطانی عملداری میں کیتھولک گرجا کو جو آزادی حاصل ہے اور اسکی جو عزت ہے وہ جو کن لوگوں کی سمجھ میں بھی نہ آئے گی جنہوں نے اس عملداری کو نہیں دیکھا ہے سب گرجا۔ خانقاہیں۔ مدرسے و شفاخانے ٹیکس سے بری ہیں اور رعیت کیوجہ بے قرار رکھی ہے کہ یہ سب چیزیں فائدہ عام کی ہیں جن سے سلطنت کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے جب یہ لوگ مقدمات میں جو عیسائی کیتھولک کرتے ہیں تو انکا مقدمہ ترکی عدالت نہیں فیصل کرتی بلکہ پادری یا بشپ کے وکلا تجویز کرنے کے مجاز ہیں قسطنطنیہ کی سڑکوں پر جو کانسٹیبل کھڑے ہوتے ہیں وہ پادری یا کسی ننّ یا کورس کرنی کو دیکھتے ہی ہتھیار رکھ دیتے ہیں۔ اور اس عیسائی جلوس کے ساتھ ہمیشہ ترکی فوج آگے آگے جلو میں ہوتی ہے اور جب کسی پلٹن یا فوجی مقام کے پاس سے یہ مذہبی جلوس گذرتا ہے تو گارڈ رستہ کر دیتے ہیں۔ ادھر یہ بھی حق ہے کہ ترکی عملداری واقع ایشیا میں چھ لاکھ پیرو نامیٹ کیتھولک رہتی ہیں۔ انکو پورا پورا امن ہے لبنان پر جو حاکم ہے وہاں کا گورنر بھی سلطان معظم نے عیسائی ہی مقرر کر دیا ہے۔ فلسطین اور وادی نیل کے فرانسسکن کیتھولکوں کی بھی مسلمان بہت عزت کرتے ہیں حال میں سلطان معظم نے یروشلیم کے سردار پادری کو اوّل درجے کے مجیدی تمغے کا اعزاز بخشا ہے جو مسلمانوں کو بھی بمشکل میسر ہے۔

اسی قسم کا ایک بیان ہم ایک دیگر اخبار سے لیتے ہیں جو ملک انگلستان کے شہر لیورپول میں چھپتا ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ۔

سلطان انگلستان کی دوستی پر فخر کرتے ہیں اور ان دنوں کو بہت خوشی سے یاد کرتے ہیں جب کبھی گذشتہ زمانہ میں انگریز و نیز روس کی مدد کی ہے۔ چنانچہ جنرل ایٹشل جو انگریز سپاہی بھائیوں کی قبریں کریمیا میں دیکھنے گئے تھے سلطان نے بڑی عزت کی یہ جنرل انکرمین کی لڑائی میں سلطان کی طرف ہو کر روسیوں سے کمال دلیری کے ساتھ لڑے تھے۔ انگریزی ایلچی نے جنرل صاحب کی آمد کی اطلاع سلطان اعظم کو کی سلطان معظم نے فوراً انہیں طلب کیا اور اثنائے گفتگو میں انگریزی فوج کے بڑے احسانات روس کی نسبت بیان فرمائے اور انگریزوں کی تعریف کی۔

اور فرمایا کہ میں اس زمانے میں لنیڈ والاجہ کے ساتھ ستوطرہ گیا تھا اور تمہاری فوج کا معاینہ کیا تھا۔ اور
جنرل کنیٹ کو جدید تمغے ڈالے ہوئے دیکھ کر جو انہیں جنگ کریمیا میں عطا ہوا تھا بہت خوش ہوئے۔ اور
سے زیادہ مسرت یہ پاسنی کہ رنیڈ کا رڈ کا تمغہ بخشا اپنے ہی کل میں گئی ہو چکی ہے اور بڑی توجہ سے جنگ کریمیا
کی باتیں کرتے رہے اور ان سے کریمیا کی سیر کا حال پوچھا۔ روم میں فوجی مقامات اور یادگاریں دیکھنے کی کسی کو
اجازت نہیں ہے۔ مگر ان جنرل صاحب کو بلکہ سلطان المعظم نے انکو اعزاز سے لا دیا اور فرماتے تھے کہ
میں انگلستان کا بہت مداح ہوں کہ اسنے روس کے مقابلہ میں ٹرکی کی حمایت کی ہے

(اخبار اسلام آگرہ ۔ ۵ ۔ اگست ۱۸۹۳ء)

ضمیمہ نمبر (۶) ششم

سلطنت ٹرکی

(منقول از ٹریبیون ۔ مورخہ ۳۰ ۔ ستمبر [illegible])

جناب سلطنت عثمانیہ کو انگریزی مضمون نگار تاریکی اور جہالت میں مبتلا بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
چونکہ اس سلطنت نے مدت سے کوئی ترقی نہیں کی اسلیے آج نہ ڈوبی تو کل ڈوب جائیگی۔ بلکہ یہ جانتا [illegible]
کر دیا جاتا تو مرد بیمار کہنے لگے ہیں اس بات کا ذکر کرنے کی احتیاج نہیں ہے کہ اس صدی میں بہت موقعوں پر
ترکوں نے سب سے قوی جنگی طاقت جیسے روس سے لڑائیاں لڑنے میں نہایت بڑی جرات اور بہادری ثابت کر
دی ہے چنانچہ اسلحہ سازی کی ترقی اور استعمال کے فن جنگ میں کسی مشرقی طاقت سے پیچھے نہیں ہیں۔
اب انکی اندرونی قومی اور ملکی حالت کی بابت سو چند سطور ذیل جو ایک پیرس کے روزانہ اخبار [illegible]
میں لکھے ہیں تو دنیا کو اس بات کا اطمینان دلانے کو کافی ہیں کہ ٹرکی میں سلطان حال کے عہد جلوس سے نہایت ہی
ترقی ہوئی ہے اس امر کا مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے ہر ایک مسلمان کو جو اس سلطنت عظیم کی خوشحالی
کا چاہنے والا ہے یہ خوشی بخشیگا اخبار مذکور حسب ذیل رقمطراز ہے۔

سلطان المعظم عبدالحمید دام اقبالہ کے سنہ جلوس کی ستر ہویں سالگرہ کو ہم ان چند سطروں کے
شروع کرتے ہیں [illegible] بادشاہ کی حکومت میں کہ جو نہایت ہی سخت مشکل کے دنوں میں سلطان محمود کی موت
کے زمانے سے لیکر آج تک اپنی سلطنت میں ایک خلیفۃ المسلمین کی روایتی تدبیر حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا

ہے جیسی کہ ایک بغیر گذرے نہیں دیکھتا ہوں۔

ہم کو اس مذہبی آزادی کی جو اس عثمانی سلطان نے اجازت دی اور کسی نے دی اور جس کی کہ تقلید بہت سی مشرقی قوموں پر واجب ہے دل سے عزت کرنی چاہیئے حضرت سلطان المعظم نہ صرف ترکوں کے مذہبی عقائد کی عزت کرتے ہیں بلکہ تمام مذہبوں کے معتقدین کا دوسروں کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور انکی دریا دلی اور فیاضی تمام غیر ملکی اور رعایا کے کاموں کو تعلیمی درسگاہوں پر بلا تمیز قوم اور مذہب یکساں مبذول ہوتی ہے۔

اگر ہم ان متفق علیہ نتائج پر جو سلطان المعظم موصوف نے ملک کی مالی حالت کی ترقی کے متعلق حاصل کئے ہیں مد ترقی بھی اضافہ کریں کہ جو زراعت کو رونق دینے اور مختلف انواع کی صنعت و حرفت کو جاری کرنے سے پیدا ہوئی ہو تو ہم با آسانی اس جوش اور سرگرمی کو سمجھ سکیں گے جس کو رعایائے عثمانیہ نے سلطان المعظم کے جلوس کی تیسویں سالگرہ کی خوشی منانے میں ظاہر کر رہی ہے اور جس کی نظیر کوئی ملک مثال نہیں پیش کر سکتا سلطان المعظم موصوف جن کو ان مختلف قوموں کے درمیان کہ جو انکی دوستی کے متلاشی ہیں ہمیشہ قوت سلطانی اور حکمت عملی کا اختیار رکھنی پڑتی ہے پھر ایک دفعہ اور بھی اس بات کو علانیہ ثابت کر دیں گے کہ انہیں ملک جرمنی کی نسبت وہ خیالی پاسداری جو بعض یورپ کے اخباروں میں ان کی طرف منسوب کی ہے ہرگز نہیں ہے اور امید کہ وہ سب خیالات صرف ہمیشہ اپنی سلطنت کی بہبودی کی خاطر ان کو دل میں لایا کرتے تھے۔ لیکن ملک فرانس کی نسبت بھی انکی ہمدردی کبھی مخفی نہیں رہی۔

سلطان المعظم عبدالحمید خان وہ سلطان ہیں کہ جنہے اپنے خیالات میں سیکھا تو بہت کچھ کیا ہے اور فراموش کچھ بھی نہیں کیا۔"

(راقم ہنا جیند از پیرس یکم ستمبر سنہ ۱۹۰۰ء)

ضمیمہ نمبر ہفتم (۷)

رعایا کے دلوں میں سلطان روم کی وقعت

جناب ایڈیٹر صاحب جریدہ ... لکھتے ہیں اپنے بادشاہ اور حکمران کی عزت اور محبت رعایا کے دلوں میں ہونی بہت بڑی اور مستحکم دلیل اس بات کی ہے کہ بادشاہ ہمیشہ اپنے ارادوں اور رعایا اپنی مرادوں میں کامیاب اور سرسبز رہیگی۔ بادشاہ کے واسطے اس سے زیادہ اور کوئی مسرت کا باعث نہیں ہو سکتا کہ محبوب

اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی

کے

کیرکٹر کا اجمالی بیان مرقومہ مسٹر ڈبلیو۔ ٹی سٹیڈ صاحب ایڈیٹر رسالہ

ریویو آف ریویوز

مضمون مندرجہ عنوان کی طرف کتاب وقعات دوم کے صفحہ ۵ پر مجملاً اشارہ کر چکا ہوں اب جبکہ عمدہ تحفہ کا ترجمہ بطور ضمیمہ شامل کتاب ہذا کیا جاتا ہے مسٹر ٹامس ولیم سٹیڈ صاحب انگلستان کے نہایت مشہور و معروف ایڈیٹروں و نامہ نویسوں کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اپنی پرزور تحریروں کے ذریعہ سے نہ صرف علمی دنیا میں بلکہ پولیٹیکل عالم میں بھی اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ناظرین کو اس مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہو جاوے گا۔

ایسے عالم و فاضل شخص کا دامن بھی تعصب کی آلودگی سے محفوظ نہیں ہے وہ راستگو اور منصف مزاج بننے کی کمال کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں بسا اوقات کامیاب بھی ثابت ہوا ہے۔ مگر اگر کہیں مسٹر گلیڈسٹون کی طرح ترکوں کا نام بیچ میں آ گیا تو مسٹر سٹیڈ صاحب کو تعصب ہی یا اعتقاد قومی ہٹ دھرمی اور ضد کے عمیق گڑھے کی طرف کھینچنا شروع کرتے ہیں جس کے بچنے کے لیے وہ گاہ بگاہ بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن عموماً دیکھا گیا ہے کہ وہ اس جد و جہد میں شاذ و نادر فائز المرام ہوتے ہیں مضمون مندرجہ عنوان میں مسٹر موصوف کی طبیعت کی یہی کیفیت ہے جس کا نقشہ بالاختصار کھینچ دیا ہے۔ اعلیٰحضرت امیر المومنین کی فہم و فراست خداداد لیاقت حکمت و دانائی اور رعیت پروری و فلاح و بہبودی ملک و ملت کے بے تعداد کارناموں کو دیکھ کر بے اختیار انکی قلم سے جو صفت و ثنا کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ مگر تعصب کا سیاہ بھوت جو سر پر مسلط ہوتا ہے اسکی حالت بگڑ بدل جاتی ہے۔ اسکی حق انصافی نے جن عبارات کے لکھنے پر اسے مجبور کر دیا ہے۔ اگر وہ کسی طرح سے اپنے دل کی وہمی خیال کر لے گا جاتا ہے اور اس کمزوری کی تلافی کیلئے تعریف تو سلطان المعظم کی ذات بابرکات پر بھی کھلی چوٹیں اور ترکی قوم پر کھلم کھلا حملے کر دیے جاتے ہیں۔

ناظرین باتمکین شاید یہ اعتراض کریں کہ جب یہ شخص متعصب و ایسا ہی ہے تو اس کے مضمون کو کتاب میں

مندرج کرنے کی کیا حاجت تھی۔ میں نہایت مؤدبانہ طور پر اُس کے جواب میں التماس کرتا ہوں کہ جب ایسا خوردبین متعصب نکتہ چین تک باوجود سلطان المکرم کے افعال و عادات میں عیوب نکالنے کی بیحد کوشش کرنے کے بالکنایت اس امر کا اعتراف کرنے سے نہیں رک سکا۔ کہ حضور ممدوح الشان کے اوصاف کا پلڑا بالنتیجہ بھی بھاری ہی رہا ہے۔ تو ایسی کتاب میں جو محض خلیفہ رحمۃ للعالمین کے قیامت تک یادگار رہنے والے کارناموں کے بیان و تفصیل میں لکھی گئی ہو مضمون مذکور کا شامل نہ کرنا ایک صریح کوتاہی شمار ہوتا۔ علاوہ بریں ناظرین کو یہ دکھانا بھی منظور ہے کہ بعض مہذب اقوام کے بڑے بڑے لیڈر اور علما و فضلا آجکل بھی جو فضیلت تہذیب پر زور قلم کے بھروسہ پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوششوں سے مطلقاً احتراز نہیں کرتے۔ ہمیں کوئی کلام نہیں کہ مسٹر معروف کے بعض اعتراضات بادی النظر میں بڑے زبردست معلوم ہوتے ہیں مگر میں نے جا بجا حتی الامکان انکی کمزوری اور بودے پن کو واضح طور پر دکھلا دیا ہے تاکہ ناظرین اُن کے مطالعہ سے مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔ اور انکے دلوں میں شک پیدا ہونیکا احتمال نہ رہ جاوے۔

مضمون کو شروع کرنے سے پہلے میں صاحب موصوف کی مختصر سوانح عمری اور انکی تصنیفات کا ذکر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ وہ پادری ڈبلیو سٹیڈ مذہبی امام قصبہ کوڈن ٹائن کے فرزند ارجمند ہیں۔ ۵ جولائی ۱۸۴۹ء کو متولد ہوئے۔ اور ۱۸۶۳ء میں بمقام ساکوٹس پرائیویٹ طور پر شادی کی ۱۸۶۳ء میں ابتداءً بمقام نیوکیسل کی تجارتی کوٹھی میں ملازم ہوئے ۱۸۷۱ء میں اخبار ناردرن ایکو کی ایڈیٹری اختیار کی ۱۸۸۰ء میں مشہور ادیب مدبر مسٹر جان مارلی کے تحت لندن کے نامور اخبار پال مال گزٹ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہوئے۔ اور ۱۸۸۳ء میں مسٹر موصوف کی جگہ اعلیٰ ایڈیٹر ہو گئے۔ مگر اخبار مذکور سے پھر جلدی ہی قطع تعلق کر کے انہوں نے خود اپنا ایک ماہواری رسالہ ریویو آف ریویوز نکالنا شروع کر دیا جس کو کل انگریزی دنیا نے ایسی مقبولیت کی نظر سے دیکھا کہ بہت کم اخباروں یا رسالوں کو ویسی کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ یکم جنوری ۱۸۹۰ء سے رسالہ مذکور کا اجرا ہوا اس برس شروع ہوا ہے۔ اور انکی اشاعت اب کئی لاکھ تک پہونچی ہوئی ہے مضمون زیر بحث دسمبر ۱۸۹۶ء کے رسالہ سے اقتباس کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں یا سلطان اعظم ہی کے برخلاف اس شخص نے دل کے پھپھولے نہیں پھوڑے ہیں۔ بلکہ کل دنیا میں شاید ہی کوئی شخص اس دور ثانی کا ہو جو صحیح و قبیح یا منصفانہ اور بے جا گرفت سے بچ سکا ہو۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ انسان آخر ضعیف البنیان ہے۔ ہر ایک شخص میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ اصحاب نوع انسان کی معمولی کمزوریوں پر خوردہ گیری کرنا گویا فطرت یا نیچر پر معترض ہونا ہے مگر اس عیب کے ساتھ ہی مسٹر موصوف میں ایک وصف بھی بہت بڑا ہے کہ کسی کی خوشامد یا نکتہ چینی کی مطلقاً کوئی پرواہ نہیں۔ بلکہ جس طرح ضمیر ہدایت کرے اس طرح کرتا ہے۔ اور عموماً مظلوموں اور ستم رسیدوں کی حمایت و

طرفداری کرنا اپنا بڑا بھاری فرض تصور کرتا ہے چنانچہ مئی اور جون ۱۸۸۹ء میں روس کی سیاحت کرنے کے بعد اس نے بیویوں کی مظلومیت اسیدیلیسی اور روسی گورنمنٹ کی ظلم شعاری اور جور و تعدی پر دو جوان رسالوں میں لکھکر ان بیچاروں کی حمایت کرنے کیلئے ۱۸۹۰ء میں آنریبل سٹیڈ جا کر وہاں کے قحبہ خانوں کی حالت زار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر انکی حمایت میں غضب کے مضامین لکھکر گورنمنٹ کو ترمیم قانون انگلستان پر مائل کر دیا۔ انگریزی بحری طاقت کی اصلاح اور مضبوطی کی طرف انہی کی تحریروں کی وجہ سے توجہ ہوا۔ نمبرخ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں انگریزی بحری طاقت کی کمزوری اور نقائص پر شائع کئے جو ہوئے اور مسٹر سٹیڈ ہی کی چونکا دینے والی تحریر کا اثر ہے کہ آج صرف گیارہ برس کے عرصہ میں انگریزی بحری طاقت تقریباً دوگنی ہو گئی ہے۔ ۱۸۹۰ء سے انہوں نے شعرائے انگلستان کی تصانیف ہفتہ وار پینی (ایک پیسہ) کی بابت کے رسالوں میں شائع کرنی شروع کی ہیں جن کی بالعموم ہر چار مہینوں میں ہر ایک لاکھ جلدیں فروخت ہو رہی ہیں وجوہ سے مسٹر سٹیڈ لبرل گروہ میں شریک ہیں اور مذہبی اعتقادات کے لحاظ سے کچھ عرصہ سے عقیدہ سپرچولزم کے قائل ہیں

ہم تمہید کو ختم کر کے اب ہم اصل دعا کی طرف آتے ہیں۔ وھو ہذا۔

امیر المومنین سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی

دور شہود آرزمان۔ مرکز امانی۔ وارث سلطان البرین والبحرین تاج الممالک تاج الملوک خلیفۃ اکبر ظل اللہ علی الارض خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المظفر المنصور الغازی سلطان عبد الحمید خان ثانی خلد اللہ ملکہ وحشمتہ الی یوم القیام ولازالت شوکتہ بارز غنۃ الی انتہاء دوران کہ بر در دولت فلک نقش رحم و انصاف دست بستہ ایستادہ نظر جملہ اقوام و شاہان فرنگستان بجانبش کشیدہ۔ و فرمانروایان جہان بر حشمت و شوکتش حیران ماندہ۔ جملہ جہانیان از خرمن الطاف و اکرام اش فیض یافتہ۔۔ رب کریم از حشمتہائے بے فیض و برکت ارادہ ہائے نیک آن شہنشاہ عالیمقام جمیع ساکنین روئے زمین را مستفید و بہرہ ور گرداناد و بعلو جاہ و شکوہ آن والا اجداد از شمس و قمر درخشان تر گرداناد اخبارات ترکی بحوالہ رسالہ ... لنڈن مورخہ نومبر ۱۸۹۸ء آمین ثم آمین یا رب العالمین بجاہ ...

سلطان المعظم حضرت امیر المومنین کے ان تمام القاب و خطاب کو جن سے ایشیائی طریقہ سے ہر ایک فرمانروا کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ مسٹر سٹیڈ عنوان میں بطور استہزاء لکھکر دعائیہ فقرات کے جواب میں تو آمین آمین پکارنے سے مضمون کو شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ ہی سے حضور ممدوح پر دو چار ایسے تیر چلا جاتے ہیں۔ کہ خیر و برکت اور نیک نیتوں کا جو سرمایہ سلطان المعظم کے پاس ہے سب معلوم ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ جہنمی فرقوں اور عقوبتوں کی ان کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

ایک اصول پر راہ ہو کر رعایا کے دلوں میں یہ ہیبت قائم رکھی جائے۔ اس ہیبت بٹھانے سے انہوں نے اپنے تئیں پانچ صدیوں سے قیاصرہ کے تخت پر قائم رکھا ہوا ہے اور سمجھو کہ اب جا و زیادہ عرصہ کیلیے کافی ہیبت نہیں بٹھا سکتے۔ انکی سلطنت تنزل کی حالت میں ہو رہی ہے سلطان عبد الحمید خاں نے اس تنزل کو دور کرنے کیلیے بے شک کشت و خون سے ٹھیک اسطرح کام لیا جیسے انگلستان کا وزیر اعظم اپنی طاقت کو پھر مضبوط کرنے کیلیے پارلیمنٹ توڑ دیتا ہو مظالم ترکوں کیلیے ایسی طبعی ہیں جیسے کہ پارلیمنٹ انگریز والی قوم کیلیے عام انتخاب فرمانرواؤں کے احکام کو بادقعت بنانے کے واسطے قدیم الایام سے ترکوں کا یہی طریقہ چلا آتا ہے اور یہ طریقہ لا کلام مغربی تہذیب کے سخت ناگوار ہے سلطان المعظم انیسویں صدی کی آخری لڑائی میں تہذیب کی ضد موجود ہیں جو شخص انکا ایک مہذب شہنشاہ تعین کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنی امید و کو باطل ہو جانے پر قدرتی طور پر اس کے برعکس خیال کرتے ہیں مگر جن شخصوں نے ایک لفظ کیلیے بھی یہ کبھی فراموش نہیں کیا کہ ترک بعض ایک پرانا وحشی ہے جو اس تہذیب کے ابتداء ات میں جس کو اسنے تباہ کیا ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔ یہ شخص خاندان عثمان کے آخری فرمانروا کا خصائل کا اندازہ لگانے میں بہت زیادہ درستی کیساتھ کام لے سکتے ہیں کیونکہ وہ انکی قوم اور اپنی قوم سے کم تر شمار ہے۔

اس مضمون میں بھی اسی کلیہ قاعدہ سے جیسے دیگر اشخاص کے خاکہ و خصائل بیان کرنے میں اچھا کام لینے کی کوشش نہیں کرونگا۔ میں اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید خان کو ویسا بیان کرنے کی کوشش کرونگا جیسا کہ وہ خود اپنا بہتر سے بہتر اندازہ لگا سکتے ہیں نہ کہ ویسا جیسا کہ انکے بدخواہ اور مخالفین انکا بری سی بری اندازہ لگاتے ہیں اگرچہ یہ ناممکن ہوگا کہ انکی نسبت تحریر کرتے وقت ہم بھلائی یا برائی کے وہی اصول قائم رکھیں جو سلطان المعظم نے قائم کیے ہوئے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ سلطان کے اصول کی نسبت رائے قائم کرتے وقت ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ تند بیج کسی ہنا فات کو جہاں عموماً افراد سکونت پذیر رہتے ہیں۔ ایک نہایت ہی نفیس مزاج اور پھونک پھونک کر زمین پر قدم دھرنے والے باشندے ہیں۔ اور اگر شروع کرنے سے پہلے ہم یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لیں کہ سلطان کیلیے قتل و خون کرنا ایسی ہی قدرتی اور طبعی عادت ہے جیسے کہ امریکہ کے سرخ اندام حبشیوں کیلیے دشمنوں کا چڑہ کھینچنا۔ تو ہم اسکا ایک ایسی چیز سے پیچھا چھڑا لیں گے جو سلطان المعظم عبد الحمید کی پوزیشن کے سمجھنے میں نہایت ہی مہلک اور اہم ہوتی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اور سے دوسرے پر ذرا سچ سمجھکر تیر پھینکے جاتے ہیں حضرت پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر اپنی مسیحی اقوام یا گورنمنٹوں کی کیفیت تو دیکھیں ہوتی پھر ترکی گورنمنٹ یا مسلمانوں پر جس قدر ہو چاہتے الزام لگاتے عربی میں مثل مشہور ہے کہ حب الشیئ یعمی ویصم بعینہ وہی کیفیت تعصب اور عناد کی ہے۔ مسٹر سٹیڈ کو ہم اس کے سوا اور کیا جواب دے سکتے ہیں کہ ؎ چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ۔ عیب نماید ہنرش در نظر

فصل دوم

اعلیٰحضرت سلطان عبد الحمید خان بحیثیت سلطان

تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ایک مورخ نے سلطانی محل کی بابت اس طرح تحریر کیا "یلدز کوشک یعنی محل سلطانی میں جلتے اچھے زمانوں کے سارے ہمایون، کسطرح وہ تمام اشخاص جنکا شہزادہ کی کہانیوں (الف لیلہ) میں بیان ہے یعنی خواجہ سرا، ملا، پاشا، بے، نجومی، غلام، بیگمات، خاتونیں، تمام لڑکیاں، سرکیشیا اور جارجیا (کوہ قاف) کی کنیزیں جن سبنے اپنی تن پروری اور تیہری ہی کو زندگی کا اصل مدعا سمجھا ہوا ہے موجود ہیں۔ اور ان خوشنما لوگوں کی اس چھوٹی سی پہاڑی پر سلطان کی دلچسپ تصویر سب کے علاوہ ایک موثر انداز میں کھڑی ہے"

اس خوشنما پہاڑی پر جب (اعلیٰحضرت) عبد الحمید بطور سلطان ٹرکی تمکن کیے گئے تو حالت ایسی ابتر تھی کہ اسے دیکھکر مضبوط سے مضبوط دل و گردہ کا آدمی بھی لرز جاتا اور ہر یکا رنگ فق ہو جاتا۔ مگر غالباً سلطان کی لاعلمی و جہالت اس کٹھے وقت میں انکے کام آگئی۔ کیونکہ اگرچہ وہ نادان تو نہیں ہیں۔ لیکن تمام امیر ترکوں کی طرح آجتک بھی ان تہیدی واقعات و اسرار کو جو موجودہ دنیا کی سطح کی تہ میں چھپے ہیں سمجھنے میں پورے پورے کامیاب نہیں ہوئے۔ اگر اسوقت انکے علم و معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا یا انکی قوت تخیلہ زیادہ تیز و مشتعل ہوتی تو شاید وہ بھی سلطان مراد کی حالت کو پہنچ جاتے (یعنی نصیب اعداء وہ بھی دیوانہ ہو گئے ہوتے)"

بالکل یکہ و تنہا

سلطان المعظم عبد الحمید کو جب ان اشخاص نے جنہوں نے انکے چچا اور بھائی کو معزول کیا تھا انکے گوشہ تنہائی اور کنج عافیت سے نکالکر تخت سلطنت پر جو اندرونی بغاوت اور بیرونی حملہ و جنگ کے صدموں سے ڈگمگا رہا تھا لا بٹھایا تو ایک واحد شخص بھی ایسا دوست نہ تھا جسپر وہ بھروسہ کر سکتے۔ اور نہ ہی وہ امور سلطنت اور حوزہ مملکت سے کچھ بھی آگاہی رکھتے تھے۔ نہ خاندان کے متعلق انکو کوئی تربیت ملی تھی۔ اور نہ ہی انکو اسکے لیے تیار کیا گیا تھا صرف ادراک خداداد۔ جوہر ذاتی (دنیا کے نہ یہ جوہری پہچانتا تھا) سلطنت کی حالت ایسی بدتر تھی کہ انکی آخری کامیابی پہنچ گئے معلوم ہوتے تھے۔ دول اجنبیہ میں یہی ایک رائے تھی کہ وہ مددگار رہیگی لیبیان مملکت اور تمام پاشاؤں میں ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جسکی نسبت وہ یقین کر سکتے کہ اگر ذاتی منفعت یا پبلک پالیسی (مصلحت عامہ) متقضی ہو تو وہ انکو گلی ہی تخت پر سے نہ اتار دیگا۔ خزانہ بالکل خالی پڑا تھا

تخت نشینی سے کئی برس پیشتر جب کہ وہ ابھی نو عمر ہی تھے وہ اپنے چچا کے ساتھ اُس مشہور و معروف یوروپی سفر میں شریک تھے جسکے دوران میں سلطان عبد العزیز مرحوم لندن بھی داخل افروز ہوئے تھے اور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی مہمان نوازی کے عالم ایسے اُنکی (شہر کیونسبری) دعوت کی تھی لندن میں یہ کہا گیا تھا کہ پرنس عبد الحمید نہایت ہی شرمیلے کم سخن اور تنہائی پسند طبیعت کے نوجوان ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ دوران قیام لندن میں شاہزادہ بکنگھم پیلیس (محل) کے ایوانوں میں ٹہلتے وقت اگر وہ کسی آدمی کو سامنے سے آتا دیکھتے تو درختوں کی آڑ میں چھپ جاتے۔ اُنکی طبیعت میں خود نمائی اور مزاج میں خودستائی نہ تھی (ڈنمارک کے شہزادہ ہملٹ کی طرح (جسکی کہانی شکسپیئر نے اپنے ناٹکوں میں لکھی ہے) (۱) بگڑے معاملات کو سدھارنے اصلاح دینے کا کام سپرد ہونے کو اول اول یہی سمجھے کہ تقدیر نے کوئی برا انتا بدلا لیا ہے مگر ہملٹ کے برخلاف عبد الحمید (زاد اللہ ملکہ و حشمتہ) مسلمان اور ایسے خاندان کے شہزادے تھے جس نے نسلاً بعد نسلٍ ایسے ایسے بہادر اور مدبر پیدا کیے ہیں۔ جو عیسائی دنیا کے لیے خوف اور دہشت کا موجب اور مشرقی دنیا کی آنکھوں کا تارا تھے۔ اسی لیے جب اُنکو اس بوجھ کے اوٹھانے کے لیے پکارا گیا تو انہوں نے اپنا کندھا آگے کر دیا کوئی پس و پیش نہ کیا۔ اور (اپنے خدا پر بھروسہ کرکے) سلطنت کے جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔ حکیم ؎

دریں ورطۂ بے پایاں دریں طوفان موج افزا ✦ دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا

ہیکل دکھایا گو اسوقت اسکا ہے کرنیکے بعد ہر حال میں استعداد باتیں بھی موجود نہ تھیں جنکی بہ گماں کی۔ معمولی گروہ سپاہی میں فوج جرار کا گمان کرنے کے لیے ہو سکتی ہیں یعنی بہت ہی کم تھے۔

مدحت اور اُس کی مجلس آئینی

جب اعلیٰحضرت سلطان ہوئے اُس وقت مدحت کو کانسٹی ٹیوشن (مجلس آئینی) کے انعقاد کا اعلان کرنے کی جلدی میں دھول اڑانے کا خیال سوجھا سلطان المعظم نے اُسکو منظور کر لیا کیونکہ اسوقت وزیر اعظم اگر کوئی اور بھی تجویز سوچتا تو وہ غالباً اُسے منظور فرما لیتے مگر وہ اسے دل کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے اور پہلا موقع ملتے ہی

(۱) اس مسلمہ شہزادہ ڈنمارک کا نام ہملٹ نہایت مشہور ڈرامہ ہے جسکا ترجمہ بھی ہو چکا ہے جو متن عہد حکومت میں ہے۔

ملک یہ پہلے حضور کی کمال دانائی اور تدبیر کا ایک بڑا ثبوت ہے کہ ابتدا میں بالکل خاموش بیٹھے اپنے زبردست سازشی وزراء کا تماشا دیکھتے رہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا منظور کر لیا مگر در اصل سلطنت کے کل عہدے سے واقفیت پیدا کرتے اور اپنی طاقت مضبوط بناتے رہے۔ اور جونہی موقع ملا ان بیگم ام وزراء کو کان سے پکڑ کر علٰحدہ کر دیا۔ جو فقط نام کو اسلام ہی رکھتے تھے بلکہ مغربی علوم اور مغربی تہذیب کے شیدا ہونے جنکو آجکل کے ینگ ٹرکس حرام زادہ نامراد اور اُس کے دوسرے چالیس رفیق چیلے

(باقی بر صفحہ ۱۷۹)

کو شکست کر دیا۔ اور کانسٹی ٹیوشن کو الماری کے خانہ میں بالائے طاق رکھ دیا۔ بانیء ملک کی بیماری کے
لیے جو علاج اُنہوں نے تجویز کیے تھے انہیں یورپین تہذیب کی پارلیمنٹوں کا کنٹرول شامل نہیں تھا۔ خاندان
عثمان بہت سے اوصاف رکھتا ہے۔ مگر ان اوصاف میں آئینی بادشاہتوں کے اوصاف شامل نہیں ہیں
بانیء خاندان اور اسکے تمام نہایت ہی مشہور و معروف جانشین مطلق العنان اور خود مختار اقتدار رکھنے
والے بادشاہ تھے۔ اور ان کے نزدیک قانون وضع کرنے کا اختیار بھی اُنہیں کی اپنی ہی ذات میں محدود تھا۔ علاوہ
صرف بادشاہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حکومت بھی کرتے تھے۔ انہوں نے پہلے خود اپنی تلواروں سے سرحدوں اور دوسرے
بادشاہوں کے خاتمیں اور ملک فتح کیے اور پھر ان پر اپنی خود مختارانہ مرضی اور اپنے مذہبی احکام کے مطابق حکومت کی۔

(اعلیٰحضرت عبد الحمید کو جو معتقدانہ جذبوں خصوصاً اپنے خاندان پر یقین رکھتے تھے۔ پارلیمنٹ کے سلسلہ کیا
سلطان کے شہنشاہی اختیارات کو کسی طرح سے محدود یا کم کر دینے کا محض خیال تک کفران نعمت الٰہی معلوم ہوتا تھا
اور انکو یقین تھا کہ ایسی تدابیر سے اُنہ سلطنت کو زندہ اور ہری نہیں بجائے گا (اعلیٰحضرت) عبد الحمید نے
اُن خطرات سے بچنے کے لیے جو ان کو چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے تھے پرانے طریقوں پر قائم رہنے
اور مغربی تہذیب پر راہ ہی چلنے کو مناسب سمجھا۔ کچھ عرصہ کے لیے مدحت کی خاطر اُنہوں نے کانسٹی ٹیوشن
کے سوانگ نقل کو بار بار پسند گوارا کیا کہ شاید کفار نا ہنجار اس سے ملتجی ہو جائیں۔ اور ٹرکی مصائب جنگ
سے بچ جائے۔ مگر جب اس سے یہ مدعا نہ نکلا کفار نہ ٹلے اور روسی فوجوں نے دریائے ڈینیوب
سے عبور کر لیا۔ اور دوسری طرف آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ تو سلطان اعظم نے اس سوانگ تماشا کو
بند کر دیا۔ مدحت عرب کو جلا وطن کر دیا۔ جہاں وہ تھوڑی مدت بعد فوت ہو گیا۔ پارلیمنٹ توڑ دی
گیا اور کانسٹی ٹیوشن دھواں بنکر رقیق ہوا میں غائب ہو گئی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) چانسلوں (رضا بے وغیرہ وغیرہ) کی طرح مختل الحواس اور شوریدہ سر بنا دیا ہوتا
تو سلطنت خواستہ اگر اعلیٰحضرت تخت پر بیٹھتے ہی ذاتی رائے سے کام کرنا شروع کر دیتے جو ذاتی رائے ملک کی بیماری
کی تشخیص اور اس کے علاج میں اعلیٰ درجہ کی کامیاب ثابت ہوئی ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ینگ ٹرکوں کو بھی
مرحوم سلطان مراد کی طرح فوراً تخت سے اتار دیتے۔ یہ حقیقت ہے ثابت ہو چکا ہے کہ مراد کے عزل کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے مسند نشین ہوتے
ہی اپنی ذاتی رائے سے کام لینا اور مدحت اور اسکی پارٹی کی صلاح و مشورہ کو ناپسند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُنہوں نے عزم سلطانی میں مدحت
کی طاقت کا اندازہ نہ کیا اور اسکا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اصل باعث ان کی معزولی کا یہی تھا۔ دیوانگی اور جنون محض
بہانہ تھا۔ مگر بہر حال خدا کی۔ خداوند کریم نے اس گروہ کی سزا دہی کے لیے ایسے شخص کو مؤکل کیا جس نے انہی
لوگوں کے ہتھیاروں سے اُن کو پامال کیا۔ (مترجم)

اقتدار شخص واحد

جس وقت سے سلطان سلطان ہوئے اور تقریباً تیس برس سے اعلیٰحضرت عبد الحمید بالشرکت غیرے سلطنت
چلا رہے ہیں کیونکہ سوائے اپنی ذات کے انکو کسی پر یقین نہ تھا - اسی لیے اپنی ذات کے سوا کسی کا وزیر پر انہوں نے بھروسہ
نہ کیا اور علاوہ اسکے وہ ایسے شخصوں سے گھرے ہوئے تھے جنہوں نے انکے چچا اور بھائی کو معزول کر دیا اور جس جگہ پر انہیں
برسوں سکونت اختیار کرنی پڑی وہ رشوت اور بدکاری کی گرم بازاری سے متعفن اور سازشوں اور
اندرونی خفیہ داؤ گھاتوں کے تاریک اثرات سے لبریز ہو رہی تھی اسلیے انہوں نے شروع ہی سے
کسی غیر پر اعتبار نہ کرنے اور تن تنہا حکومت کرنیکا پختہ ارادہ کر لیا - اور گو یہ کام ناممکن معلوم ہوتا تھا اور
اس تجویز کی کامیابی سے پوری ناامیدی تھی مگر پھر بھی (اعلیٰحضرت) عبد الحمید کو انکی اس پالیسی پر کیسی
ہی نکتہ چینی کیوں نہ کیجاوے ہم از کم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اسکی بدولت انکو بہرکیف ایک بہت بڑے کام
میں کامیابی حاصل ہوئی ہے - وہ کیا ہے یہ کہ اسکی طفیل انکی زندگی بچی رہی اور بچے ہوئے ہیں اور ایسی بات
ہے کہ اکثر اسے ناممکن خیال کرتے تھے - مگر وہ صرف تقریباً تیس برس کے لیے زندہ رہنے میں ہی کامیاب نہیں
ہوئے بلکہ اب کچھ مدت پہلے (یعنی مسئلہ آرمینیا کے شروع ہونے کے زمانہ تک) وہ ہمارے زمانہ کے نہایت ہی
لائق اور نہایت ہی کامیاب فرمانرواؤں میں سے ایک متصور ہوتے رہے ہیں۔

(اعلیٰحضرت سلطان المعظم) عبد الحمید کے سخت سے سخت دشمن بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ نہایت
ہی جفاکش اور محنتی بادشاہوں میں سے ہیں - وہ صبح سویرے سے لیکر بہت رات گئے تک سترہ سترہ اور اٹھارہ
اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں اور یہ مسلم امر ہے کہ وہ لگاتار اس قدر محنت اپنے خیال میں اس ودیعت عظمیٰ کے اصلی بھلائی
و بہتری کیلیے کرتے ہیں جو خلاق زمین و زمان نے انکے سپرد کی ہے - وہ کروڑوں بندگان خدا پر حکمران ہیں
اور انکے محل ہمایوں میں ہزاروں شخص بستے ہیں مگر وہ بیکسوں کی مانند تنہائی میں اپنی سلطنت کی بھلائی کیلیے
غلاموں کی طرح محنت کر رہے ہیں - وہ شہنشاہ ہیں مگر انکی حالت بعینہٖ اس قیدی کی طرح ہے جسے حبس دوام کے ساتھ ہی
محنت شاقہ کی بھی سزا دیگئی ہے اور جسے اسکے علاوہ ہر وقت قتل کیے جانیکا بھی دہڑکا لگا ہوا ہو انہوں نے
عیش و آرام کو تیاگ دیا اور شب و روز مسلسل نہایت ہی سخت محنت کرنیکو گوارا کیا ہے انکا دماغ دوسرے لوگوں کی
زیادہ قوی نہیں لیکن اسمیں کلام نہیں کہ انہوں نے اپنے ملک کی حالت کو سنوار دیا وہ دیر نہیں مگر انہوں نے ایک نہایت
ہی طویل و زبردست مطلق العنان (شخصی) حکومت کو تیس برس سے کچھ اوپر مدت تک بغیر اوروں کی مدد کے برداشت کیا اور اب خواہ وہ (خدا نخواستہ)
کل ہی اپنے بزرگوں کی مانند اپنے ساتھ ہم آغوش ہو جاویں انکا نام ایسے ہی ہونگے کہ اگر انکی جانشین کو مشکلات

نظر کیجائے تو اُنکی نسل کے سلاطین میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو اُن کا ناموں بہ نظر کرے

ہمت مردانہ اور اپنے آپ پر بھروسہ

اعلیٰحضرت سلطان المعظم عبد الحمید کو بزدل اور ڈرپوک مشہور کرنا آجکل کا فیشن ہو رہا ہے مگر بدنام کنندگان کو جان لینا چاہیے کہ خاندان عثمان کا بزدلی کبھی خاصہ نہیں ہوئی۔ یہ خانوادہ ہمیشہ دلیر رہا کا دیری ہے اعلیٰحضرت امیر المومنین نے اپنی جرأت اور مردانگی کا کافی ثبوت دیکر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے شہنشاہی خاندان کی اس خاصیت سے معرا نہیں ہیں۔ عالی تخت نشین ہونے کے بعد فوراً ہی روسی حملہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مشرقی و مغربی دونوں سرحدوں پر روسی جنگ کا طوفان برپا ہو گیا۔ اسوقت ملکی خزانہ تقریباً خالی اور خزانہ بالکل تہی تھا حتیٰ کہ فوج کے لیے رائفلیں بھی موجود نہ تھیں۔ امریکہ سے جو قطعی بحر ظلمات کے پار (یعنی امریکہ) سے خریدنی پڑیں۔ ان کے پاشاؤں کا یہ حال تھا کہ انہی میں سے بعض نہایت ہی اعلیٰ اور با اختیار عہدے رکھنے والوں کی نسبت یہ عام یقین تھا کہ وہ روس کے تنخواہدار ہیں۔ وزراء و اعیان مملکت اور سپہ سالاران سلطنت میں ایک بھی ایسا موجود نہ تھا جس پر امیر المومنین اعتماد کر سکتے یا بھروسہ ہی کر سکتا۔ دول عظام میں ایک سلطنت بھی ایسی نہ تھی جس سے ایک کارتوس یا ایک پیسہ ملنے کی امید ہوتی۔ انگلستان جو اُنکے قبل نشینوں کا گہرا دوست اور رفیق تھا۔ بغاوت بلغیریا کی سختی سے فرو کیے جانے پر بگڑ گیا ہوا تھا۔ مگر اُس کی یہ نفیس مزاجی اور رقیق القلبی ایسی عجیب و غریب اور بعید از فہم و ادراک ہے کہ اعلیٰ حضرت اُسے آجتک سمجھنے سے قاصر رہے ہیں (کیونکہ جو کچھ یک سلوک مہذب ممالک کی حکومتوں نے اپنی باغی رعایا سے کیا اور کر رہی ہیں وہ اعلیٰحضرت سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور وہ انگلستان کی اس غیر متوقع پالیسی پر جس قدر متحیر ہوں کم ہے) فرانس جرمنی سے شکست کھا کر بالکل بےجان ہو رہا تھا۔ اور اسکا عدم وجود برابر تھا۔ پس اعلیٰحضرت عبد الحمید کو اپنے بزرگوں کی طرح صرف اپنی ذات۔ مومنین کی تلوار اور اپنے قادر مطلق پر بھروسہ کرنا پڑا۔

قسطنطنیہ کی مورچہ بندی اور حفاظت

ادھر ایک طرف روسی یورش سے بے پرواہ ہو کر اعلیٰحضرت سلطان المعظم نے بغیر کسی زیادہ تردد و اضطراب کے روسی حملے کے سیل بلاخیز کو روکنے کے لیے اپنی کمر ہمت چست باندھی۔ آنے والے خطرناک سال (۱۸۷۷ء) نے گذشتہ برس (۱۸۷۶ء) کے مہیب اتفاقات پر اپنے نئے دردانگیز واقعات کا ذخیرہ بڑھا دیا۔ البتہ

متواتر جنگی ہزیمتوں کی ہر ساعت ترقی پذیر تاریکی میں فقط غازی عثمان پاشا نے پلیونا کی بہادرانہ حفاظت کرکے منور روشنی کی ایک شعاع پیدا کردی تھی۔ یورپ اور ایشیا برابر دونوں براعظموں میں روسی مجاہدین آہستگی مگر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے آئے۔ آرمینیا میں قارص فتح ہوگیا اور یورپ میں پلیونا بھی آخر کار غنیم کے حوالہ کر دیا گیا جس سے روسی فوجوں کو جو ایک مدت سے رکے ہوئے تھے سیلاب کی طرح بند پڑی پھیل کر آگے بڑھنے کا جو موقعہ ملگیا۔ وہ کوہ بلقان پر سے طوفان بلاخیز کی طرح کل مزاحمتوں کو توڑتی ہوئیں بڑھ گئیں اور پایۂ تخت کے عین دروازوں تک جا پہنچیں۔ یہی وہ نازک وقت تھا جس میں اعلیٰحضرت نے ثابت کر دکھایا کہ ابھی اپنی قوم کی جنگی سپرٹ اور قدیم فوجی قابلیتوں کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے۔

باب عالی میں ہر بونگ مچ گیا تھا۔ اور تمام پاشا اپنی فوجوں کے اچانک تہ و بالا ہو جانے سے حواس باختہ ہو کر خلیفۂ معظم کو آبنائے باسفورس کی دوسری طرف قصبہ بروصہ* کو ہٹ جانے کی صلاح دے رہے تھے۔ مگر اعلیٰحضرت سلطان المعظم نے بالکل اوسان نہ چھوڑے اور بڑے استقلال و استقامت سے اپنی کل طاقتوں کو قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے تیاریاں کرنے پر مجتمع کر دیا۔ غازی مختار پاشا شہر کے حفاظتی مورچوں پر افسر اعلیٰ مقرر کیے گئے اور مورچوں کے پیچھے عثمانیہ افواج کا بچا کھچا حصہ آخری مقابلے کے لیے جمع کیا گیا۔

وہ بروصہ بھاگ جانے کی صلاح کو مسترد کرتے ہیں

اعلیٰحضرت ابھی روسیوں سے اپنے دار السلطنت کو بچانے کے لیے تیاریاں کرنے ہی میں مصروف تھے کہ ان کو اس خبر نے چونکا دیا کہ انگریزی بیڑہ جہازات جو سارا موسم خزاں خلیج بیسیکا (جو آبنائے دردانیال کے دہانہ

---

* بروصہ ایشیائے کوچک کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ اس کا پرانا نام پروسا تھا۔ یہ بحیرۂ مارمورا سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر کوہ المپس کے دامن میں آباد ہے۔ فتح قسطنطنیہ سے پہلے یہ سلطنت عثمانیہ کا ایشیائی دار الخلافہ تھا۔ سلطان عثمان بانی خاندان اور اس کے پانچ عالی قدر جانشینوں کے مزار یہیں ہیں۔ اس شہر میں ۳۶۵ مساجد ہیں۔ جن میں سے اکثر نہایت عالیشان اور مرجع روزگار ہیں۔ اس شہر میں ریشم کی بہت صنعت کاری ہوتی ہے اور اس کے متصلہ میدان میں ریشم بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ شہر پہلے بہت آباد تھا مگر صدر مقام نہ رہنے اور متواتر زلزلوں سے جن میں سے ۱۸۵۵ء کا زلزلہ نہایت سخت تھا کم رونق ہو گیا مگر اب بھی اس میں ایک لاکھ کے قریب آدمی بستے ہیں۔ بروصہ سے بندرگاہ مودانیہ واقع بر ساحل مارمورا تک بڑی لاگت سے ریلوے لائن تیار کی گئی ہے۔ یہاں کے مفصل حالات کتاب استنبول و قسطنطنیہ میں درج ہیں۔ (مترجم)

کے قریب ہے) میں بیکار پڑا فریقین کی طبع آزمائیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اب آبنائے ڈارڈ نیلز
میں سے بجبر گذرنے پر مستعد ہو گیا ہے۔ قلعوں کو اس بحری حملہ کے روکنے کے لیے احکام بھیجے گئے۔ اور ان
قلعوں کے گولہ انداز جو آبنائے کے دونوں سواحل پر بغرض حفاظت بنے ہیں۔ انگریزی امیر البحر اور اس
کے آہن پوش جہازات سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر آخر کار جہازات کو گذرنے کی اجازت ملگئی
لارڈ بیکنسفیلڈ کا مدعا تو اس پیشقدمی سے بلاشک و شبہ روسیوں کو ڈرانے کا تھا۔ مگر اتفاق وقت
سے اس نے ہلچل زیادہ ڈالدی ترکوں میں جو یہ سمجھے کہ ہم پر آگے پیچھے دونوں طرف سے اب یکبارگی نیا
دشمن حملہ آور ہو گیا ہے۔ اور قریباً ٹھیک ٹھیک اسیوقت جبکہ انگریزی بیڑہ دردانیال سے گذر کر پرنس
آئیلینڈ (شہزادہ کا جزیرہ) میں جو قسطنطنیہ سے دخانی جہازوں کا ایکدن کا راستہ ہے۔ لنگر انداز ہوا۔
دار السلطنت میں وزیر اعظم کی اس تجویز پر کہ ایشیا کو فوراً ہٹ جانا چاہیے غور کرنے کے لیے ایک
کونسل منعقد ہوئی۔ اس کونسل میں بڑے بڑے عہدوں والے اور با اقتدار پاشا اور وزرا اکٹھا
جمع ہوئے۔ اور غالب رائے یہی تھی کہ چونکہ دار الخلافہ اب دشمنوں کے درمیان ہو گیا ہے۔ ایکطرف روسی
سین سٹیفانو میں مقیم ہیں۔ اور دوسری طرف انگریزی بیڑہ جزیرہ شہزادگان میں لنگر زن ہے۔ اسلیے
ایشیا کو بھاگ جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہگیا۔ یہ دوسرا شدید نازک وقت تھا جس
میں اعلیحضرت سلطان المعظم نے اپنے تئیں عثمان کا سچا جانشین اور سچا فرزند ثابت کر دکھایا جو باوجود
اپنے بزدل مشیروں کے اژدہام میں پھنسے ہونے کے جو گریز یا تغیر پر سخت مصر تھے۔ اعلیحضرت
نے اپنے دار السلطنت کے چھوڑنے سے کمال استقلال اور مردانگی سے بڑے زور کے ساتھ انکار
کردیا۔ اور صاف کہدیا کہ ہرچہ آید پیش برابر قسطنطنیہ میں رہونگا۔ اور اس شہر کی اچھی یا بُری قسمت
میں جو چار سو برس سے میرے خاندان کا تخت گاہ چلا آرہا ہے شریک حال ہونگا۔ انکی رائے
سب کی رائے پر غالب آئی۔ بروصہ کو بھاگنے کی صلاح مسترد ہو گئی۔ اور اعلیحضرت نے باوصف
بزدل اور کمزور وزراء و امراء میں گھرے ہونے کے سینٹ صوفیہ کے بڑے کلیسا کے کلس پر ہلال
کو صلیب پر غالب رکھا یعنی مسجد ایا صوفیا کو جو قبل از فتح قسطنطنیہ عیسائیوں کا بڑا معبد تھی۔ پھر گرجا
بنجانے سے بچا لیا۔

وہ ترکی بیڑہ جہازات کو بھی بچا لیتے ہیں

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے آپکی ہمت مردانہ اور مضبوط دل کا صرف یہی ایک امتحان نہ تھا جب

باہتمام سینٹ پٹی نظر جرنیل اگناٹیف (روسی سفیر) اور ترکی سفراء (صفوت پاشا وغیرہ) میں صلح کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی تو روسیوں نے منجملہ مغانم جنگ میں کل ترکی بیڑے کو بھی بطور غنیمت طلب کیا۔ احمد وافق اور صفوت نے جو موجودہ وقت وزارت کے سب سے زیادہ مضبوط دل اور جری ارکین تھے۔ روسی مطالبات کو منظور کرلینے کی پر زور صلاح دی انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں دلیل یہ پیش کی کہ ترکی مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتی۔ روسی شرائط کے نہ ماننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنگ پھر چھڑ جائے گی اور اگر جنگ دوبارہ چھڑ گئی تو کاسک یا قزاق (روسی سواران [illegible]) بلا کسی مزاحمت کے بیدرنگ سنٹ ذی گل کے دالان تک پہنچ جاویں گے اور اپنے دار الخلافہ کے متصرف ہوجانے کے بعد سلطنت عثمانیہ جاں بر نہیں ہوسکے گی۔ مگر یہاں بھی اعلیٰحضرت کی مستحکم طبیعت اپنا رنگ دکھا گئی۔ وہ پکار اٹھے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ یہ کبھی نہیں ہوگا اور پھر دست خاص سے گرینڈ ڈیوک نکلس (برادر زار اسکندر و کمانڈر انچیف افواج) کو خط لکھا کہ ترکی بیڑہ جہازات کا حوالہ کرنا ناممکن ہے اور ایک خلاف عادت اور غیر معمولی جوش کے ساتھ اسمیں یہ بھی ایزاد کردیا کہ بیڑہ کو روسیوں کے ہاتھ میں پڑا دیکھنے سے میں اسکو ترجیح دوں گا کہ میں خود جہاز پہ چڑھا ہوں اور کل بیڑہ معہ میرے بارود سے گرہ ہوا میں اڑا دیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ لاف زنی ہو۔ مگر ہو بھی تو اسمیں کلام نہیں کہ نہایت ہی اعلیٰ قسم کی ڈینگ کی لاف تھی۔ یہ ایک شیر بادشاہ کی لاف زنی تھی جو تباہی کے کنارے پر کھڑا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایسی لاف تھی جو کارگر ہوگئی۔ روسیوں نے یہ مطالبہ ترک کردیا اور ترکی دار الخلافہ کی طرح ترکی بیڑہ کو بھی سلطان اکیلے سلطان نے بچالیا۔

وہ مامور من اللہ ہیں کہ ادنیٰ اعلیٰ سب کی خود نگرانی کریں

یہی وہ نہایت ہی نازک موقعوں کا یاد کرلینا اسی بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اعلیٰحضرت امیر المومنین کیوں یہ باور کیے بیٹھے ہیں کہ بادشاہوں کے بادشاہ رب کریم نے انہی کی ذات مبارک کو گورنمنٹ کی ذمہ داری ودیعت کی ہے یہی وجہ ہے کہ برابر اس وقت سے لیکر (مولانا سلطان المعظم عبد الحمید ثانی) تنہا حکومت کرنے مصروف ہیں۔ چھوٹا کام ہو یا بڑا ارض روم کے دور دست قصبہ میں کسی پولیس کنسٹبل کو مقرر کرنا ہو یا قسطنطنیہ میں کسی تھیٹر کے لیے قواعد و ضوابط منضبط ہونے ہوں انہیں بھی سلطانی احکام کا حصول ویسا ہی

خود مسٹر سیڈ اس ایک ہی فقرہ سے کہ سنا ہیں تعادت قلبی اور استقلال کا پورا پورا ثبوت مل جاتا ہے تو خود اندازہ ہو کہ سلطنت عثمانیہ اور اسکے فرمانروا کے سر پر اس وقت ظالم جلاد کی تلوار صرف ایک باریک بال کے سہارے پر لٹک رہی تھی تو آدمی تو ذرا غور کرکے کیا یہ ڈینگ مارنے اور لاف زنی کا موقعہ تھا افسوس سے

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر

ضروری ہے جیسا کہ سلطنت کے بڑے بڑے اہم معاملات ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ہر ایک چیز کی نسبت وہ بذات خاص حکم دیں۔ ہر ایک چیز کو وہی منظور کریں۔ اور ہر ایک بات کی نفس نفیس نگرانی کریں۔ جیسے خدا کی نظروں میں کوئی چیز بڑی ہے نہ چھوٹی بلکہ سب چیزیں یکساں وقعت رکھتی ہیں ویسے ہی خدا کے برگزیدہ کا حال ہے جو ہمارا سبول میں بادشاہی دو فرماندہی کرتا ہے۔

فصل سوم (۳)

انہوں نے اچھے کام کون سے کیے ہیں

جس سلطنت پر اعلیٰحضرت مولانا السلطان عبد الحمید فرمانروائی کر رہے اس کے لیے انہوں نے کیا کیا ہے۔ سب سے اول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اسکو بیس برس سے قائم و موجود رکھا ہے۔ اور انکی ذات مبارک جنگ و بغاوت۔ غداری بیکراہی۔ قاتلانہ سازشوں اور دیوالیہ پن سے بچتی چلی آتی ہے۔ اور اکیلا یہی بذاتہ کچھ کم قابل قدر کامیابی نہیں ہے۔ ابتدا میں کسی کو امید نہ تھی کہ وہ کامیاب ہونگے۔ مگر وہ کامیاب ہوئے ہیں یعنی کہ وہ کم از کم اسقدر کامیاب تو ضرور ہوئے ہیں جسقدر کہ اس شخص کو کامیاب کہا جا سکتا ہے جو تباہی اور معدومیت کے مسلسل خطرات سے بچنے میں کامیاب ہو رہا ہو۔

انکی خارجہ حکمت عملی

ثانیاً یہ کہ وہ دول اجنبیہ سے معاملات کرنے میں اُس سے زیادہ معقولیت پسند اور پریکٹیکل ہیں جتنے کہ وہ ہو سکتے تھے یعنی اگر چاہتے تو اسقدر معقولیت پسند اور پریکٹیکل بنتے مانٹی نیگرو کے بندرگاہ ڈلسگنو اور یونان کو علاقہ اپائیرس حوالہ کرنے میں وہ ابتداءً بہت کچھ پس و پیش کرتے رہے اور ان کے عزم کو جلد پختہ کرنے کے لیے بحیرہ ایڈریاٹک میں بحری طاقت کی

پریکٹیکل یہ لفظ اردو میں اب عام مستعمل ہو گیا ہے۔ اگر انسان کی صفت ہو تو اس کا یہ مفہوم ہے کہ وہ شخص فکر مند اور خیالی پلاؤ پکانے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہ بات یا کام کرنے والا ہے جو ممکن الحصول ہے۔

(۱) مانٹی نیگرو سرویا وغیرہ کو زائد علاقہ دینے علاوہ معاہدہ برلن کی بیشتر دفعات کی تکمیل ہو گی (بقیہ نوٹ صفحہ ۱)

کرنا کیے گئے فرائض وہ ہر سے سے عزیز تھے۔ اُسکا خاتمہ ہوگیا ہے۔ جندارمس کی جماعت ہونیکے باعث محکمہ حربیہ
کے ماتحت کردیگئی ہے۔ اور حفاظت عامہ کے لیے نظارت پولیس مع اپنے ضروری لوازمات و رخصتیاں
کے علیحدہ کردیگئی ہے۔

بندوبست اعلیٰ حضرت مولانا السلطان المعظم عبد الحمید نے ریلوں کی تعمیر۔ سڑکوں کی تیاری اور
اپنی سلطنت کے شہروں کو موجودہ تہذیب کے ضروری لوازمات (پانی کے نل گیس یا بجلی کی روشنی صفائی
وغیرہ وغیرہ) سے پیراستہ کرنے پر بھی کسی قدر توجہ کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ کل باتیں بجائے خود بہت اعلیٰ ہیں بعض
جزوی اصلاحات ہیں جو معمولی وقعت رکھتی ہیں۔ مگر پھر بھی جتنی کچھ کہ وہ ہیں انکا بیان کردینا ضروری تھا۔

سلطان المعظم کی بیحد مصروفیت

چونکہ حضرت نے اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ تو کیا ہے کہ اپنی سلطنت کو جنگ کے مصائب سے محفوظ رکھا اگر
وہ چاہتے تو اُسے بڑی آسانی کیساتھ کبھی کا کسی جنگ میں مبتلا کردیتے۔ دشمنوں نے انکو بہت دفعہ بھڑکایا اور جنگ پر
بھڑکانا چاہا مگر وہ ان کے فریب میں نہ آئے۔ اگر کوئی اور سلطان ہوتا تو عیسائی طاقتیں جیسا انکو دق کرتی ہیں
ہر ایک ہی دفعہ برافروختہ ہوجاتا۔ جنگ سے دریغ کے لیے وہ چوکس رہتے ہیں۔ وہ تو ایک طرح انکو بہت کرساتھ ملی تھی۔ اور
سر ٹہنے پر جو کچھ ان کو ہو بند کر اُنہوں نے اپنے امکان بھر کیا۔ مگر اسکے بعد اپنے ہمسایوں سے جنگی مہم پر کرنے سے بچنے
رہنے کی کوشش میں وہ کامیاب ہوئے ہیں یا نہ۔ انہوں نے اپنی تعلیم بہت دلکشی کیساتھ چیزوں پر صرف کیا جسے اپنے خیال میں
اپنی رعایا کے حق میں قومی اور حقیقی بہتری کا باعث ہے۔ پروفیسر آرمینس ویمبری صاحب سلطان المعظم سے مل چکے ہیں وہ سلطان
المعظم کی بہت زور سے تعریف کرتے ہیں کہ حضور ممدوح امور سلطنت میں بے نظیر جانفشانی اور محنت سے کام کرتے
ہیں۔ پروفیسر موصوف کی تقریر حسب ذیل ہے۔

سلطان المعظم کو جب اپنی ہی باغیوں چال مذہبی کی وجہ سے تکلیف کی فرصت بمشکل ملتی ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ
اپنے لیے کوئی نیا دلچسپی آسایش مہیا کرسکتے ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت سلطان عبد الحمید کے لیے تخت سلطنت کوئی آرام کی
جگہ نہیں ہے۔ اور چونکہ چند ہفتے ہوئے مجھے انکا مہمان رہنے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ اسی لیے میں اپنے ذاتی
مشاہدہ کی بنا پر بیان کرتا ہوں کہ آجتک کوئی مشرقی بادشاہ ایسا نہیں ہوا جسنے ترکی کے موجودہ فرمانروا
کی طرح اپنی کل مدت وقت اپنے ملک کی بہتری اور خوشحالی کے لیے صرف کی ہو۔

بچائے جانے کے قابل ہو۔ اور جب بیڑہ نہیں تو کوئی بھی چیز نہیں۔ کیونکہ بحری طاقت ہمیشہ سلطنت عثمانی
کی بنیاد رہی ہے۔ اور جب ترکی سلطان "خاقان البحرین" نہ رہا تو وہ مشرق کا شہنشاہ بھی زیادہ
عرصہ کے لیے نہیں رہے گا۔

کل کاروبار کے ایک ہی شخص کی ذات تک محدود ہونے سے انتظام میں ابتری

دوسرا بڑا نقص اعلیٰحضرت کا یہ ہے کہ کل سلطنت کے ہر ایک محکمہ کے کام کے محتاج ہونے سے انتظام میں بہت ابتری پیدا
ہو رہی ہے۔ اور وہ ہر ایک کام کو بذات خود کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ جس سے کوئی کام کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہر وقت کام کا بے
انتہا بقایا اُنکے سامنے پڑا رہتا ہے۔ جیسا کہ محکمہ امیر البحری کے لارڈ صاحبان کی نسبت کبھی یہ کہا جاتا تھا کہ وہ
سادہ کاغذوں پر دستخط کرنے میں اسقدر مصروف رہتے ہیں۔ کہ ان کو خود بیڑہ جہازات کیطرف خیال کرنے
کیلئے مطلق وقت ہی نہیں بچتا۔ یہی کیفیت سلطان اعظم کی ہے۔ مسٹر لیلیو رکھتے ہیں کہ یہ انتظام حکومت
کا کوئی ایسا کام نہیں کہ خواہ وہ کیسا ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو جو اُنکی منظوری اور دستخط کیلئے سلطان
اعظم کے روبرو پیش نہ ہوتا۔ ایک انگریزی سفیر نے بطور مثال مجھ سے ذکر کیا کہ وہ اپنی دخانی کشتی کو خود اپنے خرچ سے
ترکی ڈاک یارڈ (وہ مقام جہاں جہازوں کی مرمت ہوتی ہے) میں مرمت نہ کرا سکے جب تک یہ معاملہ سلطان معظم
کے روبرو پیش ہو کر اس کی منظوری نہ لے لی گئی۔ ایک اور سابق سفیر کا بیان ہے کہ جب وہ سلطان المعظم کو محل
سلطانی میں ملنے گیا۔ تو اعلیٰحضرت نے کام کی زیادتی کی شکایت کی اور کاغذات کے ایک انبار کی طرف اشارہ کیا جو
آپکی میز پر رکھا ہوا تھا۔ ان سب کاغذات کی نسبت انکا فیصلہ مطلوب تھا۔ سفیر نے کاغذات کی طرف دیکھا
تو اسے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے کاغذ میں وہ قواعد و ضوابط مندرج تھے جو محلہ کے کسی نئے قہوہ خانہ کے
لیے تجویز کیے گئے تھے۔"

اس کثرت دخل کا یہ نتیجہ ہے کہ کام کوئی نہیں نکلتا۔ ٹھیک وقت پر کوئی کاغذ پیش نہیں ہو سکتا اور
ہر ایک چیز بے ربطی سے بے جوڑ ہو جاتی ہے۔

موجودہ تہذیب سلطان المعظم کے لیے بڑی ٹیڑھی اور پیچیدہ چیز ہے

یہ معلوم کرنا آسان بات ہے کہ یہ طریقہ دخل کا دور سلطنت میں کس طرح ہوا۔ اور یہ معلوم کر لینا اور بھی
آسان ہے کہ اس طریقہ کو چلانا کس طرح چاہیے۔ سلطان المعظم کو فقط اپنے آپ پر بھروسہ ہے۔ اور وہ ہر ایک کام

صبح سے شام تک کیا کرتے ہیں!

عام مشرقی لوگوں کی طرح اعلیٰحضرت سویرے جاگتے ہیں۔ وہ بڑے پکے اور عابد و زاہد مسلمان ہیں۔ وضو اور نماز کے بعد جو کہ آپکے مذہب کے رو سے ہر روز پانچ دفعہ فرض ہے قہوہ کی ایک پیالی پیتے ہیں۔ پھر سگریٹ پینا شروع کر دیتے ہیں۔ جنہیں اکثر پینا یا شاہ کی طرح وہ بھی سارا دن پیتے رہتے ہیں۔ دس بجے صبح کو وہ خاصگی پوشاک میں ملبوس ہوتے اور تن تنہا یا اپنے سیکرٹریوں کی معیت ایک بجے تک کام کرتے ہیں۔ پھر کھانا تناول فرماتے ہیں جسکے بعد وہ محل کے رمنہ میں دو گھنٹے تک یا تو گاڑی میں ہوا خوری کرتے ہیں۔ یا سنہری کلس کی ہوئی کشتی میں جھیل پر جو رمنہ مذکور میں ہے سیر کرتے ہیں۔ وہ سوائے اس وقت کے جبکہ مسجد میں جاتا ہو کبھی محل یلدز کے احاطہ سے باہر نہیں جاتے۔ سیر یا ہوا خوری کے بعد وہ پھر محل میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور کونسل آف سٹیٹ کی میر مجلسی کرتے ہیں یا سفراء ممالک غیر سے ملاقات فرماتے ہیں۔ رات کا کھانا وہ شام کے وقت تناول فرماتے ہیں۔ اسوقت ترکوں کا مشہور قومی کھانا پلاؤ و لذیذ زیادات اور برف دار شربت سلطانی میز پر چنے جاتے ہیں۔ اسکے بعد وہ سلاملق (ملاقات کے کمرہ) میں تشریف لیجاتے ہیں اور وہاں آل عثمان غازی اور ترکی کی نسل کے بڑے بڑے پاشاؤں اور وزیروں کو شرف قدمبوسی سے ممتاز فرماتے ہیں۔ یا کھانے سے فراغت پا کر بالعموم حرم سرا میں چلے جاتے ہیں۔ اور شام کے گھنٹے پھر حرم محترم۔ بال بچوں اور والدہ کی صحبت میں صرف کرتے ہیں۔ موسیقی سے انکو بہت انس ہے تخلیہ میں خود بھی پیانو بجاتے ہیں۔

وہ ٹھیٹھ ترک اور عثمانی ہیں۔ انکو کامل یقین ہے کہ انکے سپاہی دنیا میں سب سے اچھے سپاہی ہیں۔ اور کہ وہ نہایت ہی متحمل اور فوجی قواعد کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ اعلیٰحضرت دھیمی آواز میں نہایت آہستگی اور صفائی سے آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی تو بیان کے دوران میں فصاحت کا دریا امڈ آتا ہے۔ درویشوں اور علماء کی معروضات بڑے غور سے سنتے ہیں اور انکے بڑے حامی ہیں۔ یہ لوگ فوراً شرف باریابی حاصل کر لیتے اور امیر المومنین کی داد و دہش سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑے فیاض ہیں جو انکی جانفشانی سے خدمت کرتے ہیں انہیں انعام و اکرام عطا فرما کر نہایت خوش ہوتے ہیں۔ سلاطین یورپ اور ایلچیوں کو بیش قیمت تحائف مرحمت فرماتے ہیں۔ وہ خاص کر بیش قیمتی اور ان کے جواہرات اور صنعت کی نہایت ہی قدر اور آبدار ہوتے ہیں۔ اعلیٰحضرت کے پاس جواہرات اور موتیوں کا لاانتہا خزانہ ہے اور ان سے قدیم محلسرا میں الماریاں جواہرات سے بھری پڑی ہیں۔

سلاملق

اعلیٰ حضرت صرف جمعہ کے دن جبکہ وہ مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں، رعیت کی حاضری سے باہر نکلتے ہیں۔ تمام فوج آراستہ ہو کر راستہ میں صف بستہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہزاروں آدمی ہمرکاب ہوتے ہیں، اور بیشمار خلقت امیر المومنین کے روئے مبارک کی زیارت کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہو جاتی ہے۔ ایک اخبار کا نامہ نگار سلطانی جلوس کی کیفیت اس طرح لکھتا ہے:۔

"اعلیٰ حضرت ایوان شاہی سے جب باہر قدم رکھتے ہیں، یکبارگی چاروں طرف پوری خاموشی چھا جاتی ہے، اور پھر جب وہ بیرون دروازہ پہونچ جاتے ہیں، تو سینکڑوں ہزاروں سپاہیان خاص ایک آواز ہو کر ترکی ہرّہ (پادشاہم چوق یشا) کا نعرہ بلند کرتے ہیں، درمیان گاڑی آہستہ آہستہ ہجوم سے گذر جاتی ہے۔ دائیں طرف اعلیٰحضرت صدر وقت فرزند ہوتے ہیں، انکی ڈاڑھی کے بال سفید ہونے شروع ہو گئے ہیں، قد کسیقدر خمیدہ ہو گیا ہے اور چہرہ زردی مائل سفید ہے (افکار سلطنت کی وجہ سے) وہ اپنی اصلی عمر سے آٹھ برس بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ انکی بائیں طرف غازی **عثمان پاشا** بیٹھے ہوتے ہیں۔ یہ سورما بہادر بھی اپنے آقا کے ساتھ ساتھ بوڑھا ہوا چلا جاتا ہے۔ دو رویہ مکانات کے پیچھے ممالک اجنبیہ کے سیاحوں ہی سے بھرے ہیں (الوپ سے) تمام رعایا خاموش کھڑی ہے ہزاروں کی تیز نگاہیں اسی گاڑی پر لگی ہوئی ہیں۔ جس پر وہ شخص بیٹھا ہے جو کروڑوں جانوں کا مالک ہے اور جس کے دل کا بھید کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ گاڑی آخرکار دروازہ مسجد پر پہنچ جاتی ہے، اور جونہی سلطان المعظم اسکی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہیں، مؤذن سر بفلک مینار کی چھجی پر کھڑا ہو کر اذان دینی شروع کر دیتا ہے جس کی بلند اور خوش آئندہ آواز اس سماں میں عجیب دلکش معلوم ہوتی ہے۔ اعلیٰحضرت کے اندر داخل ہونے پر مسجد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور جلوس ختم ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں کی زبانیں کھل جاتی ہیں، اور باہمی گفتگو اور غل غپاڑہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک انگریز نے اسوقت بیان کیا کہ مسٹر جے گو ڈامرحن اعلیٰحضرت سے ایسا مشابہ ہے کہ واپسی آتی دفعہ اگر غازی عثمان کے ساتھ اُس کو بٹھا دیا جائے تو کوئی شخص اس تبدیلی کو نہ معلوم کرسکے۔"

آدھا گھنٹہ گذرنے کے بعد سلطان المعظم مسجد سے برآمد ہوتے ہیں، اور وکٹوریہ قسم کی دو اسپہ گاڑی پر سوار ہو کر دونوں گھوڑوں کی باگیں دست خاص میں پکڑ لیتے ہیں۔ اور قدم بقدم رفتار سے محل ہمایوں کو واپس تشریف لیجاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کیسے دکھائی دیتے ہیں۔

مس ایلیٹ نے جب ان کو دیکھا تھا۔ تو ان کے حلیہ کی نسبت یہ بیان کیا۔ سلطان ان تمام بادشاہوں میں سے جن کو میں نے دیکھا ہے۔ نہایت ہی غمگین صورت اور اداس شکل ہیں۔ آپکا جسم بھاری نہیں۔ رنگت گندم گوں ہے۔ اور بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ دہشت اور خوف بسا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے مگر انکے قبل نشین سلطان عبدالعزیز کی قسمت کو یاد کر کے یہ کچھ عجیب نہیں۔ یہ ہم البتہ ضرور کہیں گے ضرور ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان خطرات پر غالب آجائیں۔ اور انکو دل سے دور کر دیں تو انکا چہرہ نہایت ہی دلفریب۔ خوشنما۔ شگفتہ اور خوبصورت ہو جائے۔ اب بوقت اس چہرہ کی یہ حالت ہے کہ انکی آنکھوں کا نقشہ کبھی دن عالم تصور میں دیکھئے تو وحشت ہونے لگے۔ وہ ایسا نحیف ہو رہا ہے کہ سلطان اگر یورپین ہوتے تو اطباء حکم لگا دیتے کہ انکی حالت بہت ردی ہے۔ یہ سنا ہے کہ سلطان کا سب سے بڑا دوست اور رفیق انکا طبیب ہے۔ یہ بھی کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ کیونکہ جس طرح وہ منغص بسر کرتے ہیں۔ اس میں انکو طبیب کا ہمیشہ محتاج رہنا لازمی بات ہے۔"

اللہ اکبر۔ اس شاہی حرمان نصیبی کے سبق کے سامنے مشرقی بادشاہوں کی حیرت افزا شان و شوکت اور طمطراق کیسی حقیر اور بے وقعت معلوم ہوتی ہے۔ اس میں مبالغہ نہیں کہ سلطنت عثمانیہ کا عاجز ترین گدا سلطان سے زیادہ خوش ہے۔

ان کو قاتلوں کا بڑا خوف رہتا ہے

اعلیٰ حضرت کو دشمن قاتلوں کے دار و گیر سے تیس سال رہا کوئی حیرانی کی بات نہیں سلطان عبدالعزیز کو تخت سے اتار دیئے جانے کا ایسا خوف دامنگیر تھا کہ وہ اکثر خوب بھیس بدلے ہوئے اندروں پر گذارا کرتے تھے۔ عبدالحمید اپنے پارک اور تفریح گاہ سے کبھی باہر نہیں نکلے۔ شہنشاہ جرمن جب قسطنطنیہ میں گئے تھے تو اعلیٰ حضرت خاقان کے ساتھ جلوس میں [illegible] جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک اخبار لکھتا ہے کہ ایک شہزادی سے اعلیٰ حضرت نے دربار میں ملاقات کی اور باتوں باتوں میں اس سے اپنی صحت کی کمزوری کی شکایت کی۔ شہزادی نے جواب دیا کہ حضرت دمشق بڑا دلچسپ ہے۔ اور کھلے ملک میں تبدیل آب و ہوا اور ہوا خوری کے لیے سیر کو جائیے

سُنا گیا ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد سلطان اعظم نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میں نے اس عورت کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ میری ہلاکت چاہتی ہے؟ وہ مجھے کیوں ایسے خطرات میں پڑنے کی صلاح دیتی ہے"۔

جاسوسی عام ہے

اس عنوان کے تحت میں مسٹر سیٹڈ تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان کو اپنے تمام حوالی موالی کی طرف سے دل میں شک رہتا ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر سلطان کو ذرا بھی شک ہو گیا کہ ان میں سے کوئی ان کی جان لینے کے پیچھے ہے تو اُسکی خیر نہیں۔ وہ ہر ہفتہ باڈی گارڈ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اور عہدہ دار کو بغیر تحریری اجازت کے محل میں ہرگز نہیں گھسنے دیا جاتا۔ ہر ایک جگہ [illegible] جاسوس موجود ہیں۔ حرم سرائے۔ وزراء۔ عام مکانات اور بازار کوئی جگہ ان سے خالی نہیں۔ بھائی کو بھائی پر اعتبار نہیں۔ ہر ایک دوسرے کو یہی سمجھتا ہے کہ وہ سلطانی جاسوس ہے۔ سلطان کی زندگی گرد و نواح کی بجائے شک و شبہ کے گرد میں بسر ہو رہی ہے اور یہی انکی زندگی کا موجب ہے۔ اگر خانساماں کو باورچی پر اعتبار رہے تو ممکن ہے کہ [illegible] ہی رات سلطان اعظم کی جان بچا دے۔ انکو ہر ایک شخص پر بے اعتباری ہے۔ حتی کہ ایک دفعہ عثمان پاشا و [illegible] عثمان، عثمان فاتح، عثمان بہادر معرکۂ پلیونا کو اس جھوٹی اطلاع ملنے پر کہ حاجی مولیٰ نے رشاد پاشا ولیعہد تخت و تاج کو سلام کیا تھا تین دن کے لیے نظر بندی میں ڈالدیا۔ قصہ مختصر کل سلطنت میں کوئی شخص بجائے اعلیٰحضرت عبد الحمید کے کوئی شخص نہیں ہے۔ پریس کی زبان بند ہے اور کوئی قدرہ بھر آزادی نہیں۔ وزراء محض کٹھ پتلیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی طرح کا کوئی امتیاز حاصل کرتا ہے تو وہ امتیاز اسکے لیے وبال جان ہو جاتا ہے اور جلاوطن کر دیا جاتا ہے کہ کہیں نا رضا مند لوگ اسکے گرد جمع ہو جائیں۔ ہر ایک شخص کے لیے لازمی امر ہے کہ وہ حتی الامکان [illegible] سو الحال کی سطح سے یعنی دنیاوی جماعت کے طبقہ سے اوپر سر نہ اٹھاوے۔

سلہ مسٹر سیٹڈ کا یہ بیان ہے واقعات گزشتہ اور حالات موجودہ اسکی [illegible] تکذیب کرتے ہیں۔ برخلاف اس اہتمام کے ترکوں کی تمدنی اخلاقی۔ مذہبی اور ملکی حالت کو سنوارنے اور قوم کو ترقی کی شاہراہ پر [illegible] جس قدر کامیاب کوششیں اعلیٰحضرت نے کی ہیں انکا عشر عشیر بھی سابقہ عثمانی سلاطین یا دنیا کے دیگر شاہان موجودہ میں سے سوائے شاہ جاپان کے کسی بادشاہ نے نہیں کیا۔ اگر کوئی متعصب ان کوششوں کی قدر و منزلت تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے ورنہ اس امر کا قابل تعریف ہونا جیسا کہ ہے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

تار بنام لارڈ سالسبری

یہاں تک کسی قدر نیک نیتی اور کسیقدر تعصب پر رہی ہی لکھنے کے بعد مسٹر سیڈ صاحب اُس تار پر مضحکہ اڑاتا ہے۔ جو سلطان المعظم نے نومبر ۱۸۹۵ء کے وسط میں لارڈ سالسبری کو بایں مضمون روانہ کی تھی کہ لارڈ صاحب نے سلطنت ٹرکی اور شورش آرمینیا کے متعلق تقریر کرکے اعلیٰحضرت کے نیک ارادوں کی نسبت جو شک کیا ہے اُس سے حضور ممدوح کو کمال رنج پہونچا ہے۔ اور وہ امید کرتے ہیں کہ لارڈ موصوف اُس دوستانہ تعلق اور ہمدردی کے لحاظ سے جو انکو اعلیٰحضرت اور اُن کے ملک سے ہے اپنے شبہات کی تردید میں دوسری تقریر کریں گے۔

(اعلیٰحضرت کی اس تار کا کچھ حصہ لارڈ سالسبری نے بمقام برائٹن عام جلسہ میں سنایا تھا) مسٹر سیڈ لکھتا ہے کہ جائے غور ہے کہ سلطنت عثمانیہ کبھی ایسی طاقتور تھی کہ اُس کا ایک نامور اور فاتح سلطان (بایزید یلدرم) نے قسم اُٹھائی تھی کہ میں رومۃ الکبریٰ کے بڑے گرجا سینٹ پیٹرز کے قربانگاہ پر اپنے گھوڑوں کو چنے کھلاؤنگا۔ اور آج اُسکا جانشین سفارت انگلستان کے وزیر اعظم کو تار دیتا ہے کہ ماسوا دوستانہ تعلق و ہمدردی کے لحاظ سے جو انکو مجھ سے اور میرے ملک[1] سے ہے ایک دوسری تقریر کرکے اپنے سابقہ شبہات کو واپس لیں۔ مسٹر سیڈ اس کو زوال کی نمایاں علامت تصور کرتے ہیں مگر شاید تعصب مذہب اور بیجا طرفداری نے اُن کو تحریر مضمون کے وقت موجودہ تہذیب کے اصول و قواعد اور آداب سے بھی ناواقف بنا دیا۔ آجکل کے اصول جہانداری کا مقتضا ہی یہ ہے کہ دشمن کے ہتھیاروں سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے۔ ترک سلطان المعظم کے تخت نشین ہونے سے پہلے سفارتانہ چالبازیوں اور قلمی داؤگھات سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ اب اگر انہوں نے اس میدان میں بھی جواب ترکی بترکی دینا شروع کیا تو اُسے کمزوری کی علامت بتایا جاتا ہے۔ مگر ترکوں کی کمزوری بھی اس غضب کی ہے کہ انہی لارڈ صاحب کی بلن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ سلطان المعظم نے خلاف معمول اپنے بزرگوں کے انکی خوشامد و آمد کی وہ تین مہینہ بعد آخر میں بڑی ذلت اور خجلت کے ساتھ تسلیم کرنا پڑا کہ ہم ترکوں سے بزور شمشیر اپنی باتیں نہیں منوا سکتے۔ اور ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم مظلوم (یعنی مفسد) آرمینوں کی حمایت

۱؎ محمد فاتح نے اپنے جد امجد کے اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے سب سامان مکمل کر لیا تھا اور کل فوجیں جمع ہو چکی تھیں۔ مگر قدرت نے مہلت نہ دی۔ اور غازی محمد فاتح اچانک فوت ہو گئے۔

کے لیے آرمینیا پہونچ سکیں یا ہمارے جنگی جہاز سوائے چند ایک پرٹ خانوں پر گولہ باری کرنے کے سلطنت عثمانیہ کے کسی بندرگاہ و یا قصبہ پر قبضہ کر سکیں ۔ ممدوح موصوف کی یہ تقریر مسٹر سٹیڈ کے اطمینان کے لیے کفایت کر گئی ہوگی ۔ اور وہ سمجھ گئے ہونگے کہ سلطان اعظم نے کسی کمزوری کی وجہ سے یا لارڈ صاحب کو خوشامد سے خوش کرنے کے لیے حولہ بالا تار روانہ نہیں کی تھی ۔ بلکہ کیفیت موجودہ تہذیب اور زیادہ تر خود انکی ذاتی شرافت و نجابت اور بلند حوصلگی نے تقاضا کیا کہ انگریزوں کو سخت جواب دینے سے پیشتر جو آخرکار دینا پڑا پہلے انکو نرمی سے سمجھا دیا جائے ۔ ورنہ بجائے اس پیغام بھیجنے کے سلطان اعظم اگر چاہتے تو انگریزی سفیر کو اپنے دربار سے چلے جانے اور اپنے سفیر کو انگلستان سے واپس آجانیکا حکم دیدیتے ۔ جیسا کہ انہوں نے امریکہ کی گورنمنٹ کے ساتھ کیا ۔ اس صورت میں طاقتور انگلستان کمزور ٹرکی کا وہی کچھ بگاڑ لیتا جو کچھ اس کے بجائے نور پاشا کے جہالت نے بگاڑا سبق ایسے ہی کرو یہ تاب نکھار آخرکار معافی مانگی ۔ مسٹر سٹیڈ کہتے ہیں ۔ کہ سلطان اپنے ممالک محروسہ میں تو کسی کی نکتہ چینی گوارا نہیں کر سکتے ۔ لیکن ٹرکی سے باہر دوسرے ممالک کے اخبارات جو کچھ انکی نسبت لکھیں اسکی طرف بڑا خیال رکھتے ہیں ۔ اور انکی بجائے اس ہرزہ سرائیوں و بدزبانیات کو بڑی حقارت سے نظر انداز کرنے کی بجائے ان کے لیڈنگ آرٹیکلوں کا ذاتی معائنہ کے لیے ترجمہ کراتے ہیں ۔

اخبارات و پیغام تار کے متعلق یہ درفشانی کرنے کے بعد مسٹر سٹیڈ صاحب عجب مسخرانہ انداز میں مسٹر کرسٹ پال مال گزٹ کے سابق جادو نگار و سحر پرداز ایڈیٹر کی زبانی مندرجہ ذیل عجیب و غریب ماجرا بیان کرتے ہیں ۔ مسٹر کرسٹ مظالم آرمینیا کے شروع ہونے پر سنہ [illegible] میں بذات خود اصل معاملے کے معلوم کرنے کے لیے ٹرکی تشریف لے گئے تھے ۔ چونکہ یہ اخبار عموماً دوسرے اخباروں کی طرح ٹرکی کے حق میں بیہودہ اور سراپا لغو بہتان نہیں باندھتا تھا ۔ اسلئے حضرت سلطان اعظم مسٹر کرسٹ صاحب سے کشادہ پیشانی پیش آئے اور انکو کئی دفعہ شرف باریابی حاصل ہوا ۔ ایک ملاقات میں اعلیٰ حضرت نے مسٹر کرسٹ کو بتایا کہ ہم چند ایسی اصلاحات بمنشاء خود جاری کرانا چاہتے ہیں ۔ جن کا دول یورپ نے مطلقاً مطالبہ نہیں کیا تاکہ انکو معلوم ہو جاوے کہ ہمکو دول عظام کی کیسی خاطر منظور ہے ۔ اور انکے بے خبر ہیں ۔ اپنی رعایا کی بہتری کا کیسا خیال ہے ۔ دربار سے آکر مسٹر کرسٹ نے بایں خیال کہ سلطان اعظم میری اس کارروائی سے خوش ہونگے پال مال گزٹ یعنی اپنے اخبار کو ایک تار بھیجنے کا ارادہ کیا ۔ اور جو کچھ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا تھا ۔ اس کا لب لباب اور خلاصہ تار میں درج کرکے تار گھر میں بھیج دیا ۔ دوسرے دن علی الصبح ایک سوار مسٹر کرسٹ کے پاس پہونچا کہ سلطان معظم نے آپکو ابھی محل یلدز میں طلب فرمایا ہے ۔ وہاں پہونچکر صاحب موصوف کیا دیکھتے ہیں کہ تار بجائے پال مال گزٹ کے دفتر میں پہونچنے کے سلطان کے روبرو پڑا ہے ۔ اور وہ آپ بکمال غور و فکر سے توجہ کر رہے ہیں

اعلیٰحضرت نے مسٹر کرسٹ سے دریافت کیا کہ کیا وہ تار میں کچھ تغیر و تبدل کرنا پسند کریں گے۔ مسٹر کرسٹ نے جواب
دیا کہ یہ امر سلطانی تغیر کے معلوم ہونے پر منحصر ہے۔ ہز امپیریل سلطان المعظم اور ان کے وزرا نے تار کا نیا مسودہ بنانا شروع
کیا جو کچھ وقفہ کے بعد تیار ہو کر باہر بھیجا گیا۔ اور مسٹر کرسٹ سے دریافت کیا گیا کہ انہیں یہ پسند ہے یا نہیں۔ مسودہ مذکور
اسی طرح سے شروع ہوتا تھا۔ ہز امپیریل میجسٹی کی خاطر سلطان نیک نیتی کا ایک اور ثبوت یہ ہوا۔ آخر امر مسٹر کرسٹ
نے اسے دیکھتے ہی کہا کہ بالکل فضول ہے اور مشتبہ ہے اگر ایسی تار شائع ہو تو اس سے سلطان کی اور بھی سبکی
یہ پیغام پہنچنے پر سلطان اور ان کے وزرا نے پھر دوبارہ مسودہ تیار کیا۔ مسٹر کرسٹ نے اسے بھی ناپسند
کیا تیسری مرتبہ کی کوشش بھی اکارت ہو گئی۔ اور اسی طرح پورے سات گھنٹوں کی مسلسل اور انتھک
محنت سے ایک ایسا مسودہ تیار کیا گیا جس میں طول طویل القاب اور لمبی چوڑی تمہیدیں درج نہ کی گئیں
مگر پھر بھی وہ کسی قدر مہمل سا رہا۔ اور جو امر کہ لیے لائے تھا مسٹر کرسٹ نے جو مسودہ تیار کیا تھا کہ سلطان
کے نیک ارادوں کو مشتہر کرے وہ ایسی طرح ظاہر کیا گیا کہ اس سے سلطان پر وعدہ ایفا کی لازمی
نہ ہو سکے۔ مسٹر کرسٹ نے لاچار ہو کر اس آخری مسودہ کو بھیجنا منظور کر لیا۔ کیونکہ پہلے بھی اس نے
صرف سلطان کو خوش کرنے کے لیے تار لکھا تھا۔ وہ تار کو تار گھر لے گئے۔ اور تار بابو کے حوالے کر کے چلے
آئے۔ مگر دوسرے دن پھر سلطانی قاصد آیا۔ اور انگولینڈ کو شک میں ڈال گیا۔ جہاں آکر اطلاع دی گئی کہ
تار ابھی روانہ نہیں کیا گیا۔ تاکہ اعلیٰحضرت اس پر مزید غور کر لیں۔ اس پر مزید غور کیا گیا۔ اور بالآخر
یہی قرار پایا کہ بہر نوع تار کا بھیجنا ہی مناسب نہیں۔ پس وہ ردی میں پھینک دیا گیا۔ اور تار کا اسی طرح
سے خاتمہ ہوا۔

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد جس کی لغویت اور بناوٹی ہونے کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے مسٹر
شینڈ صاحب لمبی چوڑی منطق چھانٹتے ہیں۔ کہ جب اعلیٰحضرت معہ وزیر اعظم غازی عثمان پاشا اور متعدد دیگر
پاشاؤں کے ایک تعریفی تار کا مسودہ تیار کرنے جیسے فضول اور ناکارہ کام میں پورے پورے سات گھنٹے
مصروف رہے۔ اور اس اثنا میں سلطنت عظمیٰ عثمانیہ کی تمام انتظامی مشین بیکار پڑی رہی اور تمام
کاروبار سلطنت معطل رہا تو اس سے بڑھ کر کیا خرابی ہو سکتی ہے

آپ فرماتے ہیں کہ اگر سلطان کی طبیعت کمزور اور متلون نہ ہوتی تو اتنا وقت صرف نہ ہوتا۔ صرف
چند منٹ کافی تھے۔ اور اگر کل سلطنت کا دارومدار اور کل کاروبار ان کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو خواہ وہ سات
کی جگہ ستر گھنٹے صرف کرتے۔ کاروبار سلطنت کو ایک منٹ بھی معطل نہ رہنا پڑتا۔ نتیجہ و اعتراض تو
بیشک ٹھیک ہی ہے۔ بشرطیکہ مقدمات اور واقعات درست ہوں۔ تار کا قصہ من گھڑت اور کمزوری

درست معلوم ہوتا ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ وہ دل میں افسوس کرتے ہوں گے کہ عیسائیوں کی خونریزی
کمل طور پر نہیں ہوئی۔ انہوں نے کردوں کو مسلح کرکے آرمینیوں کے لیے انکو قاتلان خونخوار و بلائے
بیدرمان بنا دیا ہے۔ ان لوگوں کی باقاعدہ فوج سواران موسومہ عسکر حمیدیہ بنائی گئی ہے۔ انکا صدر
مقام مشرقی فرات کے کنارے بمقام میلاذگرد ہے۔ انکی تیس رجمنٹیں تیار ہو چکی ہیں، اور فی رجمنٹ
۵ سے ۸ سو آدمی بھرتی ہیں۔ جدید اسلحہ اور گولہ بارود کے ملنے اور انکا استعمال کرنا سیکھ جانے سے انکی
وحشیانہ خونخواری و درندگی دس گنا بڑھ گئی ہے۔ آرمینیوں کے قتل کرنے کے لیے باقاعدہ طور پر ترکی فوج
نظام امور کی گئی، اور افسروں نے ایسے ظالمانہ احکام جاری کیے کہ بعض وقت ترک سپاہی بھی انکی تعمیل باکراہ
کرتا تھا۔ ترکی فوج نظام اور حمیدیہ کرد سواروں نے آرمینیوں کا نام و نشان صفحۂ زمین سے مٹانے میں
کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ مگر یہودیوں کی طرح یہ قوم ایسی سخت جان اور جلد بڑھ جانے والی قوم ہے کہ کہیں مغربی
ایشیا سے انکے نابود ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ مظالم کی تواتر اور بد انتظامی سے اکثر لوگوں کا خیال
ہے کہ یہ سلطنت جلدی غارت ہو جاوے گی۔ یہ بات ناممکن نہیں، مگر اتفاقات اس کے برخلاف ہیں۔
ایک عالی مرتبت فرانسیسی مدبر کا مقولہ ہے کہ یہ خیال نہ کرو کہ سلطنت عثمانیہ برباد ہو رہی ہے۔ وہ ابھی دیر تک
قائم رہے گی۔ یہ قدیم سلطنتیں ان پرانی وضع کے چھکڑوں کی مانند ہیں، جو دور دراز فاصلے کے دیہات میں نظر
آتے ہیں۔ وہ چیختے جاتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام جوڑ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر
پڑیں گے مگر منزل کے خاتمہ پر بھی وہ گاڑی ویسی ہی چلی جاتی ہے، جیسی کہ صبح کو آغاز سفر کے وقت تھی
یہی کیفیت پرانی سلطنتوں کی ہے۔ گو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیست و نابود ہونے کو ہیں، مگر جس قوت
و سخت جانی نے انکو کئی صدیوں سے قائم رکھا ہے وہی انکو اب بھی قائم رکھے گی۔ پس سلطنت عثمانیہ کا
جلدی معدوم ہو جانا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسکی عیسائی رعایا کے بچاؤ کے لیے
کوئی مستقل علاج کیا جائے اور وہ علاج یہی ہے کہ جتنے صوبے سلطان کے قبضے سے نکل سکتے ہیں
ان کو نکال لیا جائے۔ آرمینیا روس کو، البانیا اٹلی کو، مقدونیہ اور سالونیکا آسٹریا کو، اور شام فرانس
کے حوالے کر دیا جائے۔ اور باقی جو علاقہ سلطان کے پاس رہے اس کا انتظام دول عظام کے
سفراء کے سپرد کر دیا جائے اور سلطان کو کونسل سفراء کا پریسیڈنٹ بنا دیا جائے[1] اور اگر ہو سکتا

---

[1] مسٹر سٹیڈ لارڈ سالسبری کی تقریر پڑھو تو تمہارا اطمینان ہو جاوے گا کہ سلطان اپنے ظلم سے
بڑھ کر کوئی فرشتہ خصلت بادشاہ بننا محال ہے۔ اگر اس سے کم تسلی نہ ہو تو سلطان کا تذکرہ
زبان پر مت لو۔

جب تو قسطنطنیہ سے بجاے استعمار یورپ کے سپرد کر دیا جاے تاکہ خطہ مختصر کی ایک مدت سے سوداگروں کی طرح
جن کی تجارت چھوڑنا اخبارات میں انکی پریشان دماغی کے ثبوت میں مشتہر ہوتی رہی ہیں مسٹر سٹیڈ
صاحب بھی اپنے اس خیالی علاج و تجویز کی خوبیوں کو متعدد عبارات میں بیان کرنے کے بعد یورپ
سے متفق الرائے ہونے کی درخواست کرتے ہیں کیونکہ بغیر اتفاق کے عیسائی طاقتوں کو کبھی کامیابی
نصیب نہیں ہوگی۔ اور اسی درخواست پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

صاحب موصوف نے اس آخری تجویز سے نعوذ باللہ اپنے مضمون کو بلکہ اپنے تدبر و دانائی اور لیاقت
سیاسیہ کو سمجھداروں کے نزدیک بیوقعت اور ذلیل کر دیا ہے۔ انکی تحریر کا یہ آخری حصہ ایسا لغو
ہے کہ اسکی تردید کرنا محض اپنا وقت رایگان کرنا ہوگا۔ البتہ مسٹر سٹیڈ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ
اگر دول یورپ اسوقت متفق و یکدل ہو جائیں تو ترکوں کی موجودہ حالت ایسی نہیں کہ وہ بھی بحالیکہ
سلطنت کو انکی دست برد سے بچا سکیں ہیں تو کار زمانہ کے کام نیارے ہیں مگر بہر حال ایک
صورت میں سلطنت علیہ عثمانیہ کا بچنا محال ہو جائے۔ لیکن کیا مسٹر سٹیڈ کو یہ حکم الٰہی معلوم
نہیں۔ ومن الذین قالوا انا نصاری اخذنا میثاقھم فنسوا حظا مما ذکروا بہ
فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا
یصنعون (سورہ مائدہ ع ۳)۔

دی سلطان آف ٹرکی

منقول از اخبار زمانہ کانپور ترجمہ مضمون مولوی رفیع الدین احمد صاحب بارسٹر
ساکن حال لندن

تمام باشندگان ممالک مغربیہ و مشرقیہ کے نزدیک کوئی شخص اس خانہ ہستی میں شاید
حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ سے بڑھکر قابل غور نہیں ہے جو اس وقت جلوہ آرائے سریر
سلطنت قسطنطنیہ و خلیفہ مذہب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور کسی شخص کے حالات
شاید آپ سے بڑھکر نہایت مزیدار اور بخیال پیچیدگی معاملات کے موجب دلبستگی نہ ہونگے۔ چنانچہ

ٹرکی کی اب وہ غیر مغلوب ہمیشہ فتح کرنے والی اور زبردست قوت باقی نہیں ہے جناب وہ بر
اعظم یورپ میں صلح اور جنگ کا فرمان جاری کرسکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ ایسے
ممالک کو اپنے خوف سے ہلا دینے والی سلطنت نہیں رہی۔ لیکن اب بھی وہ ایک ایسے خطہ مملکت پر
قابض ہے جو تین براعظم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور ان سرزمینوں پر حکمرانی کا دعوے کرتی
ہے جو سب سے زیادہ دولتمند ہیں۔ اور جہاں فطرت سب سے بڑھ کر اپنے دلربا حسن کا جلوہ دکھاتی ہے
کثیر التعداد مختلف قومیں مختلف فرقے اور مختلف مذاہب کے لوگ اسکے زیر حکومت ہیں۔ اس کا
پایہ تخت جو بڑی بڑی خوشنمائیوں۔ بڑی بڑی یادگاروں۔ اور بڑے بڑے مذاہب والوں کی
جگہ ہے اپنے ہی پاس مشرقی اور مغربی سلطنت کی کنجی رکھتا ہے اسکی پالیسی اب بھی ایک ایسی
قوی اور زبردست قوت ہے۔ جو مقابلہ بہادری اور حب الوطنی کے کسی طرح سے کم نہیں
کہی جاسکتی۔ بہ تفصیل ضرورتوں سے قطع نظر کرکے جو در حقیقت بہت بڑی ہیں سلطان ٹرکی
خلد اللہ ملکہ۔ مثل خلیفہ اسلام و محافظ مزار مقدس کے اپنی بیشمار رعایا پر اپنی ذات مقدس کیوجہ
سے ایک ایسا اخلاقی اثر ڈالتے ہیں۔ جو اس زمانہ تدبر اور لا مذہبی میں انہیں اپنے مذہب کا
عاشق اور دیگر اقوام کے آگے لاثانی اور یکتا بنا دیتا ہے اور باوجود ان سب باتوں کے یہ امر کس
قدر تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ کوئی حکمران اور کوئی بادشاہ یورپ و ایشیا والوں میں اپنے
ملک سے باہر اس قدر کم مشہور نہیں جس طرح کہ سلطان عبد الحمید خان۔ یہ صحیح ہے کہ بہت سے
سیاحان یورپ و امریکہ نے رسالے اور مضامین حضرت جہان پناہ کے حالات میں لکھ ڈالے۔ لیکن ان میں
سے کم ایسے ہیں کہ جو طرفداری کے ناواجبا شبہ سے بری ہوں اور تقریبًا سب کے سب وہی لوگ ہیں
جو پولیٹیکس کی تنگ و مسدود ہوئی نال میں دیکھتے ہیں ان حضرات میں چند ایسے بھی ہیں جو
حضور سلطان کی فیاضانہ دعوت کا مزہ لیکر اور بوجہ غایت انکی شخصی الفت کا دعوے کرکے جب اپنے
ملک میں واپس آتے ہیں تو زیادہ سرگرمی سے ان پر الزام لگانیکا ارادہ کرلیتے اور فضول باتوں
ہی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ انکی سلطنت کے حصے کرکے اپنی اپنی یوروپین
ریاستوں میں ملالیں۔ ایسے نامرغوب تجربوں کے بعد کیا کوئی سلطان کو اجنبی ملاقاتیوں کیطرف
سے بدگمان پاکر متحیر ہوسکتا ہے؟ اگر وہ اپنے ملاقاتیوں کے ساتھ بطور ڈپلومیٹک برتاؤ کریں بخیال
اسکے کہ ایسا نہو کہ انکی غفلت سے کوئی راز انکی سلطنت کا اس شخص کے کان میں پڑجاوے۔ اور وہ مثل
پولیٹیکل جاسوس کے بعد ازاں اُسے طشت از بام کرے تو اسکی نسبت کون شخص آپ پر الزام لگا سکتا ہے؟

بہت کم یورپین سیاح ہیں کہ جن کے پاس وہ ذرائع موجود ہوں جن سے وہ سلطان کے مذہبی اصول و مشغل و منصب کہ اسی پر اسلامی سلطنت کے بادشاہ کی پولیٹیکل کامیابی کا دارمدار ہے واقفیت حاصل کر سکیں سلطان یورپ میں بہت زیادہ نامعلوم سمجھے جاتے ہیں۔ یلدز کوشک محل ہے کیونکہ بہت سی ایسی افواہیں جو سچ ہیں جو کہ بادشاہ کے خلاف یورپ کے کان میں کہی جاتی ہیں۔ بادشاہ اس سلطنت کے زوال کا باعث بھی گنی گئی ہیں۔ جلوان ترکی کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اگر وہ ساتھ ہی ساتھ خلیفۃ المسلمین سلطان اور اُن کی عظمت کی نسبت کچھ نتیجے پر پہنچنے کے لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ایک مشرقی مسلمان کے چشم اور گوش ہو کر قسطنطنیہ میں داخل ہو۔ یورپین ٹورسٹ (سیاح یا ملاقاتی) ایک ہوشیار اور بزرگ ترک کی سرشت اور طبیعت کا اندازہ کرنے سے کسی طرح قاصر ہے جس طرح کہ ایک چینی ایک جرمن کی خلقت کو جانچنے سے۔ ایک مشرقی ملک کا بے راہ انگلستان پہونچ کر اس عدم واقفیت سے سخت متحیر ہوتا ہے۔ جو مسلمانوں کی نسبت یہاں پائی جاتی ہے۔ بار بار بے بنیاد غیر معتبر تمسخر آمیز اور فضول مضامین کا آمد اور قابل اعتبار خبروں کا جامہ پہن کر پریس (انگریزی مطابع) میں پہونچے اور وہاں سے شائع ہوتے ہیں۔ مگر اب وہ زمانہ قریب ہے کہ اس قسم کی شکایتیں رفع ہو جائیں۔ درحقیقت یہ نہایت ضروری اور لازمی بات ہے کہ اس ملک انگلستان کے ہر ایک فرقہ کو دنیا کے جملہ مسلمانان کے حالات کے متعلق معتبر علم رکھنا چاہیے لارڈ بیکنسفیلڈ نے نہایت دانشمندی سے ایک مرتبہ بطور ریمارک یہ فرمایا تھا کہ ہندوستان کی کنجیاں قندھار میں نہیں ہیں بلکہ وہ لنڈن میں ہیں۔ ہم کو شبہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کی قوم کا پولیٹیکل ستون لنڈن ہی میں نصب کر دیا گیا ہے کیونکہ گریٹ برٹن اور مسلمانوں کا میل ملاپ ہر وقت اور ہر گھڑی ہیں (لنڈن میں) ہوتا ہے یہ امر جس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے اسی قدر افسوسناک اور رنجدہ بھی ہے کہ مشرق کے کثیر التعداد اور لاکھوں مسلمان جو سلطان عبد الحمید خان خلداللہ ملکہ کو اپنے سچے دین کا خلیفہ سمجھتے ہیں اور وہ ہر ایک شہر میں ہر جمعہ کے خطبہ میں انکی خیریت اور سلامتی جان کی دعائیں مانگتے ہیں۔ لیکن خلیفہ کے ذاتی حالات سے سراسر بے علم اور بے خبر ہیں اس لیے کہ آج تک کوئی شخص حضرت سلطان کی بارگاہ شوکت پناہ کے حالات کی درستی کا ایک پورا ترجمہ انکے روبرو پیش کرے تو یقین کامل ہے کہ وہ ضرور انکے نزدیک مقبول اور دل پسند ٹھہرے گا۔

ذیل کے حالات جو چند نمبروں میں درج ہیں اس غرض سے لکھے گئے ہیں کہ ان سے باشندگان ممالک انگلستان و نیز مسلمانان ممالک مشرقیہ سلطان کے حالات سے پوری واقفیت حاصل کریں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی رسالہ دور دراز ممالک کے مسلمانوں میں خبر پہنچانے کا ایک عجیب ذریعہ ہے۔ بلاشک وہ عجیب

ہوں تاہم یہ سب ذرائع معمولی نہ تھے بلکہ بہترین خیال کیا جاتا ہے۔ لنڈن کی خبریں اسلامی ملک میں اور کسی اسلامی ملک کی خبریں لنڈن میں بمقابلہ دوسرے ملکوں کے جلد تر پہنچتی ہیں۔ اور یہ بات اس میں اور حقیقتاً یہی وہ کنجی ہے جس کے ذریعہ سے برٹش سلطنت نے مشرقی ممالک کے انتظام و نظم و نسق میں کامیابی حاصل کی۔ آج اگر افغانستان میں کوئی پولیٹیکل تحریک ہوتی ہے اور وہ ہر چیز کی تفصیل برٹش پارلیمنٹ تک جا پہنچتی ہے۔ اطلاعیں بے آپ کل ہر انگریز کی زبان پر اس کا ذکر موجود پاویں گے۔ اور یہی خبر شاید چند ہفتوں میں شاہ ایران کے کان تک پہنچے۔ قبل اس کے کہ حیدرآباد کے لوگوں کو بمبئی کے مظاہرہ جلسے کی خبر ہو۔ لنڈن کے روزانہ اخبار کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس کے اسباب و نتائج پر غور کرتے ہیں ویسا ہی مراکو کے شاہی خاندان کی شادی کا حال ترکوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا ہے۔ مگر ملکہ انگلستان کے نبیرہ جارج پنجم کی تخت نشینی کی خبر دوسرے ہی دن ظاہر ہوئی اور قسطنطنیہ میں ہر دو گرد زبان زد ہوتی ہوگی۔ بہت کم مسلمان قسطنطنیہ میں ہندوستانی زبان بولتے ہیں۔ مگر ایک کثیر تعداد انگریزی اور فرانسیسی بخوبی بول سکتے ہیں۔ لہذا لنڈن اسلامی دنیا کا عام ڈاک خانہ کہا جا سکتا ہے۔

عرصہ چھبیس سال کا ہوا کہ کسی تاریخ میں پہلے پہل ایک حکمران ترک نے انگلستان کے سواحل پر قدم رکھا۔ یہ مثل ایک خوفناک عجیب کے خطبہ ہوا تھا جو انگلستان اور اس کے فرمانروا کے ایک طاقتور دوست اور ذی عزت مہمان کی حیثیت سے پہنچا تھا۔ اس بادشاہ کے تشریف لاتے ہی قدیم سلطنت انگلشیہ کی تاریخ میں ہلالی پرچم اور ستارے دار جھنڈے قصر بکنگھم کی دیواروں کے اوپر پہلو بہ پہلو اڑتے ہوئے نظر آئے۔ یہ سلطان عبدالعزیز کی تشریف آوری کی تقدس مآب جو دو ملکوں کے حاکم۔ دو سمندروں کے مالک حرمین شریفین کے خادم اور خلیفۃ الاسلام کے لقب سے مشہور تھے۔ ملکہ انگلستان اور وہاں کے لوگوں کی طرف سے نہایت تکلف اور خوبی کے ساتھ مہمان نوازی وقوع میں آئی۔

لارڈ میئر (شہر کا بڑا حاکم) نے گلڈ ہال میں بادشاہ موصوف کا استقبال کیا اور اس قصر کی تاریخی دیواروں کے اندر کھڑے ہو کر یورپ کے زمانے میں اولین بار سلطان والا جاہ نے عیسائی سامعین کے روبرو اسپیچ دی۔ حضور سلطان معظم نے اپنے میزبانوں کا شکریہ ادا فرمایا اور بعد ازیں اپنے بیان کو یوں جاری رکھا وہیں ملک میں اور نیز یورپ کے دیگر ممالک میں میرے آنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ (۱) ان ملکوں میں جو تہذیب و شائستگی کے مرکز کہے جا سکتے ہیں بچشم خود دیکھوں کہ اب کونسی بات ایسی ہو گی کہ جو ہمارے یہاں نہیں ہے

سلہ سلطان عبدالعزیز شہید ۱۸۶۷ء میں پیرس اور لنڈن تشریف لے گئے تھے۔ جس واقعہ کو اب ۷۰ برس ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ مولانا صاحب نے اس مضمون کو ۱۸۹۳ء میں لکھا تھا اس لیے ۲۶ برس تحریر کیے گئے ہیں۔ (مترجم)

اور جو ملک کے اس کام کی تکمیل کیلئے درکار ہونگے جیسے مجھے شروع کیا ہے اور (۲) مجھے اپنی اس خواہش کا اظہار
ضروری ہے جو میں اپنی عورت اور قومی ہمدردی کے متعلق رکھتا ہوں۔ اور جسے نہ صرف میں اپنی رعایا میں قائم کیا
چاہتا ہوں بلکہ میری دلی تمنا ہے کہ محبت اور اتحاد ہمارے لوگوں اور یورپ کی دیگر اقوام میں قائم ہو جو ہم
سب کی یکساں بہبودی ہمارے ممالک کی ترقی اور رونق کی بنا ہے۔

سلطان کے ہمراہ ان کے دو بھتیجے صلاح الدین آفندی اور وحید آفندی بھی تشریف لائے تھے۔ ان دونوں
میں شہزادے وحید نہایت درجہ ظریف طبیعت۔ کم سن حسین اور رشید تھے۔ چنانچہ آپ باایں قدر شرمگین تھے کہ
اپنی جائے پناہ کو قصر بکنگھم کے باغ میں ملکہ کو دیکھ کر آپ اپنے تئیں درختوں میں چھپا لیتے تھے۔

یہ وہی شہزادہ تھا جو اس وقت سلطنت ترکی کا نام آور روشن دل حکمران ہے۔ شاید سب سے بڑا کام
جو سلطان عبد العزیز نے اپنے بھتیجے یا اپنے ملک کے ساتھ کیا وہ یہی تھا کہ انہوں نے اس ہوشیار شہزادے
کو سفر یورپ اور خصوصاً لندن کے سفر میں اپنے ہمراہ رکھا۔

وہ عجیب اور حیرت خیز حالات جن میں پڑ کر سلطان عبد الحمید نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ
میں لی تھی۔ ناظرین کو بخوبی یاد ہوں گے۔ اس لیے اُسکی تفصیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے
لیکن اس قدر عبد الحمید شہزادے کی نسبت کہہ دینا بیجا نہ ہوگا کہ یہ ایک ایسا واقع ہے جو عام
میں مشہور بھی نہیں ہے کہ جب تاج سلطنت عثمانیہ کو آپکے فرق مبارک پر رکھنے کو پیشکش پہنچی تو
آپ نے صاف طور پر اسکے قبول کرنے سے انکار کیا۔ بہت کم شہزادے ایسے ملیں گے جو اس قسم کے ہدیے
کا انکار کریں گے۔ اور چنانچہ اسوقت تک سلطنت کے نہایت خطرناک اور بیماری کے عہدے کو قبول نہ کیا
جب تک انکے بڑے بھائی مراد کی دیوانگی اور شوریدگی قطعی طور پر ثابت نہ ہوگئی اور وزیر اُسکے ساتھ رہی۔
انکی اعلیٰ سمجھ روشن دماغی اور حب الوطنی کا بھی اندازہ ہو گیا۔ آپ اسوقت قدیم دستور کے مطابق
مسجد ایوب میں گئے جہاں پہونچکر شریف آفندی نے آپکے دست مبارک میں تیغ عثمانی عطا فرما کر آپ کو
تمام اہل اسلام پر حکومت بخشی۔ یہ شریف قونیہ قسطنطنیہ میں خاص اسی غرض سے بلائے گئے تھے جنکا سلسلہ
سے ہی وہ منصب چلا آتا ہے۔ کہ اس قسم کا حق انہیں لوگوں کیلئے رکھ چھوڑا ہے جو ایسے عہدے پر مامور
ہوں۔ ترکی کی تاریخ میں وہ زمانہ نہایت نازک خیال کیا جاتا تھا۔ تخت سلطنت پر ایک قوی اور مدبر
بادشاہ کی ضرورت تھی۔ اسوقت سلطنت پر تباہی آنے کے لیے شہزادہ کا ایک نادرست فعل یا ذرا نا جائز
حرکت یا تھوڑی سی کوتاہ اندیشی کافی تھی۔ وہ لوگ جو سلطان عبد الحمید خان ثانی خلد اللہ ملکہ کے
چال و چلن یا ملکی روش کو جنگ وجدل کے طوفان بگڑ جانے سے لے کر اسوقت تک نہایت تیز نگاہی [illegible]

عظمت دیکھتے رہے ہیں۔ اس امر کے اقبال سے غالباً ہی تامل کریں گے کہ آپ نے ایسے وقت میں بہ فہم و فراست
و دانش و دوراندیشی کام لیا اور خوش انتظامی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہی وہ باتیں ہیں جن میں آپ سلف
حکمرانان ٹرکی تو بمشکل ان پر سبقت لے گئے ہونگے۔

گذشتہ[1] سترہ سال سے سلطان معظم خارجیہ کے خود ہی سیکرٹری ہیں اور آپ اپنی سلطنت میں
مشرقی مسئلے کے سمجھنے میں سب سے زیادہ قابل اور زود فہم تصور کیے جاتے ہیں۔ آپ اپنی مملکت میں نہایت
محنتی اور جفاکش مشہور ہیں کیونکہ آپ اکثر ہر قسم کے کاغذات خود ہی ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں اور ہر طرح
کے خط و کتابت آپ ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ کسی کاغذ پر جب تک اسے بخوبی پڑھ نہ لیا ہو دستخط نہیں کرتے۔
بہتوں کو اس امر سے حیرت ہو کہ آپ اس قدر کام کیونکر کرتے ہونگے چونکہ بادشاہت کی ترقی و زوال آپ
ہی کے ہاتھ میں ہے پس مقتضائے مصلحت یہی ہے کہ ایسے آدمی کا وجود دلچسپی اور دلآویزی سے خالی نہ
ہوگا ایسے ہر نووارد آپکے دیدار کا دل سے خواہشمند ہوتا ہے مگر بہت کم ایسے ہیں جن کو آپکے ذاتی حالات
معلوم کرنے کی عزت حاصل ہوئی ہو بمقابلہ دیگر شہنشاہوں اور بادشاہوں میں سلطان معظم
اپنے ملکہ اور خوش اخلاق مشہور ہیں۔ جتنے سیاح وہاں سے آتے ہیں۔ وہ آپکے لا انتہا حسن خلق کے ثبوت
بھی اپنے ہمراہ لیتے آتے ہیں۔

ٹرکی کی تاریخ اور انکے مذہب سے مجھ کو ایک فطرتی دلبستگی تھی۔ اور میں انکے حکمران کے حالات خواہ
وہ مذہبی ہوں یا پولیٹیکل ہندوستان میں اور نیز اپنے قیام یورپ میں اکثر دریافت کرتا اور اسکے
واقف ہوتا رہا اور اسی اشتیاق میں میں اگست ۱۹۰۰ء کے موسم خزاں میں اُس سرزمین میں پہنچا۔ سلطان
رفعت پناہ کی حضوری اور قدمبوسی کی تمنا کا اظہار بذریعہ عرضی کے کیا جس کے جواب میں سلطان
معظم نے میرے ملنے کے لیے ۱۰ اگست ۱۹۰۰ء روز جمعہ بعد فراغت نماز کے وقت قرار دیا میں سر الفرڈ
منڈلیس کے ہمراہ جو برٹش سفیر اور میرے معزز افسر پرنسپل میر (مترجم) تھے قصر شاہی کو روانہ ہوا میں
سب سے پہلے اُس جلوس اور اہتمام کو قلمبند کروں گا۔ جو جمعہ کی نماز کے ساتھ متعلق ہے۔

ٹرکی میں جمعہ کے دن جب سلطان خلد اللہ ملکہ اپنے قصر سے جامع مسجد میں پاس شہنشاہ
دوجہان بادشاہ عالم و عالمیان کی حضوری میں بندگی کو تشریف لے کے دیگر رعایا کے تشریف لاتے ہیں۔

---

[1] گذشتہ دو میں بفضلہ یہ اعداد بیس سے تبدیل ہوگئے اور ۳۰ اگست ۱۹۰۶ء سے اعلیٰ حضرت امیر المومنین کے
عہد حکومت کا کیسواں برس شروع ہے۔ اور اگر ستمبر ۱۹۰۱ء کو ترکوں کے مطابق ہمارا عہد حکومت کی نقرہ جوبلی کا
جشن منایا گیا (بندہ محمد انشاء اللہ عفی عنہ)

اس وقت خلیفۃ المسلمین کی عظمت و جلال اور اسلام کی شان و شوکت قابل دید ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ نظارہ کسی دوسرے اسلامی خواہ عیسائی ملک میں آنکھوں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ فوج کے نہایت عمدہ جوانوں میں کو بارہ ہزار وفادار سواروں کی جمعیت جمعہ کے روز اس سڑک کی ہر دو جانب کھڑی ہوتی ہے جو قصر سلطانی سے جامع حمیدیہ تک چلی گئی ہے۔ یہ فوج ہلالی جھنڈے ہاتھوں میں لیے اس شہنشاہ کی سلامی کو حاضر ہوتی ہے۔ جس کے دست قبضہ میں اسلامی پھریرا اور جس کے نام کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کا لقب لگا ہو یہ سوار بادی النظر ہی میں جری اور بہادر معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہر طرح کے نو ایجاد جنگی ہتھیاروں اور بندوق برق اسلحوں سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں۔ سلطانی اڈیکانگ سبز و نگر عربی النسل گھوڑوں پر سوار سیاہ رنگ کی خوشنما وضع کی وردیاں جن کے کناروں پر سنہری اور طلائی بیل لگی ہوئی ہے زیب تن کیے سرخ سرخ ترکش ٹوپی (قسم کلاہ) سروں پر رکھے اور بہادری کے تمغے اپنے سینوں پر لگائے وفادارانہ جوش کے ساتھ یہ شہنشاہی پیچ اور ادھر ادھر گزرتے ہیں۔

جامع مسجد کے مقابل اور قصر یلدز کے قریب ایک چھوٹا سا خوبصورت بالاخانہ واقع ہے جس جگہ سر زور بیرونی کو بلحاظ تمام ایک افسر لیجا کر بٹھاتا ہے۔ اور جہاں سے وہ لوگ حضور سلطان المعظم کو مسجد میں تشریف لیجاتے دیکھتے ہیں۔ جیونہی کہ ترکش کلاک (گھڑی) میں چھ بجتے ہیں یعنی (انگریزی وقت کے لحاظ سے بارہ) بادشاہی امام ڈھیلا ڈھالا قبا پہنے اور سبز عمامہ باندھے عرب اور سیریا (شام) کے چند علماء جو اپنے ملک کے لباسوں میں ہوتے ہیں۔ ہمراہ لیے قصر شاہی کے حدود سے باہر نکلکر خانقاہ کی راہ لیتے ہیں۔ انکے پیچھے دو گاڑیاں جن میں سلطانی حرم کی عورتیں ہوتی ہیں۔ مسجد کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ مسجد کی حدود میں پہنچ کر گھوڑے کھول لیے جاتے ہیں اور تا اختتام نماز یہ خاتونان حرم انہیں گاڑیوں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ انکے بعد وزیر اعظم۔ شیخ الاسلام۔ افسران فوج۔ وزرائے سلطنت۔ وزیر جنگ امیر البحری بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ اور ایک متعدد جماعت اراکین اور اکابران سلطنت کی عجیب شان و شوکت اور جاہ و حشم کے ساتھ یکے بعد دیگرے گزرتی ہیں۔ اور جن کی رفتار سے تمام گزر گاہ جگمگا اٹھتا ہے۔ اس عالمگیر خاموشی میں بگل کی آواز کا یکسان یہ اہم ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اب خاکروش بحضور خلافت پناہ تشریف لاتے ہیں۔ سلطان المعظم ایک کھلی ہوئی گاڑی میں جس میں دو خوبصورت عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ جلوہ افروز ہوئے آپکی حضوری میں عثمان پاشا پلیونا کے مشہور ہیرو جن کو بادشاہ کے مقابل بیٹھنے کی عزت حاصل ہو رہی تھی۔ گاڑی کو چاروں طرف سے حضرت جہان پناہ کے باڈی گارڈ کے افسر حلقہ کیے ہوئے تھے۔ ان چیدہ شخصوں کی جماعت ایسی جری

نہ خوبصورت تھی کہ مجھے اس سے پہلے ایسے وجیہ اور خوش رو جوانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ
محافظان بادشاہی عربی گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کے گھوڑوں پر نہایت زرق برق زین پوشیں پڑی ہوئی
تھیں سلطان کے مشاہدہ جمال سے ایک گونج کی سی آواز دلی جوش اور جان نثاری کے اظہار میں فوج کے
درمیان سنائی دی۔ فضا گونج گئی۔ پادشاہم چوق یشا یعنی بادشاہ بہت زندہ رہے کا نعرہ بلند ہوا۔
نعروں کی گونج کی صدا ابھی تک کم نہیں ہوئی جب گاڑی اُس بالا خانہ کے قریب پہنچی جو کہ مختلف سنگ
بیلاج اور جہاں تشریف رکھتے ہیں۔ تو یہاں اہلِ حضور کی تعظیم کیلئے کسی قدر جھکتی ہیں۔ اور ان کے عہدہ منگلیں
بھی اسی طرح پر اظہارِ تسلیم میں سر جھکا لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سلطان بادشاہ نہایت دلکش طریقہ سے ان کی سلاموں کا جواب دیتے
ہیں۔ آپ پہلے اپنے دستِ مبارک کو سینہ پر رکھتے اور پھر اس کو سر تک لے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ان کی
تشریف آوری سے خوش ہیں۔ اور خوش آمدید کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر بہت سے اہل العلم اور دیندار اور حضرت
جہاں پناہ کا استقبال کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے ساتھ اپنے مخصوص کمرہ میں جاتے ہیں جو مسقف برآمدہ یا کمرہ بشکل برج ہے
ہیں۔ جہاں سے کہ حضور ممدوح مسجد کے اندر کی چیزوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اور آوازیں سن سکتے ہیں۔ لیکن
دیگر نمازی بہ مشکل آپ کے دیدار کی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔ میں بھی بالا خانہ کے جھروکہ سے جو معزز مہمانوں کیلئے
تعمیر ہوا ہے سلطان کو تشریف لاتے دیکھ کر خوش ہوا۔ بادشاہ عالم پناہ کے مسجد میں داخل ہوتے ہی سلطانی
دیدیکانگ کا ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور وہ اپنے ہمراہ مجھ کو مسجد کے اندر لے گیا۔ جہاں مجھے آگے ایک عمدہ
جگہ بیٹھنے کے لیے بتلادی۔

جب لوگ باطمینان بیٹھ چکے تو امام صاحب نے خطبہ شروع کیا جس کے ختم ہونے سے پہلے انہوں نے سلطان اعظم
خلیفۃ الاسلام کی صحت سلطنت کی عمر دولت و اقبال کے دعائیہ الفاظ اسی طریقہ سے نہایت جوش میں زبان سے ادا
کیے۔ جیسے کہ انگلستان کے گرجوں میں ملکہ کے واسطے دعا کیے جاتے ہیں۔ مگر یہاں ایک نئی بات دیکھنے میں آئی جس
میں حیرت اور خوشی دونوں ملی ہوئی تھی۔ اور یہ مشاہدہ تھا سلطنت اسلامیہ کے ایک قدیم دستور کا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین زمانہ خلافت میں یہ دستور تھا کہ جمعہ کے دن نماز خطبہ کے موقع پر کوئی
شخص مسلمان خواہ وہ ادنیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ امیر خلافت کے چال چلن وغیرہ پر نہایت آزادی سے کھڑے
ہو کر اعتراض کر سکتا تھا۔ اور اپنے مظالم کا جن پر پوری پوری توجہ نہیں کی جاتی تھی اظہار کر سکتا تھا۔ یہاں بھی
جونہی نام نامی سلطان عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ کا خطیب کی زبان پر آیا کہ چند اشخاص
جن کے ہاتھوں میں اپنے اپنے عرض حال کی درخواستیں اور عرضیاں تھیں۔ ناگہ مجمع سے اٹھے۔ یہ وہی لوگ ہیں
جو کہ مظالم کی چارہ جوئی یا تلافی سے ماتحت افسران عدالت انکار کر چکے ہیں۔ اور وہ اس طریقہ سے

خلیفۃ المسلمین سے دادخواہ ہوتے ہیں۔ غرض یلدیز ان کاغذوں کو اس طرح جمع کرتا جاتا ہے گویا وہ بجنسہ
سلطان کے حضور میں پیش کیے جاویں گے۔ میں نہیں جانتا کہ کہاں تک سلطان ان کاغذوں کی طرف اپنی
توجہ مبذول فرماتے ہونگے۔ یہ رسم مجھے انتہا کی معلوم ہوئی اور مجھے اس سے بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی
اوّل اس وجہ سے کہ شروع زمانہ اسلام کی خود مختاری کے اصول جمہوریت کا ایک ایسا سادہ اور بیش بہا بہترین نمونہ
ہے اور دوم اس خیال سے کہ یہی ایک ایسا دستور ہے جس کے ذریعے مظلوم اور ستم رسیدہ کی فریاد
شہنشاہ وقت کے کان تک پہنچ سکتی ہے خانۂ خدا کا تقدس ان ہر قسم کے زور و ظلم کے روکنے کیلئے
سپر کا کام دیتا ہے علاوہ وہ بریں اس مقام پر شہنشاہ اور گدا برابر ہیں۔ زبردست سے زبردست حکمران
کی وقعت مسجد میں کسی طرح عام اور غریب نمازیوں سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی یہ وہ عدالت ہے جہاں مالک
اور غلام پہلو بہ پہلو اس بادشاہ دو جہاں اور شہنشاہ کون و مکان کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں جس
کے قہر اور جلال کے آگے بڑے بڑے خودمختار بادشاہ کانپتے اور تھرتھراتے ہیں۔ نہایت سنجیدگی کے
جیسی نماز ادا ہونی چاہیے دوگانہ ادا ہوا۔ لیکن امام جمعہ کی اس فصیح تقریر سے جو انہوں نے بطریق دعا
محافظ دین متین اور خلیفۃ المومنین سے مخاطب ہوکر دربارہ مذہب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور
نیز اس دعا سے جو انہوں نے بارگاہ ایزدی میں اسلام کی گری قوم کے ابھرنے اور خلیفۃ المسلمین کی
نگہبانی کے واسطے مانگی۔ اور جس میں تمام حاضرین شریک تھے۔ ایک عجیب دلسوز اثر اور کیفیت پیدا
و طاری ہوئی۔ ٹرکی کی حالت کو دیکھ کر اور مسلمانوں کے حالات کا اندازہ کر کے میرا دل اور میری آواز انکی
اس عام دعا میں جوش کے ساتھ شریک ہوئی۔ نماز کے بعد حضور سلطان عالم پناہ گاڑی پر سوار ہوکر قصر
شاہی کو روانہ ہوئے۔ راہ میں آپ برابر سب کی سلاموں کا جواب دیتے جاتے تھے۔ جناب ممدوح کے تشریف
لیجانے کے بعد میں سلطان کے ایڈیکانگ کے ہمراہ اس محل کو روانہ ہوا جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اور وہاں مجھ
چیمبرلین کے حکم کا منتظر رہا۔ اس دن چند پولیٹیکل معاملات ایسے درپیش ہوئے جس میں آپکو خاص طور پر
مصروف ہونا پڑا۔ موسیو نشیدور کامبن سفیر فرانس رخصت پر اپنے وطن جانیوالا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ سلطان
سے چند ڈپلومیٹک معاملات میں گفتگو کرنے کا خواہشمند ہوا۔ اسکے بعد ہم خودمختار ریاست بخارا کا وزیر
اعظم مونشیر اشام بلطف پہلے ہی پہل سلطان المعظم کی قدمبوسی کو حاضر ہوا۔ چنانچہ فرانسیسی سفیر کے بعد
یہی وزیر موصوف طلب کیا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد بخارا کا ایجنٹ میرے کمرے میں آیا جب سفیر برطانیہ
(انگلستان کے اورینٹل سیکرٹری (سیکرٹری معاملات شرقی) نے مجھ سے مسٹر ڈوس (معرفی) کرایا۔ تھوڑی دیر
کے بعد اسنے ایک دلچسپ تقریر شروع کی جس میں اُسنے بیان کیا کہ باشندگان ملک بخارا سلطان کے

دلسوز جان نثار اور فرمانبردار ہیں۔ جس کے سننے سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور میں نے اُس سے پوچھا کہ
کیا آپکے ہموطن روسیوں کے مقابلہ کسی حملہ میں سلطان کی طرف سے لڑنا پسند کریں گے جس کے جواب میں
اُسنے مجھے یقین دلایا کہ وہ ضرور لڑینگے کیونکہ اُنکی ہستی بحیثیت قوم یہود بھی ترکی کے برقرار رہنے پر منحصر خیال
کیجاتی ہے۔ اُسکی رائے سلطان کی نسبت نہایت عمدہ تھی۔ اور وہ سلطان کو تربیت یافتہ حکمران اور
بیدار مغز ڈپلومانسٹ (مدبر) خیال کرتا تھا جب کہ ہم اِس قسم کے عمدہ ذکر اذکار میں مشغول تھے سلطان
عالم نے مجھکو طلب فرمایا مسٹر الفرڈ سندرسن کے ہمراہ میں یلدز کوشک کے نو تعمیر قصر میں داخل ہوا
داخلہ پر تحسین بے جو مہمانوں کے استقبال اور خاطر و مدارات کرنے والی جماعت کے افسر اعلیٰ تھے ہمارے
استقبال کو آئے اور ہمراہ لے کر اندر داخل ہوئے۔

مجھے سخت حیرت ہوئی جب میں نے دیکھا کہ ایک مشرقی بادشاہ کا قصر ہو بہو مثل ایک انگلستان کے
شریف آدمی کے ڈرائنگ روم یا دیوان عام کے ہے۔ اگر میں دہلی میں خاندان مغلیہ کے شہنشاہ کے
قصر میں داخل ہوتا تو میں ضرور اسکے دیوان خاص کو بیش بہا اور نادر جواہرات سے مزین اور عمدہ قسم
کی اشیاء سے آراستہ و پیراستہ پاتا۔ اور میں درحقیقت یہ نہیں بتا سکتا کہ میں اور کیا کچھ نہ دیکھتا۔
مگر ناظرین کو اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے۔ کہ سلطان کے قبضہ میں کوئی عمدہ اور شاندار
عمارت نہیں ہے۔ اُنکے قبضہ میں ایسے ایسے بہت سے مکانات ہیں۔ لیکن وہ خود اُنکو بہت کم اپنے استعمال
میں لاتے ہیں اور انہیں محلوں میں اُنکے مہمان ٹھہرتے ہیں اور آرام پاتے ہیں۔

جب ہم کمرہ میں داخل ہوئے تو حضور سلطان خلد اللہ ملکہ کو بہتے بطریق مہمان نوازی ایستادہ پایا میری
اُس وقت کی حیرت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جب میں نے مالک قصر و حکمران سلطنت ترکی کو اس حال میں دیکھا
میں۔ یقین ہے کہ اُس بادشاہ کے حضور میں اسوقت کھڑا تھا۔ جو محمد ثانی اور سلطان سلیم کی نسل سے ہیں
آپکے فرق مبارک پر کوئی قیمتی عمامہ یا جسم پر کوئی جڑاؤ جامہ تھا۔ اور نہ جواہرات یا اس قسم کی کوئی چیز
تھی جس کی وجہ سے مشرقی شہزادے عوام سے تمیز کیے جاتے ہیں۔ بلکہ بجائے اس کے آپ زیور شرافت
سے مزین اور جامہ خلق و تواضع سے آراستہ نظر آتے تھے۔ آپ بظاہر ایک یورپین شہزادے معلوم ہوتے
تھے۔ لیکن عوام سے زیادہ خلیق اور عادۃً زیادہ صاف دل۔ مشرقی ممالک میں یہ قول بطور علوم
شعار رفعہ کے سمجھا جاتا ہے۔ کہ شہزادے کو ایک نظر دیکھ کر اُسکی رعایا کے حقیقت حال سے آگاہی
ہو جاتی ہے۔ مجھ کو اُس وقت اپنی جبہ و دستار پگڑی اور ڈھیلے ڈھالے عربی جامہ پر سخت شرمندگی
ہوئی کیونکہ بہ خیال تعظیم سلطان و بنظر ہمدردی ملک مجھکو لازم تھا کہ میں بھی ترکش فراک کوٹ شاہ حضرت

(فراک کوٹ) اور فیز (ترکی ٹوپی) کے ساتھ جناب ممدوح کے روبرو حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے فیز میں ہیروں اور جواہرات کا طرہ لگانا جو تمغے آباو اجداد کے وقت سے چلا آتا تھا قطعی طور پر ترک کر دیا ہے۔ ایک دوسرے امر نے میری توجہ کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور جس سے مجھے کچھ کم حیرت نہ ہوئی۔ وہ یہ تھا کہ سلطان المعظم کے حضور میں ہر چند اُس قسم کے رسم و رسوم یا آداب ظاہر داری کے بجا لانے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی جن کا برتاؤ مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کے روبرو یا دیگر مشرقی درباروں میں لازمی سمجھا جاتا ہے کہ اس کمرہ میں کوئی ملازم جیسا کہ عموماً مشرقی شہزادوں کے خاص کمروں میں ہوتے ہیں حاضر نہ تھا یہاں تک کہ بجز میرے سر الفرڈ وسندیمن اور ایک خاص افسر کے دوسرا کوئی شخص بھی وہاں نہ تھا مجھ آخر الذکر شخص نے جن کا خیال غالباً یہ تھا۔ کہ میں ایک یورپین شخص کے طریق سے سلام بجا لاؤں گا حضور سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن کچھ تو میرے دلی جوش نے اور کچھ اُس دستور نے جو پشت در پشت سے آ رہا ہے۔ مجھکو اس امر پر مجبور کیا کہ میں خلیفۃ المومنین کی خدمت میں آداب اور کورنش اُسی طریقہ سے جھک کر بجا لاؤں۔ جو طریقہ کہ سلطنتہائے مشرقیہ میں رائج ہے۔ غرض جب یہ رسم ادا ہو چکی تو حضور ممدوح نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور اپنی جگہ پر تشریف رکھنے کے بعد مجھ سے بیٹھنے کو اشارہ کیا آپ کی ذرہ نوازی جو آپ نے اپنی حضوری میں میرے حال پر فرمائی۔ زیادہ تر مثل ایک دوست کی تھی۔ نہ صرف مثل ایک ہم مذہب کے۔ مجھے ایک اولو العزم بادشاہ کے ہاتھوں ایسے خلق اور تواضع کی ہرگز امید نہ تھی۔ مجھے سلطان جہان پناہ کو اپنے ملاقاتیوں سے بیٹھنے کے لیے فرماتے سُن کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ یہ ایک ایسی عزت افزائی تھی جس کو آپکے آبا و اجداد نے شاید ہی عطا کرنا قبول فرمایا ہو۔

حضور ممدوح کے زیب تن ایک سادہ فراک کوٹ تھا۔ اور بالا سر ایک لمبا فوجی لبادہ۔ آپنے تمغہ کی قسم سے کوئی چیز مثل آرڈرز (علامات نائٹ ہڈ) ستارے یا ریشمی فیتے جو بطور آراستگی کے مستعمل ہوتے ہیں نہیں لگائے تھے۔ سلطان المعظم بہت حسین ہیں۔ اور آپکے گول سر پر چھوٹے بال بہت خوشنما نظر آتے ہیں۔ آپکے خال و خط اور چہرہ کے نقشے عجیب ہیں جو بادی النظر میں بہت خوبصورت اور بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بادشاہ روم اور ایک ہندوستانی مسلمان کے درمیان برطانیہ کی زبان کے وسیلہ گفتگو ہوئی ہے۔ سلطان المعظم فارسی اور چند یورپ کی زبانوں کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ اپنی زبان کے سوا دوسری زبان میں شاذ و نادر گفتگو کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ ترکی زبان میں آپ کی تقریر بہت شیریں اور فصیح

ہوئی ہے۔ مجھے بے انتہا ملال تھا کہ میں اپنی نا قابلیت کی وجہ سے آپکے سخن کی حسن و خوبی جو آپکے
لب مبارک پر آتے تھے نہ پہچان سکا۔ آپنے ایک تبسم کے ساتھ جس کا ہونا بادشاہوں میں خصوصاً
مرغوب و خوش آیند ہے اپنی گفتگو شروع کی۔ آپ کی سادگی خود آپکے ملاقاتیوں کی توجہ کو بہ لحاظ
آپکی طرف زیادہ کرتی تھی۔ آپ وقت گفتگو شیریں بیانی اور صاف دلی کا اس درجہ اظہار فرماتے
ہیں۔ کہ جس سے تھوڑی دیر کے لیے سامعین کے دل سے آپکے بادشاہ ہونے کا خیال جاتا رہتا ہے اور
آپ جب اپنے منظور نظر سفیروں سے باتیں کرتے ہیں تو انہیں از راہ مہربانی سگرٹ بھی عطا فرماتے ہیں
مسلمانان ہند کے حالات سے سلطان المعظم کو بہت دلچسپی ہے۔ اور آپ انہیں میں کسی شخص کی
زبانی یہ سنکر کہ ملکہ وکٹوریہ خلد اللہ ملکہا کے عہد سلطنت میں وہ لوگ خوش ہیں اور برابر ترقی کیجاتے مسرور
و شاد ہوتے ہیں۔ آپ بحیثیت مسلمانوں اور انکے علوم کے سرپرست ہونیکے اس خبر کے سننے سے
بہت خوش ہوئے کہ شہنشاہ علیا قیصرہ دام اقبالہا نے مشرقی لوگوں کی زبان پڑھکر انکو عزت
بخشی ہے۔ آپنے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا ملکہ ہندوستانی لکھ پڑھ سکتی ہیں۔ جسکا جواب میں نے اثبات
میں دیا۔ میں سن چکا تھا کہ سلطان کو اپنی معلومات کے وسیع کرنیکا بہت خیال رہتا ہے اور یہ کہ آپکی علم و واقفیت
غایت درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپکے فرخ دیکھنے کا مجھے بھی اسوقت موقعہ ملا۔ آپکو گفتگو کرتے وقت
کسی قسم کی دقت نہیں پیش آتی۔ آپ بخوبی جان لیتے ہیں کہ کس ذریعہ سے کس امر میں گفتگو کرنی
چاہیے۔ اس خیال سے کہ مجھ کو قانون اسلام سے خاص وابستگی ہے حضور ممدوح نے دو ایک سوال اسکے
متعلق مجھ سے دریافت کیے۔ اور آپنے اپنی زبان مبارک سے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہیں دیکھکر بہت خوش
ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے دار الخلافت کی سیر سے بہت محظوظ ہوگے۔ میں حضرت جہان
پناہ کی اس عنایت خسروانہ کا دل سے شکر گزار ہوا۔ اور بارگاہ ایزدی میں سلطان ترکی اور خلیفۃ الاسلام
کی اولوالعزمی کا داعی ہوا۔ میری اسوقت کی ملاقات کا نتیجہ بہت ہی پر اثر تھا جب میں رخصت کی
اجازت چاہی تو سلطان المعظم نے میرے سر اور شانے پر ہاتھ رکھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ گویا حضرت
جہان پناہ بحیثیت خلیفہ دعائے برکت دے رہے ہیں۔

تقریباً چار صدی کا زمانہ گذرا کہ سلطان حال کے جد امجد سلطان سلیم کو بعد فتح مصر خلیفۃ الاسلام
کا خطاب دیا گیا تھا۔ ہمیں شک ہے کہ اسوقت سے لیکر اب تک شاید کسی شہزادے نے تخت سلطنت ترکی
پر اپنے تئیں اس درجہ مستعد خلیفہ ثابت کیا ہوگا جس درجہ کہ موجودہ حکمران ترکی نے سلطان عبد الحمید
خان ثانی سے چند پولیٹیکل غلطیاں ہوئی ہیں۔ لیکن انکی دوامی ناموری کے لیے یہ ضرور کہہ دینا

چاہیے کہ آپ جب سے مسند نشین تخت سلطنت عثمانیہ ہوئے اُس وقت سے لیکر آج تک آپنے اپنے تئیں نہایت خوبی اور قابل تحسین طریقہ سے بیشمار اور طرح طرح کے امورات میں شغل خلیفۃ الاسلام مشغول و مصروف رکھا باوجود متعدد خدمات منصبی کے جسکو آپ پورا کرتے ہیں آپ حسب معمول اہل اسلام ہر روز پنجگانہ نماز پابندی وقت کے ساتھ جو گھڑی کے مطابق ہوتی ہے ادا کرتے ہیں۔ آپ ماہ رمضان المبارک میں تیسوں روزے رکھتے ہیں منشی اشیا کے استعمال سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ اپنے تئیں قماربازی سے باز رکھتے ہیں۔ آپ مذہبی اور اخلاقی تعلیم گاہوں کی نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دنیا کے کسی اسلامی حصہ میں کیوں نہ ہو قدر کرتے اور بہت سی ترقی دیتے ہیں۔ علاوہ بریں آپکی داد و دہش صرف اپنی ہی قوم کے غربا و مساکین تک محدود نہیں ہے بلکہ مطابق فرمان الٰہی و کلام ربانی ہر ایسے شخص کی آپ مدد کرتے ہیں جو اسکا مستحق ہے خواہ وہ کسی مذہب یا کسی فرقہ کا ہو۔

اگر شیخ الاسلام کو کوئی تحفہ عنایت ہوتا ہے تو یونان اور آرمینیا کے چیف پادری (بڑے پادری) بھی مرحمت خسروانہ سے محروم نہیں رہتے۔ آپ اکثر اوقات نہایت درجہ کے تحمل سے کام لیتے ہیں اور اپنے تئیں کسی وقت متعصب نہیں ثابت ہونے دیتے۔ علوم کیطرف آپکی خاص توجہ ہے۔ چاہیے وہ جس قسم کا ہو اسکا ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ نقاشی اور سنگتراشی جن کا میلان آپکے اکثر آبا و اجداد روا نہ رکھتے آپ ہی کی تحریک سے تمام مملکت میں پھیلے اور برسر ترقی ہیں۔ آپ ہر ملک اور ہر ولایت کے علما اہل اسلام کی جانب پورا پورا التفات فرماتے اور نہایت خندہ پیشانی سے انکی عزت اور تواضع کا خیال رکھتے ہیں جب کبھی یورپ کے بزرگوں کی بارگاہ میں مہمان نوازیاں ایک دستور قائم ہیں جنکو کبھی ملاقاتوں کی بھی آؤ بھگت آپکے دل میں اسقدر کشادہ دلی سے وقوع میں آتی ہے جو انکو دیگر یوروپین دربار میں ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔

سلطان عبدالحمید خلد اللہ ملکہ زمانہ قدیم کے توہمات اور تعصبات سے بالکل مبرا ہیں۔ اب وہ نہایت خوشی سے مشہور یوروپین لیڈیوں کو اپنی میز پر کھانے میں شریک کرتے اور بیحد عمدہ طریق کی مہمان نوازی کا اظہار فرماتے ہیں آپکو جرمنی کی شہنشاہ بیگم کے ساتھ گاڑی میں پہلو بہ پہلو بیٹھ کر سیر کرتے اور انکو اپنے ہمراہ شاہی دستر میں میز پر جگہ دیتے دیکھکر ترکوں کی جماعت میں ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا چونکہ حضرت جہاں پناہ سلطان المعظم خلیفہ بھی سمجھے جاتے ہیں اسلیے اس موقعہ پر اگر چند الفاظ انکی گوش گذار کیے جائیں تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ جو جو تکلیفیں[1] کہ ہندوستان کے زائرین مکہ معظمہ اس مقدس شہر کو جاتے ہوئے راہ میں جزیرہ کامران اور دیگر مقامات متعدد میں برداشت کرتے ہیں بلاشک اسلام کے پیارے نام پر بدنما دھبہ لگاتی اور اسکی حرمت کو کم کرتی ہیں۔ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ حلبی کے ایک متمول اور

[1] یہ تکلیفیں اب چند سال ہوئے [illegible] سے حجاز ریلوے [illegible] شروع ہو گئی ہے [illegible]

ذی وقار سوداگر نے جو خود حج بیت اللہ شریف کو تشریف لیگئے تھے۔ سال گذشتہ مجھے ایک خط لکھا
جس میں صاحب موصوف نے بعد لکھنے زائرین کی تکالیف اور ان کے جو راہ میں آتی ہیں پیش کی ہیں مجھ
سے درخواست کی کہ میں ان کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر سوچوں چنانچہ میں قسطنطنیہ میں ان تجاویز شکایات
مذکورہ کا اجمالی ذکر نے احمد جلال الدین پاشا سے جو سلطان المعظم کے ایڈی کانگ تھے کیا انہوں نے
وعدہ فرمایا کہ جس قدر جلد ممکن ہوگا میں اس معاملہ کو سلطان کے روبرو پیش کرونگا مگر سال بھر ہوگیا
ابتک اسکے متعلق کوئی خبر سننے میں نہیں آئی۔ میں ترکی کی مالی مشکلات سے بخوبی واقف ہوں اور
میں جانتا ہوں کہ اس مسئلہ کے حل کرنے میں کیا کیا دقتیں پیش آسکتی ہیں۔ لیکن اس معاملہ کی
اہمیت اور ضرورت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ میں اسکے متعلق حضرت خلیفۃ المسلمین کی
خدمت میں بار دیگر عرض کرنا اپنا عین فرض سمجھتا ہوں۔ تاکہ حضور ممدوح اپنی توجہ اس طرف مبذول
فرمائیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر مالی امداد کی ضرورت ہو تو شہزادگان و سوداگران ہندوستان کے ان
جہازوں کے پاس جو عرب میں تیار رہتے ہیں چندہ بھیج سکتے ہیں۔

پھر ایک اور تجویز میں پیش کرتا ہوں جو دربارہ یونیورسٹی قائم کرنے کے ہے۔ یہ یونیورسٹی
یا دارالعلوم عظمیٰ[1] قسطنطنیہ میں قائم ہونی چاہیے جو مسلمانوں کو علم ادب اور انکے قانون میں ڈگریاں (فضیلت کے
خطاب) عطا کرتی ہے۔ فی الحال اسلامی دنیا میں اس قسم کا کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ عیسائی یونیورسٹیاں انکو
ڈگریوں کو عطا نہیں کرسکتیں۔

ایسے دارالعلوم کے قائم ہونے سے جو بڑے بڑے ادیب اور دانشمند تمام اسلامی دنیا کی ہر سمت سے اکٹھا
ہوکر ترکی میں جمع ہونگے۔

یہ دارالعلوم تہذیب اسلام کے اندر ہی اندر جلنے والی آتش کو از سر نو روشن کریگی اور اس باہمی محبت
اور اخوت کی گرہ کو مضبوط کرے گی جسکا ہونا مسلمانوں میں خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو۔ ضروری ہے
سلطان عبدالحمید خلد اللہ ملکہ کا نام ایسی یونیورسٹی کی بنا ڈالنے کی وجہ سے زیادہ تر آئندہ آنے والی
نسل میں پیاری یادگار سمجھا جائے گا اور ہمیشہ برقرار رہیگا۔

سلطان عبدالحمید جیسے حکمران کے حالات سے پوری واقفیت حاصل کرنے کیلیے ہر شخص کو لازم ہے کہ
وہ ان متعدد قوتوں اور پیچیدگیوں کو جان لے جو دول یورپ کی وجہ سے آپکے قدم کو آگے بڑھنے سے روکتیں
اور ایکدم میں انکار کا کام دیتی ہیں۔ اول انقلابات کو لیجیے قسطنطنیہ جملہ اقوام جملہ مذاہب اور جملہ فرقوں کی

---

[1] اس وقت قسطنطنیہ میں یونیورسٹی کی بنیاد قائم ہوگئی ہے۔ ترکی اور اسکے متعلق مفصل حالات کیلیے کتاب ترکوں کی موجودہ ترقیات
اور اسلامی دنیا کا دور جدید ملاحظہ کیجائے

ملنے کی جگہ ہے۔ دو پولیٹیکل اتھنولوجیکل (انسان کی مختلف نسلوں کے علم کے متعلق) تھیالاجیکل یعنی علم
دینیات کا طلبا کے لیے میوزیم یا عجائب گھر ہے۔ دو پولیٹیکل سازش کرنیوالوں مجرموں کے گھڑنے والوں،
ناجائز اخباروں کے اجرا کی نامہ نگاروں اور ہر قسم کے جاسوسوں کا محور رہا ہے۔ دوسرے ملک کا رہنے والا وہاں ایک
ترکش رعیت کی حیثیت سے بھی رہ سکتا ہے۔ اور نیز اپنے بادشاہ کی رعیت کی حیثیت سے بھی یعنی کہ جیسا عمل اور
موقعہ وہاں در پیش آئے۔ یہ دارالخلافت تمام سلطنت کا مالی کرہ و نمونہ عالم صغیر سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت
ایسی مختلف اقوام کی جماعت اور ایسے مختلف مذاہب کے لوگوں پر حکومت کرنا بہت ہی دشوار ہے لیکن
باوجود تمام مشکلات کے سلطان المعظم کے عہد حکومت میں بہت اصلاحات عمل میں آئیں۔ ترکی کی مالی
حالت آپ کے وقت میں بہت درست ہو گئی ہے اور اسکی فوجی طاقت بھی ہر طرح پر بہت کچھ بڑھ گئی
ہے جس کی وجہ سے اب کسی طرح بغیر کامل تکرار و غور کے دوسری سلطنت کی چڑھائی ترکی پر آسان نہیں سمجھی
جا سکتی۔ سلطان المعظم نے تمام بری باتوں کی ایک حد سے بیخکنی کر دی۔ اور آپ اپنی رعایا میں تعلیم
کے پھیلانے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اس وقت دارالسلطنت ترکی میں بیس اور دیگر صوبوں میں سو دوسرے
درجہ کے مدارس ایسے موجود ہیں۔ جنہیں سلطان حال نے قائم کیا ہے۔ ابھی ابھی آپنے بادیہ گرد قوموں کے
لیے بھی مدرسے اور سکول قائم کیے۔ بلاشک اسپر بھی ابھی بہت کچھ کرنا ہے لیکن ہمیں سلطان المعظم کی ان
چھوٹی چھوٹی مہربانیوں کا ضرور شکرگذار ہونا چاہیے۔ مجھے خصوصاً اسبات کے معلوم ہونے سے بڑی
خوشی ہوئی کہ حضرت ممدوح تعلیم نسوان کے معاون اور اسکے سرپرست ہیں۔ اور آپنے لڑکیوں کی تعلیم کیلیے
مدرسے جاری کیے ہیں۔ بعض موقعہ پہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ترکی میں بجز سلطان المعظم کوئی ایسا شخص
نہیں ہے جو قابل وابستگی خیال کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان المعظم باوجود پولیٹیکل اور
مذہبی اعزاز اور امتیاز کے اپنے ملک میں لاثانی پایہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ کہنا درحقیقت مہمل حیثیت غرض ہوگا
کہ ترکی میں کوئی اور شخص قابل وابستگی نہیں ہے۔ اکثر باشندے ترکی کے انتہا بیدار مغز۔ اور شخصی لیاقت
کی وصف خداداد سے بہرہ مند پائے جاتے ہیں۔ مجھکو جواد پاشا وزیر اعظم حضور باب عالی سے بہت دیر تک ملنے
اور گفتگو کرنے کا موقعہ ملا مختلف سبجکٹ اور باتوں پر آپس میں گفتگو رہی جس سے ظاہر ہوا کہ وزیر موصوف کو
بہت سی باتوں سے جنکو آپکے سلسلہ ملازمت سے کوئی تعلق نہیں ہے پوری پوری واقفیت حاصل ہے۔

حنیف پاشا وزیر سررشتہ تعلیم اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور مشہور تربیت یافتہ خیال کیے
جاتے ہیں۔ آپکو انگریزی، فرانسیسی، جرمن، عربی اور فارسی زبانوں پر پوری مہارت حاصل ہے آپ [illegible]
کے پولیٹیکل معاملات میں قابلانہ گفتگو کر سکتے ہیں۔ دیگر اشخاص میں جن کی قابلیت، شہرت اور لیاقت کا

دانشمندی نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔ شریا پاشا۔ رضا پاشا فوجی پیادہ
جنرل شاکر احمد پاشا مصور۔ ان کے علاوہ ٹرکی میں دو اور مشہور اشخاص ہیں جن میں سے ایک جودت پاشا
قانون اسلام کے نامور عالم ہیں۔ جو حالیہ منسٹر آف جسٹس یعنی محکمہ عدالت تھے اور جن کی محنت اور کوشش
کا نتیجہ ٹرکی کے ملک کا مجموعہ قانون دیوانی ہے۔ اور دوسرے احمد مختار پاشا سلطانی منیر ہیں ایک نامی پولیٹیشن
ہیں جن کی شہرت سے ترکش پبلک کے کان بھی نا آشنا نہیں۔

سب سے زیادہ دلچسپی یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ترکوں میں مذہبی تعصب بالکل معدوم ہے مسلمان اور
عیسائی ایک ہی میز پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں۔ اور آپس میں آزادانہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک نوجوان ترک
ہمیشہ سلیم الطبع اور سنجیدہ و شائستہ اور معزز نظر آتا ہے۔ ضابطہ اور قانون کا پابند پایا جاتا ہے۔ ترک چونکہ بادہ نوشی سے جو تمام
بدکاریوں اور ہر قسم کی خرابیوں کا باعث بھی جاتی ہے آزاد اور بری ہیں اسلیے فوجداری عدالتوں میں بہت کم ماخوذ
پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی بجائے ایسی عدالتوں میں تمام عیسائی فرقوں کا اژدحام رہتا ہے۔

ٹرکی اور انگلستان

نہایت افسوس سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان دو نامور سلطنتوں کے دوستانہ تعلقات میں
بہت کچھ کشیدگی واقع ہوتی جاتی ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ روس کے ساتھ آسٹریا اور جرمنی
بھی شامل ہو کر ٹرکی سے صف آرائے میدان کارزار ہو گئے تھے۔ یورپ کی قریباً تمام سلطنتیں ٹرکی کے مقابلہ پر
آگئی تھیں۔ صرف انگلستان اسکا حامی و معاون تھا۔ اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ خود انگلستان رشتۂ اتحاد کو بالائے
طاق رکھکر مقابلہ کو تیار ہوا ہے۔

اس ہفتہ کی خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان کا ایک بیڑہ جنگی جہازات کا ڈارڈنلز کے دہانہ
پر بمقام لیمناس پہنچ گیا ہے۔ قسطنطنیہ میں اس سے ایک جوش پھیل رہا ہے۔ تمام قہوہ خانوں اور عام گذرگاہوں
کے مقاموں میں اسکا چرچا ہے۔ سلطان المعظم نے مارشل فواد کو ان قلعجات کے ملاحظہ کیلیے روانہ کیا ہے جو بلیے
ڈارڈنلز اور باسفورس کی حفاظت کیلیے واقع ہیں۔ خود ابنائے ڈارڈنلز میں تارپیڈو ڈالدیے گئے ہیں تا کہ
وقت ضرورت پر غنیم کے جہازوں کو روکنے میں مدد دینگے۔

باب عالی نے برطانیہ کلاں کی گورنمنٹ سے دریافت کیا ہے کہ اس بیڑہ کے بھیجنے سے گورنمنٹ موصوف
کا منشا کیا ہے۔ بغرض ایسی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جن سے اندیشہ ہوتا ہے کہیں ان سلطنتوں کی آپس میں
چھڑ نہ جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر جنگ شروع ہو گئی تو اس تمام قتل و خونریزی کا بانی مبانی وہ مشہور پولیٹیشن ہوگا جسنے مذہبی تعصب اور قومی اخوت پر انصاف اور احتیاط کو قربان کرنا گوارا کرلیا ہے۔ بد قسمتی سے مسٹر گلیڈسٹون ہمیشہ سے قوم ترک کی مخالفت پر تلے رہے ہیں گذشتہ موقعہ جنگ ۱۸۷۷ء میں بھی اگر لارڈ بیکنسفیلڈ مرحوم سا جوانمرد و فصیح اللسان آدمی گورنمنٹ برطانیہ کا مہتمم نہ ہوتا تو مسٹر گلیڈسٹون اس موقعہ پر بھی انگریزی قوم کو ترکوں کا مخالف بنا لیتے۔ ترکوں نے مسٹر گلیڈسٹون کی ہمیشہ بڑی عزت کی اور انکی گورنمنٹ کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر افسوس کہ مسٹر ممدوح نے ہمیشہ ترکی قوم کیساتھ ایک ہی طرز کی پالیسی پیش نہاد خاطر رکھی ہے یعنی وہ پالیسی جسکو مسٹر ممدوح اپنے ہند کی پالیسی آف کوارشن یعنی جبر و تشدد کی پالیسی کہتے ہیں۔

مسٹر گلیڈسٹون نے حال میں ایک خط لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ میں ترکوں کا ہوا خواہ ہوں یا مجھے ترکوں سے ہمدردی ہے میں مخالف ہوں تو گورنمنٹ ترکی کا ہوں جسے خوش اخیر خواہی اور ہمدردی کا حق بھی مسٹر ممدوح ہی ادا کرتے ہیں کہ قوم کی اصلاح و فلاح کے خواہان ہیں۔ مگر سوا قوم کے دشمن جانستان ہیں ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ترک ہمیشہ سے مسٹر ممدوح کے مداح و شکر گذار رہے ہیں گذشتہ روم و روس کے محاربات کے دنوں میں جب ترک مسٹر گلیڈسٹون کی تقریریں سنا کرتے تھے۔ تو تعجب کیا کرتے تھے۔ کہ کیوں مسٹر ممدوح انکی نسبت ایسے مخالفانہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں باوصف اس قدر علمیت و فضیلت کے کیوں انکو اس قوم سے ایسی سخت عداوت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مظالم آرمینیا نے مسٹر گلیڈسٹون کے رحم اور ہمدردی انسانی کے مادہ کو تحریک دی ہے۔ اور اسی سبب سے وہ ایسی سخت پالیسی پر آمادہ ہوئے ہیں یہ ممکن ہے مگر سلاطین یورپ کی آزادانہ تحقیقات نے سفیدہ روشن کی طرح فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ سب مبالغہ اور بیہودہ لوگوں کی زبانی تھی مظالم کی فرضی داستانیں بڑی رنگ آمیزی کیساتھ مشتہر کی گئی تھیں۔ اور سلطنت ترکی کو ناحق بدنام کیا گیا۔ کمیشن کی تحقیقات سے جھوٹی کہانی بنانے والوں کی کارستانیاں اور ارمنی شریروں کی شرارتیں بخوبی عیاں ہو گئی ہیں۔

ارمنی شریروں کی شرارتیں اب حد سے گذر گئی ہیں۔ شروع ماہ حال میں خود دار الخلافہ سلطنت ترکی کے اندر ان لوگوں نے شرارت کر کے ارمنی بطریق کے مکان کے سامنے ایک بڑا جلسہ کیا اور وہاں سے ایک جلوس بنا کر اس ارادہ سے باب عالی کو روانہ ہوئے کہ سب ملکر ایک عرضی دینے جاتے ہیں۔ پولیس کو انکی سازش کی اطلاع ہو گئی۔ پولیس نے روکا۔ تو انہوں نے مقابلہ کیا پولیس نے فائر کیا ارمنی ہٹ گئے اور بہت سے گھس گئے ان کو خوف کے پاس سے تلاشی لینے پر کئی سو چھرے برآمد ہوئے جو خوش اعرضی دینے جاتے ہیں اور چھروں سے مسلح

ہوکر!!! اس شرارت کو دیکھکر تمام یورپ انگشت بدندان رہ گیا کہ جب انکی شرارت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے تو انکی حمایت میں پامالی پر جبر روا رکھنا قرین انصاف نہیں۔

آرمینیوں کی اس شرارت سے دارالخلافہ میں ایک تہلکہ برپا ہو رہا ہے حضرت سلطان اعظم ماخوذین کو رہا کرتے جاتے ہیں۔ مفسدان آرمنی بھاگ بھاگ کر اپنے گرجاؤں میں جا گھستے تھے اور وہاں سے نکلنا نہیں چاہتے تھے اب بحکم سلطانی وہ لوگ گرجاؤں میں سے نکالے جاتے ہیں۔ سلطان معظم کے حکم سے تمام آرمنی گرجے بند کر دیئے گئے ہیں ماخوذین کو رہا کیا جا رہا ہے۔

اب مسٹر گلیڈسٹون از راہ مہربانی فرما دیں کہ کیا یہ آرمنی ہمدردی اور مہربانی کے مستحق ہیں یا سزا کے۔ ۱۴؍ اکتوبر ۹۵ء۔

ایک ترکی سلطانہ کی ملاقات

حسن بن عبداللہ نواب عماد نواز جنگ بہادر کی یورپین خاتون والا منزلت لیڈی جمیلہ بیگم نے قسطنطنیہ میں ترکی سلطانہ سے ملاقات کرنے کے متعلق ایک نہایت ہی دلچسپ مضمون ٹائمس آف انڈیا بابت ۲۰؍ ستمبر ۹۵ء میں دیا ہے جسکا ترجمہ ذیل میں مندرج ہے۔

"چونکہ میری ابتدائی زندگی مشرق کے ان مختلف خطوں میں بسر ہوئی ہے جہاں یورپین کو دیسی باشندوں سے ربط و ضبط پیدا کرنے کے بہت کم موقع ملتے ہیں مدتوں سے ارادہ کر رہی تھی کہ اگر مجھ کو اور ممالک کی سیر کا موقع ملا تو مشرقی عورتوں کی حالت اور انکی زندگی کے حالات پبلک کے روبرو پیش کرونگی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یورپین سیاحوں نے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت اپنی تصانیف میں ہماری مشرقی بہنوں کے حالات درج کرنے میں بڑی ناانصافی کی ہے حالانکہ ہماری مشرقی بہنیں مغربی ممالک کی عورت کی طرح اپنی خانگی اور سوشل زندگی میں پورا اثر رکھتی ہیں۔

چونکہ میری زندگی کے حالات اور تجارب کی نوعیت دیگر یورپینوں سے جداگانہ ہے اور نیز عرصہ دراز سے مشرقی طریقوں کو دیکھ رہی ہوں اسلیئے مجھ کو بالطبع بچپن ہی سے خواہش تھی کہ مشرقی عورتوں کی اندرونی آرزوؤں اور اصلی حالتوں کو دریافت کروں۔ اور میں خدائے ذوالجلال کی نہایت مشکور ہوں کہ مجھکو ان امور کے دریافت کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا اب میں ذیل میں ان واقعات کو درج کرونگی جو میری آرزو اور مقصد برآری کا راستہ کھولنے کے باعث ہوئے۔

چونکہ میں ایک انگلش والدین سے ہندوستان میں پیدا ہوئی تھی میں نے اپنی طفلی کا زمانہ ہندوستان کے

مختلف حصص میں بسر کیا۔ اسکے بعد میں بغداد اور ترکی عرب کے دیگر حصص میں رہنے کے لیے چلی گئی
اور وہاں مجھکو معزز اور ذی رتبہ عربی اور ترکی لیڈیوں سے ملنے کے موقعے حاصل ہوئے۔ وہاں میں سات
برس رہی اور اس عرصہ میں میں نے بہت کچھ آگاہی حاصل کی۔ چونکہ میری والدہ نہایت آسانی سے
عربی میں گفتگو کر سکتی تھیں اسلیے عالی گروہوں اور معزز خاندانوں میں اُنکی رسائی تھی اور وہ
اجنبی نہیں بلکہ ایک خوش آیند ملاقاتی سمجھی جاتی تھی۔ چونکہ میں بھی اپنی ماں کے ساتھ رہتی
تھی اسلیے اس روزمرہ کی آمد و رفت کی وجہ سے مجھکو بھی عربی رسم و رواج اختیار کرنے اور
عربی زبان بولنے کا شوق ہو گیا۔ ترکی عرب میں بہت عرصہ قیام کرنیکے بعد مجھکو اپنی والدہ
کے ہمراہ ایران میں سفر کرنے کا موقعہ ہاتھ آیا اور حالانکہ میں نے یہاں صرف ایک قلیل عرصہ تک قیام
کیا۔ لیکن اس ملک کے رسم و رواج سے مجھکو بڑی دلچسپی حاصل ہوئی۔ میں جسقدر زیادہ مشرقی ممالک
میں سفر کیا اُسی قدر مجھ کو اپنا مقصد پیدا ہوتا ہوا نظر آیا۔ میں ایران سے روس کو روانہ ہوئی
اور وہاں سے روانہ ہو کر یورپ کے مختلف ممالک کی سیر کی۔ اور اپنے مذاق کے مطابق حالات جمع
کرتی ہوئی آخر جنوبی افریقہ میں آئی۔ میں نے کچھ دن تک وہاں قیام کیا۔ اسکے بعد ہندوستان کو
واپس آئی۔ اور حال ہی میں اپنے شوہر نواب عماد جنگ کے ہمراہ دنیا کے گرد ایک پورا دورہ ختم کیا۔
میں نے اثنائے دورہ میں جتنے مقامات دیکھے اُن میں قسطنطنیہ قاہرہ اور مکہ سب سے زیادہ عجیب
معلوم ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس حال کے سفر میں مسلمانوں کے ایک نہایت مقدس فرض یعنی
حج کعبہ کی دولت مجھے حاصل ہوئی۔ اور اس حج کی بدولت مجھکو بہت سے دلچسپ حالات معلوم ہوئے
غرض یہ میری زندگی کے حالات ہیں اور سب ناظرین انصاف کر سکتے ہیں۔ کہ آیا میں اس
خدمت کے قابل ہوں یا نہیں جس کو میں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

مشرق کے لوگوں کی سادگی دلفریب اخلاق اور خدا پرستی نے مجھکو ہمیشہ سے مجبور کر
رکھا تھا۔ کہ میں مذہب اسلام کو سنجیدگی کی نظر سے دیکھوں۔ چنانچہ اس شوق نے جو مجھکو ابتدا ہی سے
تھا آخر مذہب اسلام کی واقفیت حاصل کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ اور میں نے ایک معزز استاد ملا
سید احمد سے بغداد کی ایک مسجد میں سبق لینا شروع کیا۔ اور بالآخر مذہب اسلام نے میرا دل مسخر
کر لیا۔ یہ خیالات میرے دل میں مدت سے جاگزین تھے اُنکی تصدیق ہوئی۔ اور تا وقتیکہ ملک الموت
نہ آئے۔ اب مذہب اسلام کی پابند رہونگی۔

یہ کہنا چنداں ضروری نہیں ہے کہ مجھکو مشرقی عورتوں کی حالت کے متعلق بہت سی مفید

اور عجیب حالات دریافت کرنیکے بیشمار اور غیر معمولی موقعے حاصل ہوئے۔ اور میرے شوہر نے
جہاں کہیں ضروری سمجھا میری تحریر کی اصلاح کر دی۔ پس میں امید کرتی ہوں کہ جب میری تصنیف
طبع ہو جاویگی تو اس سے اہل یورپ و ایشیا دونوں کو یکساں دلچسپی ہوگی۔ اور اسمیں وہ کل
باتیں درج ہونگی جو مینے دنیا کے کل حصہ میں مشاہدہ کیں۔ بطور تمہید کے میں پبلک کے روبرو اپنی
کتاب کا ایک دلچسپ حصہ پیش کرتی ہوں۔ اس حصہ میں اس ملاقات کا بیان ہے جو میں نے
ہز امپیریل ہائینس زکیہ سلطانہ خانم دختر کبری ہز امپیریل مجسٹی سلطان ٹرکی سے کی۔ چونکہ
ملاقات میری قیام قسطنطنیہ میں ایک نہایت خوشگوار واقعہ ہے جو میری لوح دل سے کبھی نہیں مٹیگا
اسلیے اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ میں اس بیان کو ہز امپیریل ہائینس کے نام سے اس شرح مفصل
میں مضمون کروں جو مجھکو انکی زبان سے حاصل ہوا۔

زکیہ سلطانہ خانم کے علاوہ مجھکو اور بھی بہت سی معزز اور معتمد لیڈیوں سے قسطنطنیہ میں
ملاقات کا فخر حاصل ہوا۔ لیکن زوجہ عثمان پاشا کی عنایت اور خلاق کی خصوصاً مشکور ہوں۔ اسلیے
کہ صرف انکی وجہ سے مجھکو سلطانہ (جو انکی بہو ہیں) کی ملاقات نصیب ہوئی۔

دار الخلافہ ٹرکی میں عثمان پاشا جو پلیونا کے ہیرو ہیں بڑے معزز شخص ہیں۔ اور اسی طرح
انکی بی بی بھی اور ٹرکی عورتوں کی بہ نسبت بڑی خلیق ہیں مجھکو خیال ہے کہ یورپین لیڈیوں
میں صرف مجھ ہی کو ٹرکی کے خاندان شاہی کے ایک ممبر کے ہاتھ سے یہ خاص عزت حاصل ہوئی۔
سلطان کی دختر کی ملاقات سے مجھکو اپنی تصنیف میں کامیاب ہونے کی اور امید ہوگئی۔ اسلیے
کہ زکیہ خانم جنکی ملاقات کا مجھکو شرف حاصل ہوا تھا مشرقی عورتوں کا نمونہ ہیں۔ اور انکا
ذکر کرنا انکے بڑے گروہ کا سچا حال ظاہر کرنا ہے۔

زکیہ سلطانہ کی ملاقات

جسطرح زکیہ سلطانہ کو ہز امپیریل مجسٹی سلطان کی دختر ہونیکا فخر حاصل ہے۔ اسی طرح عثمان پاشا
کی بہو ہونیکا بھی فخر ہے بہتوں کو خیال ہوگا کہ ایسے نامی تعلقات کیوجہ سے زکیہ سلطانہ
میں رعونت اور غرور ہوگا۔ جو دنیا میں دولتمندی اور اعلے نسبی کے ساتھ پایا جاتا ہے لیکن
میں اس لحاظ سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ حد درجہ خلیق مہربان اور مہمان نواز ہیں۔ وہ نور الدین
پاشا کو بیاہی ہیں جو پلیونا کے ہیرو یعنی عثمان پاشا کے بیٹے ہیں۔ ان کی ایک لڑکی ہے
جو نہایت ہی حسین اور خلاق اور دلفریب ہے۔ اپنی ماں کے قدم بقدم چلتی ہے زکیہ سلطانہ

کہ اُن کے والد سلطان ترکی بیقدر چاہتے ہیں کہ اُن سے جُدا ہونا نہیں چاہتے اور اسی وجہ سے ان کو اور انکے شوہر کیلئے ایوان شاہی میں مکانات مختص کر دیئے ہیں تاکہ وہ اُن کے ساتھ رہیں۔ سلطان کی لڑکیوں کا رتبہ حرم کی باقی خاتونوں کی بہ نسبت بڑا ہوتا ہے۔ لیکن ہز امپیریل ہائنس کی دختر کی سب سے زیادہ عزت ہوتی ہے۔

عثمان پاشا کی خانم نے مجھ کو دو دن قبل از وقت اس تاریخ اور وقت کی اطلاع دے دی تھی جو سلطانہ کی ملاقات کیلئے مقرر ہوا تھا۔ بلکہ یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ وہ مجھکو اپنے ہمراہ لیجاویگی۔ چنانچہ میں ۹ بجے صبح خانم محل کو روانہ ہوئی اور وہاں پہنچ کر چند خواجہ سراؤں کو حسب دستور حاضر پایا۔ گاڑی سے اُتر کر میں سیدھی زنانے کے دروازے کو گئی۔ اور عورات ملازم کا کچھ خیال نہ کرکے میں خانم سے ملنے چلی گئی۔ جو میرا انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے زینہ پر میرا استقبال کیا۔ میرا بوسہ لیا۔ اور ایک آرام پلنگ پر مجھکو بٹھایا۔ چند منٹ بعد مجھے قہوہ دیا۔ اور سلطانہ سے ملنے کیلئے جو بہت شوق سے ہمارا انتظار کر رہی تھیں چلنے کی تیاریاں کیں۔ مگر ہماری روانگی کچھ دیر کیلئے ملتوی ہو گئی۔ اسلئے کہ میں برقعہ اوڑھے تھی۔ جس کو پہن کر شاہی محلات میں جانیکی اجازت نہ تھی۔ خانم نے مہربانی فرماکر مجھکو ترکی پوشاک عاریتاً عنایت کی۔ اور ترکی فیشن کے مطابق مجھ کو پہنائی جب میں پوشاک پہن چکی۔ تو ہم دونوں ایک بروہم (ایک قسم کی فٹن) پر سوار ہوئے۔ اور ایک مترجم کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور ایک صاف اور چوڑی سڑک طے کرکے بڑے محل کے دروازے پر پہنچے جسکے سامنے چند ترکی پولیس اور البانوی سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ یہ لوگ نہایت صاف اور موزون پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ انکے ہتھیار چمک رہے تھے۔ اور بشرہ سے خوشی نمایاں تھی۔ اور ان میں عرب سپاہی عمامہ باندھے ہوئے ترکی اور البانوی سپاہی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے یہاں سے گذر کر چند سپاہی ترکی پرانے فیشن کے نظر پڑے اور چھوٹا باغ طے کرنیکے بعد شاہی زنانخانہ نظر پڑا جونہی مَیں نے گاڑی سے نیچے قدم رکھا اور اندر داخل ہوئی ہمنے بہت سی ملازم عورتوں کو مختلف رنگ کے لباس پہنے ہوئے موجود پایا۔ ان میں سب کی سردار یا بڑی آگے بڑھی اور سلام کیا۔ اور باظہار عزت میرا دامن اوٹھا لیا۔ جب ہم دوسرے دروازے سے گذریں تو یہیں ان ملازم عورتوں نے چھوڑ دیا۔ اور دوسری عورتیں ساتھ ہوئیں۔ ان عورتوں کی پوشاکیں مختلف وضع اور رنگ کی تھیں۔ اب ہم وسیع محل میں داخل ہوئیں۔ جس میں اعلےٰ درجہ کا فرنیچر بچھا ہوا تھا اور بہت سی خوشنما چیزیں نہایت سلیقے سے آراستہ تھیں۔ اس محل کو طے کرکے ہم دوسرے محل پر پہنچیں جسکے آرائشی سامان شیشہ آلات۔ زیورات۔ جھاڑ فانوس۔ قالین اور پردوں کو دیکھ کر آراستہ کرنیوالیکا اعلےٰ مذاق ظاہر ہوتا تھا۔ اسکے بعد ہم جس کمرہ میں پہنچیں اس میں کئی

سلطانہ خانم تشریف فرما تھیں۔ یہ کمرہ نہایت عمدہ طور پر آراستہ تھا لیکن اسوقت مجھکو فرنیچر یا سامان آرائش کا چنداں خیال نہ تھا۔ بلکہ میری توجہ صرف سلطانہ کی جانب مبذول تھی جسکی ذات سے اُس کمرہ کو خاص رونق حاصل تھی۔

سلطانہ کی ملازم عورتیں صف باندھکر کھڑی ہوگئیں۔ اور وہ بھی سب کی سب ایک سی بیحد حسین تھیں گویا کہ ہزاروں میں انتخاب کی ہوئی تھیں۔ انکی پوشاکیں جو مختلف قسم کی تھیں۔ فرانسیسی فیشن سے بہت ملتی ہوئی تھیں۔ اور کل صف میں تیسری لڑکیاں یکساں پوشاک پہنی ہوئے تھیں۔ اُنکے سروں پر زردوزی کے کام کی ٹوپیاں تھیں۔ جو کچھ اُن ٹوپیوں سے ملتی ہوتی تھیں جنہیں حیدرآباد کے نوجوان امرا استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نے ایسی خوبصورت اور طرحدار عورتوں کا غول کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن مجھکو ان میں دو عیب بھی پائے۔ ایک عیب تو وہ تھا جو چند عورتوں میں پایا گیا لیکن لا علاج ہے وہ یہ کہ انکی ساخت باقاعدہ اور خوبصورت نہیں ہے۔ دوسرا عیب جسکا علاج انکے ہاتھ میں ہے یہ ہے کہ انکی پوشاکیں فرانسیسی وضع کی ہیں جو انکے مذاق کے خلاف ہیں میری رائے یہ ہے کہ اگر وہ اس پوشاک کو استعمال کریں۔ جو انکی قوم کے لوگ صدیوں سے استعمال کرتے رہے ہیں تو انکا حسن دوبالا نظر آئیگا کیونکہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں اور انکی چمک سے جسم کی اندر زیادہ زینت ہو جاتی ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ یورپ کی عورتیں کسی وقت فرانسیسی فیشن کا شوق ضرور ترک کر دیں گی۔ لیکن فی الحال مجھکو یہ دیکھکر بہت افسوس ہوا کہ ترکی لیڈیوں میں بھی ترکی اور عربی پوشاکوں اور زیورات کی بجائے فرانسیسی وضع کی بدنما پوشاکیں پہننا اختیار کر لی جاتی ہیں۔

میں خیال کرتی ہوں۔ کہ ترکی خاتونوں کی ترکی اور عربی پوشاکیں فرانسیسی وضع کی پوشاکوں کی بہ نسبت بہت اچھی ہیں کس لیے کہ اُن سے پہننے والی کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور یہی اُنکے استعمال کا مدعا ہے۔

گو سلطانہ زردوزی کے کام کے ایک فرش پر جو ایک تخت پر بچھا ہوا تھا تشریف رکھتی تھیں اس کمرے کا آرائشی سامان زیورات اور فرنیچر وغیرہ جن کو میں نے اب ذرا اطمینان سے دیکھا تھا ایسا اعلے درجہ کا تھا کہ میں نے اسکا ثانی یورپ یا امریکہ میں کبھی نہیں دیکھا اس کمرے میں جتنی چیزیں تھیں خواہ فرنیچر ہو خواہ قالین یا بلکہ سب بیش قیمتی اور خوبصورت تھے وہ کنیزیں میرے آگے آگے تھیں عثمان پاشا کی خانم نے جو مجھ سے پیشتر سلطانہ کی خدمت میں چلی گئی تھیں۔ موجودہ رواج کے مطابق انکے لباس کا دامن چومنا چاہا۔ لیکن سلطانہ نے اپنے قریبی رشتہ کے خیال سے چومنے

انکی تفصیل نہیں لکھونگی۔ لیکن میں جو کچھ کہتی ہوں وہی ہماری میزبانہ کی لیاقت کا کچھ خیال پیدا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

شہزادی میں یہ سنکر بہت خوش ہوئی کہ آپ اپنا مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہو گئیں۔

میں میرے دل میں ابتدا ہی سے اسلامی خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ اور میں کئی برس تک اپنی والدہ کے ہمراہ عرب میں رہی۔ اور اسوقت میں نے اپنے آبائی خیالات ترک کر دیے۔

شہزادی آپکا مسلمانی نام کیا ہے۔

میں میرے شوہر نے میرا نام "جمیلہ بیگم" رکھا ہے لیکن بغداد میں مجھ کو "وہ خانم" کہتے تھے

شہزادی کیا آپ عربی میں گفتگو کر سکتی ہیں؟

میں جی ہاں۔ کر سکتی ہوں۔

شہزادی آپ استنبول میں کتنے دن قیام کریں گی۔

میں پانچ دن اور۔

شہزادی۔ یہ سنکر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ اگر آپکو اسقدر جلدی ہی جانا تھا تو اس سے یہی اچھا تھا کہ مجھ سے ملتیں۔ کیا آپ یہاں سے مکہ شریف کو جانے کا قصد کرتی ہیں؟

میں میری پیاری شہزادی۔ مجھکو خود اپنے چلے جانیکا افسوس ہے آپ بڑی خلیق اور مہربان ہیں (عثمان پاشا کی خاتون کیطرف مخاطب ہو کر) اور آپکے اخلاق اور مادرانہ توجہ مجھکو جلد جانے کی اجازت نہیں دیتی مگر میں افسوس کرتی ہوں کہ میرا سفر میری خواہش پر منحصر نہیں ہے اور حج کی تاریخ نہیں بدلی جا سکتی لیکن میں آپکے اور آپکے محترم والد کیلئے بارگاہ کعبہ معلی میں دعا کرونگی

شہزادی (خوشی سے) خدا آپکو حج نصیب کرے۔ آپ بہت سفر کر چکی ہیں۔ اور اب بھی بڑا سفر باقی ہے۔ جب حج ہو جائے۔ تو مہربانی فرما کر مجھے یاد رکھیے گا۔ اور تھوڑا سا آب زمزم میرے لیے جدہ بھیجیے گا (جدہ کے کونسل جنرل کے ذریعہ سے سلطانہ کے پاس آب زمزم کا ایک بڑا گھڑا بھیجدیا گیا تھا)

شہزادی کیا آپ دنیا کی سیر کر آئی ہیں؟

میں جی ہاں۔ اور اس سفر کے متعلق مجھکو یہ عرض کرنا ہے۔ کہ چین میں تقریباً چھ ملین مسلمان آباد ہیں۔ اور چینی شہر کنٹان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کی قبر ہے جسکی میں نے دو مرتبہ زیارت کی ہے اسکے علاوہ اس شہر میں چار مسجدیں ہیں۔ جنکو چینی مسلمان مشرق کے کعبہ کی طرح مانتے ہیں۔

شہزادی میں نے ہمیشہ سے سنا تھا کہ چین میں مسلمان رہتے ہیں۔ اور میں امید کرتی ہوں کہ

بخلاف چینیوں کے حلال وحرام کا خیال رکھتے ہوں گے۔ کیا نماز پڑھتے ہیں؟

میں نے کہا ہاں چینی مسلمان حلال وحرام اور روزہ نماز کے بڑے پابند ہیں۔ سلطنت کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہے بلکہ برخلاف اسکے ہر مسجد میں اس مضمون کا ایک اعلان آویزاں ہے کہ غیر مذہب کے لوگ جو مسجد میں نظر آئینگے۔ مار ڈالے جائیں گے مگر چینی مسلمان مدتوں سے چینی رسوم کی پابندی کرتے ہیں اور وہ چینیوں کیطرح چوٹی رکھنے کے لیے مجبور ہیں۔ وجہ یہ کہ فغفور کا بھی حکم ہے۔ اور جو پابندی نہ کرے۔ وہ قتل کیے جانیکا مستوجب سمجھا جاتا ہے۔

اس اثنا میں ہم قہوہ پی چکی اور مجھکو معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ شہزادی کی گفتگو اور سوالات نہایت عالمانہ اور مدبرانہ اور اس شخص کے شایان تھی جنکی پولیٹیکل حالت اسقدر اعلیٰ تھی۔ میری جوابات پر انکی رائیں بڑی زبردست ہوتی تھیں۔ اور ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ انکی واقفیت اور معلومات کا ذخیرہ ان معاملات پر بہت بڑا تھا جن پر ہم میں گفتگو ہوئی۔ اور جو سلطانہ نے یا تو سیاحوں سے گفتگو کر کے یا کتب بینی کے ذریعے سے حاصل کیا ہوگا تھوڑی دیر بعد چند لڑکیاں جو یکساں لباس پہنے ہوئے تھیں۔ آئیں اور ایک سنہری پیالہ میں بہت اچھا شربت لاکر پیش کیا۔ اور اسکے پندرہ منٹ بعد مٹھائی کی ایک رکابی پیش کیگئی۔ یہ مشہور بات ہے کہ ترکی مٹھائی اور مٹھائیوں سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن وہ مٹھائیاں جو شاہی خاندان کیلئے بالتخصیص بنائی جاتی ہیں۔ نہایت ہی خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔ پندرہ منٹ کے بعد کوئی اور نئی خوشگوار مٹھائی ہمارے روبرو پیش کیگئی۔ اخیر کھانا ختم ہوا۔

سلطانہ اٹھیں اور ایک خوبصورت باغیچہ کیطرف تشریف فرما ہوئیں۔ باغیچہ سے گذرتے وقت کچھ چند پھول توڑے جو ہمارے گرد ہزاروں لگے ہوئے تھے اور چلتے چلتے ایک بڑے محل میں پہنچیں۔ جہاں چند ترکی لڑکیاں مختلف صفوں میں اپنے اپنے منصب کے مطابق بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ سلطانہ کا نہایت تعظیم سے آداب بجالائیں اور گانے لگیں۔ چونکہ مجھکو بھی نغمہ وسرود سے بڑی دلچسپی تھی اسلیے مجھکو انکا گانا سنکر بڑی خوشی حاصل ہوئی گو راگ ترکی تھے۔ لیکن فرانسیسی ڈھنگ میں گائے جاتے تھے۔ یہ نظم سلطانہ مہمان اور موسم کی تعریف میں گائی جا رہی تھی۔ اور اسمیں ایک شعر خصوصیت کیساتھ گایا جاتا تھا۔ اور ایک خوبصورت لڑکی اسے سوز وگداز سے اسکو بالحان داؤدی گا رہی تھی کہ اسکا سارا جسم اسکے جذبات سے کانپ رہا تھا۔ میرے استفسار کے جواب میں ایک مترجم نے مجھکو مطلع کیا۔ کہ اس شعر کا مطلب یہ ہے۔

کہ ایک معشوقہ اپنے عاشق کی جدائی کا افسوس کر رہی ہے اور اپنی تکلیف کو مچھلی سے مشابہ کر رہی ہے جس کو پانی سے نکال لیا ہے۔ اور وہ پانی میں جانے کے لیے نہایت بیقرار و آرزومند ہے۔ اس شعر کا خواہ کچھ ہی مطلب ہو خیالات کی عمدگی میں شک نہیں اور گانیوالی اس تکلیف کو خوب ظاہر کر رہی تھی۔

جب گانا ختم ہو چکا ایک عجیب تماشا دیکھنے میں آیا جس کا مجھکو خیال بھی نہ تھا یہ لڑکیاں یا تو اپنی خوشی سے یا سلطانہ کے حکم سے غائب ہو گئیں (لیکن مینے سلطانہ کو کوئی اشارہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا) ہمارے روبرو آہستہ آہستہ ایک پردہ اوٹھا اور خوبصورت لڑکیوں کا ایک گروہ نظر آیا جن کے بعض راگ سے مجھے اسقدر دلچسپی نہیں ہوئی جسقدر رنگ کے خاص انداز سے میرے دل پر گہرا اثر پڑا۔ اس راگ سے عشاق کی جدائی کا غم ظاہر ہوتا تھا اور بڑی بیچے سے گایا جا رہا تھا۔ ان گانیوالیوں کے بعد دوسری گانیوالیاں آئیں جو باجا بھی بجاتی تھیں اور اس لہجہ سے گاتی تھیں جس سے کچھ کچھ فرانسیسی تھیٹر کا لطف آتا تھا۔ یہ تماشے ایسے دلفریب تھے کہ انکے بیان کرنے میں میری زبان قاصر رہی صرف فوٹو اور فونو گراف سے ناظرین انکی خوبیوں کا کافی طور پر اندازہ کر سکتے ہیں۔ اب تک سلطانہ ہم سے گفتگو کرتی رہیں اور مختلف امور مثلاً تھیٹر قسطنطنیہ کی بابت ہوا۔ شاہی فوج اور جنگی باجے وغیرہ پر میری رائے دریافت کرتی رہیں۔ اور میں جو جوابات موزوں سمجھتی تھی دیتی رہی۔

شہزادی نے مجھسے پوچھا کہ کیا کانوں میں بھاری زیور پہننے سے آپکو تکلیف تو نہیں ہوتی؟ مینے جواب دیا کہ اگر اس سے بھی بھاری زیور ہو تب بھی عورتوں کو جواہرات اچھے معلوم ہوتے ہیں اسکے علاوہ اس کے چونکہ میرے زیور ہندوستانی ساخت کے ہیں۔ اسلیے ہندوستانی فیشن کے موزوں ہیں اور میں انکو پہننے کیواسطے مجبور ہوں۔ جب سلطانہ اور ترکی لیڈیوں کی فرانسیسی پوشاک کا ذکر آیا تو مینے اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں کی لیکن عرب اور ٹرکی کی قومی پوشاکوں کی تعریف کی سلطانہ نے نہایت اخلاق سے قدیم عربی اور ترکی پوشاکوں کی برتری قبول فرمائی لیکن بیان فرمایا کہ ان دنوں ترکی میں فرانسیسی پوشاک پہننے کا رواج ہو گیا ہے۔ اسکے بعد شہزادی نے مجھکو اپنی شادی کی پوشاک دکھائی جو نہایت محنت سے تیار ہوئی تھی۔ یہ لباس اس نفاست اور نزاکت سے بنایا گیا تھا اور اسمیں اس کثرت سے جواہرات تھے کہ آنکھیں چوندھیائی جاتی تھیں۔ نیز مجھکو ایک تاج دکھایا گیا جسمیں بہت بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور دو زنجیریں دکھائیں جو کان میں پہنی جاتی ہیں۔ اور پاؤں تک لٹکتی رہتی ہیں۔ چونکہ انمیں ہیرے اور مختلف رنگ کے جواہرات جڑے

ہوئے تھے۔ اسلیئے وہ اسقدر آباد نظر آتی تھیں کہ اُنکے دیکھنے سے بڑی خوشی پیدا ہوتی تھی سلطانہ نے اپنی شادی کی کل رسوم (مثلاً شاہی محل سے رخصت کی روانگی اور عثمان پاشا کے محل میں داخلہ وغیرہ) بیان کیں چونکہ سلطانہ سلطان کی بڑی چہیتی لڑکی ہیں۔ اس لیئے سلطان کو انکا اپنے پاس سے علٰحدہ رہنا پسند نہیں کرتے۔ اور یہی سبب تھا کہ شاہی محلات میں ان کے اور انکے شوہر کے لیئے مکانات مخصوص کر دیئے گئے۔

کاغذ خانہ قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل پر ایک بڑا عمدہ محل ہے جسمیں جمعہ کی شام کو مرد اور عورت تفریح کے لیئے جاتے ہیں۔ وہاں نورالدین پاشا کی طرف مجھ کو اشارہ کیا گیا۔ اور میں نے سلطانہ سے اثنائے گفتگو میں کئی مرتبہ انکے شوہر کا ذکر کیا۔ انہوں نے کنایتاً جواب دیا کیونکہ مسلمان بیویوں میں اپنے شوہروں کا صراحتاً ذکر کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔ میں دیکھتی تھی کہ جب میں نے ان کے شوہر کی خوبصورتی کی تعریف کی تو اطمینان ہوا اس لیے کہ انہوں نے ایک دھیمی آواز میں میرا شکریہ ادا کیا اور انکی ایک تصویر دی۔ میں انکی عنایت کی بڑی مشکور ہوں میں نے اثنائے گفتگو میں کئی مرتبہ رخصت چاہی مگر شاہزادی نے نہ سنا اور زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا اصرار کرتی رہیں کیا میں نے مثل ان اور جیسا کہ وہ چاہتی تھی نہیں ٹھہر سکتی۔ میں نے کمال دب مثل سابق عرض کی کہ مجھکو زیادہ قیام نہ کرنے کا بڑا افسوس ہے کیس لیے کہ حج کی تاریخ بہت نزدیک رہگئی ہے۔ اسپر انہوں نے جواب دیا کہ "اگر آپ چند روز اور ٹھہر جائیں تو میں آپکو اپنی دادی کے پاس بھیجلی"۔ میں نے انکے اخلاق کا شکریہ ادا کیا اور اس معزز لیڈی سے نہ ملنے کا افسوس ظاہر کیا۔

سلطانہ سے گفتگو کرتے وقت میں نے ذکر کیا کہ میرے شوہر اپنی متبنیٰ لڑکی اور بھتیجے کو تعلیم کی غرض سے قسطنطنیہ بھیجنا چاہتے ہیں۔ اسپر سلطانہ نے فرمایا کہ اگر وہ آئیں گے تو انکی بڑی خبرگیری کیجائیگی لڑکی عثمان پاشا کی خاتون کی سپردگی میں رہے گی۔ اور لڑکا سلطانی مدرسہ اور ملٹری کالج میں بھرتی کرا دیا جائیگا۔ اور فوجی افسروں اور عثمان پاشا کی نگرانی میں رہیگا۔ سلطانہ نے بچوں کی تعلیم میں اسقدر دلچسپی ظاہر کی کہ میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوئی۔ کہ خدا نے ان میں بڑی علمی قابلیت دی ہوگی جب میں نے اس عنایت کا شکریہ ادا کیا۔ تو انہوں نے مجھ سے وعدہ کرایا کہ قسطنطنیہ میں پھر آؤنگی۔ اسکے بعد میں نے رخصت کی اجازت چاہی۔ عثمان پاشا کی خانم اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ہم لوگ چلے گئے۔ اور وہ رسمیں ہماری آمد پر برتی گئی تھیں۔ وہی روانگی کے وقت بھی عمل میں آئیں واپسی کے وقت ہم کچھ دیر عثمان پاشا کے محل میں قہوہ پینے کے لیئے ٹھہر گئیں۔ اور انکی

بعد اپنے مکان کو گاڑی پر سوار ہو کر چلے آئے ۔ راقمہ جمیلہ بیگم

مصر کے علما زور دیتے ہیں کہ ابو الہدیٰ جو گرو گری سے سلطان معظم کا مشیر خاص بن گیا ہے۔ دربار سلطانی سے خارج کر دیا جائے کیونکہ اپنا اقتدار ایسا بڑھا لیا ہے کہ کسی کی فریاد سلطان معظم تک پہنچنے نہیں دیتا اور مسلمانوں کو اپنے خلیفہ کی طرف سے بدظن کر رہا ہے۔ علماء جامع ازہر نے ایک طویل عرضداشت مصری گورنمنٹ کی وساطت سے دربار سلطانی میں ارسال کی ہے جسکے اخیر میں وہ لکھتے ہیں کہ جو تعلق سپاہیوں کو بادشاہ سے ہے وہی تعلق علماء دین کو خلیفہ سے ہے (اس خبر کا ماخذ انگریزی اخبار ہیں)۔ باب عالی نے جو اصلاحات آرمینیا کی منظور کی ہیں وہ یہ ہیں (۱) چند جوڈیشل انسپکٹر جیلخانجات کا معاینہ کیا کرینگے (۲) ہر ایک صوبہ کی آبادی کے لحاظ سے جنڈارمہ (مسلح پولیس) اور دیہاتی پولیس مقرر کیجاویگی (۳) آرمینیڈیا اور دوسری رعایا جب اپنی پہاڑی چراگاہوں کو جائیں تو فوجی پولیس انکی حفاظت کیلیے ہمراہ جایا کریگی (۴) خانہ بدوش قوموں میں سرکاری رسوخ بڑھایا کیجاویگی (۵) حمیدیہ فوج کیلیے وزیر صیغہ جنگ خاص قواعد منضبط کریگا (۶) چار ممبروں کی ایک کمیٹی بصدارت ڈائرکٹر محکمہ پیمائش ہر ایک ولایت اور سنجق میں ملکیت اراضی کے دعاوی کی تصدیق کے لیے مقرر کیجاویگی (۷) ہر سال چار عہدہ دار اس امتحان کے لیے قسطنطنیہ سے بھیجے جایا کرینگے کہ نئے انتظام کے عملدرآمد میں کوتاہی تو نہیں کی گئی (۸) محاصل کی تصدیق مختار اور مسلمان کرینگے جن کو رعایا منتخب کریگی (۹) اجارہ عشر ہر گاؤں میں علیحدہ علیحدہ نیلام ہوگا (۱۰) بیگار قطعی موقوف کیجاویگی (۱۱) جو اشخاص سرکاری یا غیر سرکاری قرضوں کی علت میں گرفتار کیے جاوینگے انکی زمینیں اور مویشی نیلام نہیں ہونگے۔ ۲۵ر نومبر ۹۵ء

سلطنت عثمانیہ اور اسکی اندرونی حالت

سلطنت عثمانیہ کو صرف عیسائی رعایا کی بغاوت اور دول اجنبیہ کے حملوں کا ہی دن رات اندیشہ نہیں رہتا ہے۔ بلکہ ایک بہت بڑا چور بھی اسکے گھر میں عرصے سے نقب لگا رہا ہے اور اگر چندے یہی حالت رہی تو ہمکو اس سلطنت کی بربادی پر کچھ تعجب نہیں ہوگا۔ بلکہ اس امر پر تعجب ہوگا کہ وہ کیسے قائم رہی۔ سلطان اعظم کی مستعدی محنت و جانفشانی نہایت خداداد اور حسن انتظام سے نہ صرف ہم مسلمان ہی بلکہ متعصب عیسائی تک منکر اور معترف تھے اور ہیں مگر اس کو غضب سمجھیے

معلوم ہونے پر جو ہم آگے چلکر بیان کرینگے۔ اگر ہمیں اعلیٰ حضرت پر بالکل بے اعتباری اور بے یقینی نہیں
ہوگئی تو اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ جو اعتماد اور بھروسہ ہمکو انپر پہلے تھا۔ اسمیں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے شاید
اسکا جواب یہ دیا جائے۔ کہ سلطان معظم بذات خاص تو بہت کچھ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں مگر انکی پیش نہیں
جاتی اور وہ بالکل بے بس ہیں۔ اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ پھر کس کائنات پر فخر و ناز کیا جاتا ہے
کہ سلطنت عثمانیہ کی جنگی اور مالی حالت نہایت مضبوط ہے۔ بقول مرزا حیرت[1] دار السعادت جواہرات اور
سیم و زر سے مالا مال ہوا اور یہ بیان نہ صرف درست ہے بلکہ امداد کا قافیہ تنگ کرنے سے ملاوہ کافی توانا ذخیرہ
ہوگیا ہے۔ دار السعادت کو زر و سیم سے مالا مال ہونیکا قصہ شاعرانہ بلند پروازی اور بے حقیقت فسانہ سے زیادہ قیمت
نہیں رکھتا اور اسکی بہر پہلو کیفیت اسی سے معلوم ہوسکتی ہے کہ گذشتہ اوبیں وزرا کے اخراجات کیواسطے
بھی کوئی روپیہ خزانہ عامرہ میں نہیں رہ گیا تھا اور اعلیٰ حضرت کو اپنے سیمیں و طلائی ظروف ٹکسال میں
بھیجنے کی مجبوری پیش آئی تھی ہم مانتے ہیں کہ ان گنت جواہرات سلطان کے پاس ہے جو بڑی مالیت
کے ہیں لیکن پہلے انکو لاکھوں روپیہ خرچ کرکے ایمسٹرڈم کے الماس تراشوں سے درست کرایا جائے
تو وہ موجودہ زمانہ کے مذاق کے مطابق قابل فروخت ہوسکتے ہیں۔ مگر اس درستی کے بعد بھی انکا
خریدار کہاں سے پیدا ہوگا۔ وہ زمانہ ہی نہیں رہا کہ اس قسم کی بے مصرف چیزوں کی قدر و منزلت
کیجائے۔ آجکل کے جواہرات آہنی جہاز اور کروپ توپیں ہیں سوائے حضور نظام کے ہمنے موجودہ سلاطین
یا امرا میں کسی کا نام نہیں سنا جسنے مدت العمر میں پچاس لاکھ کے جواہر بھی خریدے ہوں۔ خیر یہ
تو جملہ معترضہ تھا۔ ہم اس امر کے ماننے کو تیار ہیں کہ فوجیں آراستہ ہیں مالی حالت سنبھلی ہوئی ہے
مگر اس صورت کو وقت سلطان معظم حوض میں غوطہ لگا کر ایک آدھ گنج سے حقیقی سونا چاندی یا
سل الماس جیسا باہر نکال سکتے ہیں [illegible]
آخر وہ شخص جو مختیر خیرخواہ بنے ہیں [illegible] ان کے وفادار اور مستعد
ایجنٹ اور گماشتے ہیں۔ ایک لاکھ نمک حلال اور جانباز سپاہی اس نقصان کی تلافی نہیں کرسکتے
جو ایک نمکحرام جرنیل کی بے ایمانی سے پہنچے۔ ایک سو خیرخواہ وزراء کی جان توڑ کوششیں اس زخم کو
مندمل نہیں کرسکتیں۔ جو ایک نمکحرام ریاکار سلطنت کو کسی نازک وقت پر پہنچا سکتا ہے۔ نپولین
بونا پارٹ کئی لاکھ جان نثار بہادروں کے دلوں کا مالک تھا بے ایمانی کا شکار ہوا۔ سلطنت
عباسیہ کا چراغ اسی نمکحرامی کی بدولت گل ہوا۔ ہندوستان اسی کی وجہ سے آماجگاہ اغیار بنا۔

---

[1] مرزا حیرت کا یہ مضمون تفہیم مدعا کے لیے اس مضمون کے اخیر میں درج کیا جاتا ہے (مولف)

اور خود سلطنت عثمانیہ کئی صدیوں سے اسی بلائے بے درمان کے باعث حضیض ادبار میں گرتی چلی جا رہی ہے۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس عبد الحمید سا لائق سلطان اُسکا کوئی علاج نہیں کر سکتا۔

اعلیٰحضرت خلافت پناہی کا ایڈیکانگ (یاوران ذات خاص) میں ایک یاور بیرن وان گلٹس پاشا جرمنی عیسائی ہے جو جنگی شاف کا پریسیڈنٹ بھی ہے۔ دوسرا یاور ایک جرمن جنرل کیمفر پاشا ہے۔ اور یہ بھی جنگی شاف کا ایک اعلیٰ عہدہ دار ہے۔ تیسرا یاور ایک آسٹرین جنرل سنرشی پاشا ہے۔ جو ساتھ ہی [illegible] داخلیہ کا ایک ممتاز عہدہ پر مامور ہے۔ چوتھا ایک اٹالین جنرل رتالیس پاشا ہے جو ترکی صیغہ بحریہ کا بھی ایک افسر ہے۔ وزیر صرف خاص ہز ایکسیلنسی میکائیل پاشا ایک ارمنی عیسائی اعلیٰحضرت کا طبیب خاص ہز ایکسیلنسی ماوروجینی پاشا ایک یونانی ہز ایکسیلنسی نیکولائی بے ڈاکٹر امپیریل سیکریٹری تھے یہ بھی یونانی ہیں۔ علاوہ ازیں وزارت جنگی در حقیقت جرمنیوں کے ہاتھ۔ وزارت بحریہ وزارت صیغہ خارجیہ تمام تر آرمینیوں کے پاس۔ وزارت عدالت عامہ یونانی اور ارمنیوں کے ہاتھ میں۔ وزارت انتظام اندرونی آرمینیوں کے اقتدار میں۔ وزارت تعمیرات عامہ فرانسیسی اور آرمینیوں کے زیر دست۔ وزارت تعلیم عامہ بالکل فرانسیسیوں کے تصرف میں اور محکمہ جات ڈاک ٹیلیگرافی اور زراعت و فلاحت سر سے پاؤں تک آرمینیوں اور شامی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

اب بتائیے۔ یہ ایک اسلامی سلطنت ہے مگر جون مرتب جب سلطنت کی کل تار و پود غیر ملک اور غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوں۔ اس ملک کا خدا ہی حافظ و ناصر ہو سکتا ہے۔ ورنہ اسکا بچا رہنا عجائبات روزگار سے کم نہیں۔ اس سے بڑھکر کیا لاچاری ہو سکتی ہے کہ اگر کسی غیر مسلم وزیر یا عہدہ دار کی نمک حرامی معلوم ہو جاوے۔ تو اعلیٰحضرت اسے برطرف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کسی نہ کسی غیر سلطنت کی اغراض اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور اگر شاذ و نادر وہ کبھی موقوف بھی کر دیا جاوے تو اُسکی معاون سلطنت اُسے پھر بحال کرا دیتی ہے۔ بطور مثال ہم اسوقت ایک شخص کا نام پیش کیے دیتے ہیں۔ ہز ایکسیلنسی آرتین داویان پاشا ایک ارمنی عیسائی ہے۔ باوجودیکہ ترکی وزارتیں تخمیناً دس پندرہ برس میں کئی دفعہ بدل چکی ہیں۔ مگر وہ برابر مدت مدید سے نائب زیر صیغہ خارجیہ چلا آتا ہے۔ اور اُسکی نمک حلالی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ جسوقت ارمنی باغیان قسطنطنیہ سے دریافت کیا گیا کیا چاہتے ہو تو جواب ملا کہ آزادی و خود مختاری۔ پھر پوچھا گیا اپنا بادشاہ کسکو بنانا چاہتے ہو۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہز ایکسیلنسی آرتین داویان پاشا کو۔ ممکن ہے یہاں یہ سوال اٹھایا جاوے۔ کہ یہ ارمنی باغیوں کی خواہش تھی

ذکر خود اسکی۔ اچھالنے سے جلنے و دیہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ روسی سفیر سے ایسا
خلط ملط ہے کہ کوئی روسی بھی ایسا نہیں چنانچہ اُسکی شکایتوں اور بدذاتیوں سے تنگ آکر عالیجناب
سعید پاشا سابق وزیر اعظم نے بجرات وزارت خدمت سلطانی میں اُسکے الگ کردینے کی التجا کی
لیکن سلطان المعظم روسی سفیر کے کہنے سننے کی وجہ سے ٹال دیتے تھے آخر کار سعید پاشا نے صاف صاف
عرض کر دیا کہ اگر آرتین کو برطرف نہیں کرتا تو بندہ کا استعفا منظور فرمایا جاوے۔ جسپر سلطان المعظم
نے ناچار اُس کو برطرف کر دیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جناب سعید پاشا کے وزارت عظمیٰ سے مستعفی
ہونے پر سفیر کی سعی و سفارش سے وہ پھر بحال ہو گیا۔ اب فرمائیے جہاں یہ کیفیت ہو۔ وہاں جانباز
ترک سپاہی کیا کر سکیں گے۔ اگر سلطان المعظم نے غیر سلطنتوں سے دبکر یہ پالیسی اختیار کر رکھی ہی
اور ان کافرانِ نعمت کو سیاہ و سپید کا مالک بنایا ہوا ہی۔ تو ظاہری کھڑاگ کا دکھاوا بیکار ہے۔
کیوں کھلا ملک ان سلطنتوں کے حوالہ کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ اب بھی وہی مالک ہیں پھر بھی وہی
ہونگی اور اگر فی الواقع سلطان المعظم کو اپنی قوم و مذہب کے لائق آدمی میسر نہیں آتے اور نہ ترک لائق
ہونیکی کوشش کرتے ہیں تو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسے سلطان المعظم یا غازی عثمان و غازی
احمد مختار کیا کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بے انتظامی کیا ہو سکتی ہی کہ یمن عرصہ سے بغاوت کیلئے تیار ہو
رہا ہی۔ مگر حکام صوبہ کے کان پر جوں تک نہ چلی اور اُنکو ہوش آیا جبکہ سرکاری افواج کو پے در پے
چند شکستیں ہو گئیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ دو ہفتہ سے اس بغاوت کے متعلق کوئی تازہ خبر نہیں آئی جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کا انتظام معقول ہو گیا۔ ۲ دسمبر ۱۸۹۵ء۔

سِک مین اور اُسکا دار السعادت

یہ عجیب سرخی دیکھکر ناظرین کو تعجب ہوگا کہ سِک مین کے ساتھ دار الشفا تو موزون
ہو سکتا ہی مگر دار السعادت تو کسی طرح موزونیت نہیں رکھتا۔ حقیقت میں جب تک اس راز سربستہ کا
اظہار نہ ہوگا۔ جو اس سرخی میں رکھا گیا ہی کبھی تعجب رفع نہیں ہو سکتا۔

یورپین اور اخبار سِک مین اُسے کہتے ہیں۔ جو ہمارا امیر المومنین ہی اور جسے ہم حافظ حرمین
شریفین امیر المجاہدین اعلیٰحضرت سلطان المعظم کے نام سے پکارتے ہیں۔ دار السعادت اُسکے خزانہ
کا نام ہی جہاں تمام ملکی نقد و جواہر اور شہنشاہان سابق کی دولت ٹھسا ٹھس بھری ہوئی ہی
چونکہ اس مختصر توضیح سے ناظرین کا تعجب دور ہو گیا ہوگا۔ اسلیے دونوں الفاظ کی کیفیت

پر کچھ بحث کرتا ہوں۔ کہ سِک مین کیونکر نام پڑ گیا۔ اور خزانہ سلطانی میں کتنی دولت ہے۔ یا بیچارہ دار السعادت انگریزی اخبارات اور بعض نئی روشنی کے ہندو مسلمانوں کے خیال کے بموجب خزانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ یا اسی طرح سے پُر ہے جیسا سلطان سلیمان کے زمانہ میں تھا۔

نکولس زار روس نے سر جارج سیمور سفیر انگریزی متعینہ روس سے معمولی طور پر اثنائے گفتگو میں ٹرکی کی نسبت "سِک مین" یعنی بیمار کا لفظ ۱۴ جنوری ۱۸۵۳ء کو استعمال کیا تھا۔ تمام دنیا میں یہ لفظ ایسا مشہور ہو گیا کہ آخر کار یورپ میں یہ لفظ گویا ٹرکی کا مترادف ہو گیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سِک مین ابھی ابھی اُسی حالت میں ہے یا صحیح و تندرست اور قوی ہو گیا ہے؟ ہم اسکا جواب ٹرکی کی موجودہ حالت پر موقوف رکھتے ہیں۔ اور اپنے اس مضمون کیطرف جو چودھویں صدی ۱۳۱۲ھ میں چھپ چکا ہے۔ اور جسکی سرخی "اعلیٰحضرت سلطان معظم کا زمانہ سلطنت" ہے ناظرین کی توجہ پھیرنا چاہتے ہیں۔

گو ٹرکی کا نام ۱۸۵۳ء میں سِک مین تسلیم ہو چکا تھا۔ مگر ۱۸۷۷ء کی جنگ میں بھی سِک مین ایک دیو اور قوی ہیکل پہلوان سے ہم نبرد ہو چکا ہے۔ جسکی مفصل کیفیت بعض انصاف پسند انگریزوں نے بھی قلمبند کی ہے کہ سِک مین نے کیسے کیسے گھٹنے دیو کو دیئے اور کتنے کتنے زور کے ریلے اُسکے سہے۔ اس معرکہ کی مفصل کیفیت بیان کرنی لاحاصل ہے۔ بیسیوں کتابیں ان حالات سے بھری پڑی ہیں اور لاکھوں آدمیوں کو سِک مین کی کشتی کے داؤ پیچ اور کئی کئی بار قوی خوفناک پہلوان روس کو چت کر دینا یاد ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۴ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں سر سید نے پروفیسر مسٹر ایڈورڈ مانٹیٹ صاحب (جو سوئٹزرلینڈ کے شہر جنیوا میں عبرانی کے پروفیسر ہیں) کا لکچر نقل کیا ہے۔ اُسکا ایک جملہ بطور تمثیل کے ہم بھی یہاں نقل کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ سِک مین کی کیا حالت ہے اور اُسکے اعضا کتنے کمزور یا قوی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"ایشیائے کوچک۔ کردستان۔ میسوپوٹیمیا۔ عراق عرب۔ شام۔ فارس۔ افغانستان۔ بخارا۔ ترکستان وغیرہ۔ مذہب اسلام کے قلعے تصور کرنے چاہئیں۔ لیکن اسکے مقبوضہ ممالک کو کتنے ہی وسیع خیال کر لیے جائیں مگر محدود نہیں ہو سکتے۔ جن ملکوں کا پورا نام لیے گئے ہیں۔ انہیں سے دو مختصر اندرونی حصوں کے سب ملک اسی سلطنت میں ہیں جسے سِک مین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔" اور مذہبی کو اسلام کے قلعے کامل پروفیسر تسلیم کرتا ہے۔ آگے چل کر انہیں حصوں کی جغرافیہ مضبوطی کی نسبت لکھتا ہے۔

(مولیشا میں اصلی یعنی اسلام کی) بالکل مختلف صورت ہی اسلام اس وسیع براعظم کے ہر حصہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اکثر مقامات میں نہایت مضبوطی کیساتھ قائم ہوگیا ہے اور روز بروز تعجب انگیز استحکام مستقل کامیابی اور کامل فتحمندی کے ساتھ آگے بڑھتا جاتا ہے۔

اسکے بعد اب دار السعادت کی کچھ دلچسپ کیفیت لکھتا ہوں۔ جو سب سے زیادہ لطف افزا اور عجیب و غریب ہے۔ ہم میں پہلے گذارش کرچکا ہوں کہ ترک سلطانی خزانہ کو دار السعادت کہتے ہیں اس خزانہ کی جگہ اور کیفیت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ اور سوا ــــ اعلیٰحضرت سلطان المعظم کے یا جسے حضور اپنے ساتھ لیجائیں کوئی شخص حتی کہ ولیعہد یا بیٹے یا دیگر غلام بھی نہیں جا سکتا۔ حاکم وقت کو اسے اپنے تصرف میں لانے کا اسوقت اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب سلطنت کے قبضوں میں دم آجائے اور یہ یقین کرلیا جائے کہ اب سلطنت نہیں بچیگی۔ اور بغیر خرچ کیے چارہ نہیں۔ دار السعادت کے دروازہ پر ایک قیمتی پتھر لگا ہوا ہے جسپر حکمران وقت کو اس خزانہ کے مکمل صرف کرنیکی قسم دیگئی ہو اور یہ تمام باتیں روشن خط میں کندہ ہیں۔ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا ہے۔ اور پہلی مرتبہ اس خزانہ میں جاتا ہے تو پتھر کی باتوں کو دیکھکر یہ عہد کرلیتا ہے۔ کہ میں کبھی ان باتوں سے روگردانی نہ کرونگا۔ اور اپنے زندہ و توانا خدا کے آگے سچے اور خالص دل سے قسم کھاتا ہے جب یہ سب کچھ ہوچکتا ہے۔ پھر دار السعادت کے اندر جاکر سیر کرتا ہے

عہد ایوان میں جو دولما باغچہ کے قریب ہے۔ ایک بہت بڑا سنگ مرمر کا دیوان عام ہے اسکے گرد بلند دیواریں پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اور اسکی چھت حمام کیطرح بنی ہوئی ہے۔ اسکا فرش بالکل گلابی پتھر کا ہے اسکے اوسط میں ایک حوض ہے جسمیں ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے۔ اور یہ پانی باسفورس سے آتا ہے۔ اور پھر چند گز آگے بڑھکر آپ سے آپ پانی نکلتا ہے۔ تاکبھی صفائی کیلئے ملازموں کی ضرورت نہ پڑے۔ یہیں ایک چبوترے سے نیچے دروازہ سے داخل ہوسکتے ہیں۔ جو حرم سرا اندرون کے کمرہ میں لگا ہوا ہے۔ اور اس دروازے کی کنجی ہر وقت سلطان وقت کے پاس رہتی ہے۔

حوض پر ہمیشہ سرو کی لکڑی کا بڑا تختہ ڈھکا رہتا ہے۔ جب سلطان وقت خزانہ میں جانا چاہتا ہے تو اس حوض میں تختہ ہٹا کر دیکھتا ہے۔ اور تہ میں پہنچکر ایک پیچ چلاتا ہے۔ پیچ پھرتے ہی چھوٹا سا آہنی برج پانی پر نکل آتا ہے۔ سلطان عبد العزیز کبھی کبھی اسی برج کے راستے سے دار السعادت میں داخل ہوئے ہیں اور باہر نکال نکالکر جواہرات وغیرہ کا معائنہ کیا ہے۔ یہ تحقیق نہیں معلوم کہ اس برج میں مکان کسقدر بڑا ہے۔ اور کس ترتیب سے جواہرات یا نقد روپیہ رکھا ہوا ہے۔ مگر ہاں ایکدفعہ سلطان عبد العزیز نے چند بیش قیمت چیزیں حوض کے کنارے پر غلام سے نکلوا کر ملاحظہ فرمائی تھیں غلام

خاص اور ایک سرکیشیا کی لونڈی تھی جنہوں نے بلکہ سلطان عبد العزیز کے آگے چمڑے کی تھیلیاں جنمیں
جواہرات بھرے ہوئے تھے لا کر رکھی تھیں۔ ان جواہرات کو دار السعادت کی بنا تھا اور لازوال دولت کا
کافی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ جواہر جو تھیلیوں سے نکال کر سلطان کے آگے رکھے گئے تھے۔ بیشتر الماس اور زمرد تھے
جنمیں چھوٹے چھوٹے سبز رنگ کے معلوم ہوتے تھے کچھ بعد میں جڑے ہوئے تھے کچھ پیٹیوں کو لا کے پڑ تلوں اور
شاہان یورپ و ایشیا کے تاجوں کو بچے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ علاوہ تھیلیوں کے ایک پرانا گٹھڑ ریشمی رومالوں کا بھی
سلطان کو حکم سے لایا گیا تھا۔ ان رومالوں میں بڑے بڑے ہیروں اور بیش قیمت موتیوں کی چادریں تار ٹے
کی بھی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے صندوقچوں میں بڑے بڑے ہیرے اور یاقوت روئی کے پھاہوں میں لپیٹے رکھے تھے
ایک مخبر کو تعجب با کمال نعمت کا انظار آیا۔ صندوقچوں میں یاقوت اتنے بڑے تھے جنکی معقول طور پر دید بیان ہو
سکتی ہے۔ اوصاف معروف میں آ کر قرآن مجید کا ایک سورہ کندہ ہو سکتا ہے۔ بعض الماس اتنے بڑے تھے
جیسے چڑیا کا انڈا۔ بہت سے ہار ایسے نکلے۔ جنمیں اٹھاتوے اٹھانوے دانے یاقوت کے تھے۔ انکے علاوہ
لاجورد ما فیروزے اور بیا موتیوں کے بھی ہار تھے غلام بہت سی کشتیاں نکال لائے۔ جو سنگ یشب یا مرجان
عنبر اور طلا کی تھیں۔ اور یہ سب کل اور مرصع تھیں۔ ان چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں جو کپڑے کی
تھیں [illegible] جامت تھی۔ اکثر تھیلیوں میں کروڑہا روپیہ کے جواہر
نکلنے کی امید تھی۔ کھولی نہیں گئیں جب دیکھتے دیکھتے سلطان کی تسکین ہو گئی اور مافوذ جواہرات
دیکھنے سے منع فرما دیا گیا تو ابھی تک دار السعادت کا ایک کونہ بھی خالی نہ ہوا تھا۔ اگر کل جواہر جو اس
سلطان المعظم دیکھنا چاہتے تو شاید دو تین مہینے میں بھی مشکل سے ملاحظہ فرما سکتے۔

جہاں تک مجھے خزانہ دار السعادت کی بابت تحقیق ہوا ہے اور جنکی چیزیں سلطان عبد العزیز
ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔ انکی کیفیت تو اختصار کے طور پر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔ زیادہ حالات سے
مجھے قابل اطمینان واقفیت نہیں ہے۔

یہ تحقیق معلوم ہو گیا ہے کہ دار السعادت میں جواہرات اور موتیوں سے بنی ہوئی فرش بھی ہیں عمدہ
عمدہ زین۔ زرہ بکتر اور گھوڑوں کا ساز و یراق مرصع۔ بندوقیں مرصع الماس اور کلغیاں مرصع۔ اور درباری
کرسیاں مرصع۔ ہاتھی دانت کی قیمتی گھنے اور سہولات مثل گلدانیں ہیں۔ اور آئینے کثرت سے رکھے ہوئے ہیں بہت
چیزیں ایسی دیکھی جائینگی جنکے تختے طلا جوڑے ہیں۔ بلوری ڈنڈیاں اور جھاڑ کل ہیرے زمرد اور لعل کے ہیں
سوائے اسکے اور کچھ بیان نہیں ہو سکتا کہ اگر کل یہ جواہر فروخت کیا جاوے تو یورپ کی دولتمند سے دولتمند
سلطنت بھی اسے نہیں خرید سکتی۔

یہ اُن جواہرات کا ذکر نہیں جو محل یلدز میں کمروں سے سجے ہوئے ہیں۔ اور جن سے اعلیٰحضرت سلطان اعظم کی
بیوی اور بیٹیوں کے سنگھار سے سجے ہوئے ہیں۔ اُنکی مختصر کیفیت جمیلہ بیگم نے ٹائمس آف انڈیا بمبئی اخبار میں اردو
ترجمہ ہوکے طبع کرائی تھی اور لکھا تھا کہ جب مجھکو اعلیٰحضرت سلطان اعظم کی صاحبزادی عثمان پاشا فاتح پلیونا کی بہو کی
حضوری حاصل ہوئی تو مینے ہر شہزادی کی چوٹی میں ایک ہیرا دیکھا جو کوہ طور اور کوہ نور ہیروں سے بہت بڑا تھا۔ اسکے
علاوہ جمیلہ بیگم نے اور بھی جواہرات کا بیان کیا ہے۔ جو اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جن سے ہر شہزادی کے سینے کے
کرتے سجے ہوئے تھے۔

خیرالدین پاشا

پچھلی صدی کی اسلامی تاریخ میں خیرالدین پاشا نہایت قابل وقعت جگہ رکھتا ہے۔ اور بلحاظ علمی و
دماغی ملکی اور فوجی اعلیٰ درجہ کی لیاقت کے اس زمانے کے اسلامی ہیروز میں شمار کیے جانیکے قابل ہے۔ جو نمایاں کام
ٹیونس میں اسکی ذات سے ظاہر ہوئے جو اصلاح سلطنت ٹیونس کے ہر صیغہ جزوی و کلی میں اسکے ہاتھوں سے ہوئے
جس خوبی اور لیاقت اور روشن ضمیری سے عہدہ وزارت ٹیونس کا کام اُسنے انجام دیا اور جس حسن انتظام
اور لیاقت کیوجہ سے سلطان اعظم عبدالحمید نے اُسکو سلطنت ٹرکی کا وزیر اعظم بنایا یہ سب فخر کیساتھ بیان
کیے جاسکتے ہیں۔ اور جو مقصد کہ ایک سوانح عمری سے ہوتا ہے یعنی آئندہ نسلوں کو اہم اور اعلیٰ عبرت
تحریص اور تنبیہ۔ وہ ان واقعات سے پوری طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ چند سال گذرے ایک نہایت مفید کتاب
"اقوم المسالک" جو اسی لائق مصنف کے قلم سے نکلی ہے عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کرکے "منتظم الممالک"
کے نام سے علیگڈھ سائنٹفک سوسائٹی نے شائع کی ہے۔ اس نامور شخص کا مختصر حال و چند اصلاحات کا جو اسکے
ہاتھ سے ظہور میں آئیں مختصر ذکر ہدیہ ناظرین ہے۔

خیرالدین کا اصلی وطن جبال قوقاز میں تھا۔ قسطنطنیہ میں پیدا ہوا اور ٹیونس میں احمد پاشا کے سایہ
عاطفت میں پرورش پائی۔ شروع زمانہ طالب علمی میں ہی اسکی ذہانت اور اولوالعزمی کے آثار ظاہر تھے۔ چنانچہ
تحصیل قرأت اور کتابت کے ساتھ ہی فوجی تعلیم پالیٹکس تاریخ و منطق کو نہایت توجہ سے پڑھا اور زبان فرنچ
میں ملکہ پیدا کیا۔ اور اگرچہ یورپ میں علوم اور زبانوں سے بخوبی ماہر تھا۔ بایں ہمہ شریعت اور علماء شریعت کی
نہایت وقعت کرتا تھا۔ مذہبی رسوم کا محافظ تھا۔ بلند ہمت تھا۔ اسکے مزاج میں اسقدر وقار تھا کہ جو شخص
اس سے واقف نہ تھے اُسکو متکبر سمجھتے تھے۔ مگر ملاقات ہو جانے پر اُنکو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ خوش خلق
تکبر سے پاک راسخ العقیدہ ثابت قدم اور اولوالعزم تھا۔ رفتہ رفتہ احمد پاشا ہی میں فوجی صیغہ میں ایک اعلیٰ عہدہ تک
پہنچا اور مصطفیٰ خزنہ دار کی بیٹی سے شادی کی اسکے بعد سنہ ۱۲۶۹ھ میں احمد پاشا نے اسکو امیر اللوا مقرر

مقرر کیا۔ کریمیا کی لڑائی میں بھی اسنے بڑا حصہ لیا یعنی ٹرکی سلطنت کی مدد کے لیے فوجی اور مالی قوت
فراہم کرنے میں مشغول رہا۔

محمد پاشا نے ۱۸۵۷ء میں اسکو عہدہ وزارت بحریہ پر مامور کیا۔ وہ اس عہدہ کا کام دیتا رہا اور
چونکہ والی ملک کو اسپر پورا اعتماد تھا اسلیے انتظامات ملکی میں بھی ہمیشہ اس سے مشورہ لیا جاتا تھا اسوقت
حلق الوادی کی جو ٹیونس کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے حتی الامکان حالت درست کی اسوقت تک محکمہ وزارت
کا کام کسی قواعد کی پابندی سے نہیں ہوتا تھا وزیر موصوف نے ہی اول تمام کارروائی روزانہ کیلیے ضوابط
مقرر کیے ٹیونس کی اکثر اراضی پر غیر ملک والوں نے بلا وجہ قبضہ کر رکھا تھا انسے اس قبضہ کی بابت مختلف معاہدے
تحریر کرائے۔ ان معاہدات کو دول خارجیہ کے نمائندوں نے اتفاق کیا۔ اور اس تجویز سے بڑا نفع پہونچا اور
کرایہ اراضی کا کل حاصلات کے لیے مقرر ہوا وہ جامع مسجد حلق الوادی پر وقف کیا اور اس طریق سے جامع مسجد
کو بہت رونق ہوئی۔ جسر یعنی پل کا از سر نو بنوانا اور شہر کو درست و پختہ بنانا اور عمدہ طرح انکا انتظام کرنا محکمہ
وزارت کیلیے عالیشان عمارت بنوانا وغیرہ وغیرہ سب ترقیاں وزیر موصوف کے زمانہ وزارت بحریہ میں
اور خاص اسکی کوشش سے ہوئیں۔

چونکہ وزیر خیرالدین کا میلان آزادی اور عدالت کی طرف تھا اور نہایت خوش تدبیر اور وسیع خیال تھا
اسلیے قوانین کو وضع کرنے میں اسکو بہت کامیابی ہوئی اور مجلس واضع قانون کا عرصہ تک صدر رہا۔

جس زمانہ میں کہ وزیر موصوف مجلس الخاص کا ایک ممبر تھا۔ اسوقت ایک مسئلہ پیش ہوا کہ اوقاف سے جو
بعد اخراجات کے رقوم فاضل ہوتی ہیں انکو اخراجات فوج میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ایک عالم مالکی نے
جو اسوقت مفتی تھے اس بنا پر جواز کا فتویٰ دیا کہ اوقاف کی بچی ہوئی رقم کا نیک کاموں میں صرف کیا جانا
امام مالک بن انس سے مروی ہے اور چونکہ فوج کا قیام نیک کام ہے اسوجہ سے اس رقم کا فوج میں صرف
کیا جانا جائز ہے۔ وزیر خیرالدین نے اسکی مخالفت کی اور یہ دلیل بیان کی کہ فوج کے مصارف کیلیے بیت المال
سے ایک حصہ شرعاً مقرر ہے پس جبکہ مقررہ اخراجات فوج میں تمام و کمال صرف ہو چکے اور پھر بھی
ضرورت رہجائے اسوقت یہ فتویٰ جائز ہے مگر جب بیت المال کی آمدنی مصارف بیجا اور غیر مشروع
میں صرف کر دی جائے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اوقاف کی رقم کو قیام فوج
میں صرف کرنا بالکل ناجائز ہے حقیقت میں یہی طریق حق ہے۔

نہایت قابل قدر صفت جو وزیر خیرالدین میں تھی اور جو اب اسلام میں فی زمانہ نہایت کم
ہو گئی ہے۔ یہ تھی کہ جب امور ملکی میں مصروفیت کم ہو جاتی تھی۔ اور مشاغل علمی کیلیے فرصت ملتی تھی۔ تو

وقت مطالعہ کتب تصنیف اور تالیف میں سرگرمی سے معروف ہو جاتا تھا۔ چنانچہ کتاب اقوام المسالک
اسکی فرصت کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

جب کبھی معاملات ملکی میں پیچیدگی ہو جاتی تھی۔ تو وزیر خیرالدین پر ہی سب ملکی و ملت
اور غیر قوموں کی نظر پڑتی تھی۔ ایسے موقعہ پر جو تقریر وزیر موصوف کی ہوتی تھی وہ ہمدردی اور حب
الوطنی اور وفاداری سے بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ جب دول ثلاثہ فرانس، اٹلی، اور انگلینڈ نے ۱۸۶۹ء
میں نسبت تکالیف ممبران کمیشن مالی زور دیا۔ اور والی ٹیونس نے مجلس شوریٰ میں اسکے جانچ کے
لیے باتفاق رائے وزیر خیرالدین کا اسکی تحقیقات اور عملدرآمد کے لیے مقرر کیا جانا تجویز کیا۔ اسوقت
وزیر موصوف بھی موجود تھا اور آپ نے ان عجیب الفاظ میں گفتگو کی کہ آپ صاحبوں نے جو یہ عہدہ میرے
سپرد کیا ہے مجھے کچھ عذر نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے آقا والی ملک اور ہمارے ملک کی خدمت ہر حالت
میں مجھپر فرض ہے۔ البتہ اس امر اہم میں آپ سب صاحبوں کی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سب صاحب یہ
کرینگے تو آپکی مہربانی ہے اور اگر مجھپر ہی بار رہیگا تب بھی کسی طرح مجھسے پہلو تہی نہ ہوگی میرے کہنے کی
غرض یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ تک خدمت کروں اسکے بعد کوئی دوسرے صاحب اس خدمت کو انجام دیں۔

اس موقعہ پر وزیر موصوف نے نہایت قابلیت کے ساتھ حقوق حکومت کا پورا خیال رکھکر کمیشن کے
حقوق کا خاطر خواہ تصفیہ کیا۔ ایسی نازک حالت تھی کہ اگر دور اندیشی سے کام نہ لیا جاتا تو ممبران کمیشن کو
اور رونق انتظام ملکی میں خلل ہو جاتا۔ مگر اسنے والی ٹیونس کو رائے دی کہ کمیشن کے پریسیڈنٹ کو اپنا
ایک قسم سینک تھا اور وزیر الاکبر کا خطاب دیجیے تاکہ وہ بہ نگرانی حکومت اپنی خدمت انجام دے۔

اب ہم چند خاص انکی اصلاحوں کا ذکر کرتے ہیں جو وزیر خیرالدین کے ہاتھ سے ظہور میں آئیں۔

(۱) سابق میں زیتون پر اسقدر سختی سے خراج مقرر کیا گیا تھا اور ایسی سختی سے وصول کیا جاتا تھا کہ جو لوگ
زیتون کی زراعت کرتے تھے انہوں نے اس خیال سے کہ یہ مطالبات حکومت سے محفوظ رہیں زراعت
چھوڑ دی تھی اور ان جنگلوں کو جنمیں زیتون کے درخت تھے جلاکر صاف کر دیا تھا۔ وزیر موصوف نے
اس خراج میں تخفیف کی اور بجائے ڈیڑھ ریال[1] فی درخت کے ایک ریال سے نصف ریال تک فی درخت مقرر کیا
اور اکتیس ہزار درخت کا خراج جو جلا دیئے گئے تھے معاف کر دیا۔ اسکے بعد خراج شرعی یعنی جسقدر زیتون پیدا
ہوا اسکا عشر مقرر ہو گیا۔ اس سے زمینداروں اور عام رعایا کو بیحد نفع پہونچا۔

(۲) زیتون اور خرما کی زراعت بڑھانے کیلیے یہ ترغیب دلائی۔ کہ جو شخص بھی زراعت زیتون اور خرما کی کرے
اس سے پندرہ سال تک محصول نہ لیا جائے۔

[1] ریال تقریباً ۱۰ روپیہ کے برابر ہوتا ہے

(۳) اہل رسائل کو قرضخواہوں کے پنجوں سے رہائی دلائی۔ یہ قرضخواہ اتنے ظلم کرتے تھے کہ جلاد اور
قابض ہوکر قرضداروں کو قید کر دیتے تھے اور جو جائداد منقولہ اور غیر منقولہ قرضداروں کی غیر اشخاص کی
شرکت میں ہوتی تھی اُسے چھین لیتے تھے اور سب پر قبضہ کر لیتے تھے اور مدیون کو دیوالیہ ثابت کرنیکے بعد
ضامن طلب کرتے تھے اور جو قرضدار مر جاتا تھا اُسکی جائداد متروکہ پر قبضہ کر کے بغیر اجازت عدالت کے
بیچ ڈالتے تھے۔ اور اگر قرضدار دیوالیہ ثابت ہو جاتا تھا تو اسکے بدن پر کپڑا اور گھر میں کھانے کیلیے اناج کم
نہیں چھوڑتے تھے۔ قرضدار کو بلا قید مدت قید میں رکھتے تھے۔ وزیر خیر الدین نے ان تمام تعدیوں کو یکقلم
موقوف کرادیا اور بجاے انکے احکام شرعی قائم کیے۔

(۴) جو لوگ ٹیکسوں کی سختی یا ارتکاب جرائم کیوجہ سے ملک سے نکل گئے تھے۔ انکے لیے امن اور عفو منظور کراکر اور
انکو مطالبات حکومت سے بری کراکر بلوالیا اور اسطرح جو لوگ بھاگ گئے تھے انکو بھی دوبارہ ملک میں آنیکی
اجازت دی۔ (۵) جو قرضے کہ ٹونس مع الونیز غیر ملک والوں کے تھے انکو محدود کیا اور ایسی تجویز اُسکے متعلق
کی کہ جانبین کیلیے مناسب تھی یعنی سود کا غیر معمولی حد تک بڑہنا موقوف کر دیا گیا۔ اور قرضہ کے ادا ہونیکے
لیے چند طریقے مقرر کیے گئے تھے مثل تعیین اقساط وغیرہ وغیرہ۔

(۶) سرکاری مطالبات جو لوگوں پر مدت سے چلے آتے تھے۔ اُن سب کو چھوڑ دیا اور اُسکی وجہ سے جو زمینیں
غیر آباد پڑی ہوئی تھیں کیونکہ مالکان اراضی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ انکی سالہا سال کی محنتوں کا ثمرہ بقایا
سابقہ کے ادا کرنے میں چلا جاتا ہے وہ سب آباد ہوگئیں۔

(۷) بعد معزولی وزیر مصطفیٰ کے وزیر خیر الدین کو وزیر اکبر کا خطاب ملا شہر رمضان المبارک سنہ ۱۲۹۰ھ
میں باشندگان شہر و اعیان مملکت نے اس موقعہ کی خوشی میں تمام شہر میں روشنی کی اور اور
شہروں میں بھی ویسی ہی خوشی منائی گئی کیونکہ وزیر خیر الدین بسبب اپنی نیک نیتی حب الوطنی اور فیاضی
اور محنت اور جانفشانی کے ہر دلعزیز تھا۔ اسی سنہ میں اُسنے اوقاف کے انتظام کیلیے ایک کمیٹی قائم کی
اور تمام علاقہ میں نگرانی اوقاف کے لیے مختلف جماعتیں (کمیٹیاں) سربرآوردہ لوگوں کی مقرر کیں ہر کمیٹی
میں ایک رئیس (پریسیڈنٹ) اور ایک نائب (وایس پریسیڈنٹ) اور دو عضو ممبر مقرر کیے اُس
زمانہ میں اوقاف کی حالت بہت اچھی ہو گئی اور ہر جگہ جامع مسجد اور دیگر مساجد اور مدارس قائم
ہوئے اور قرآن مجید کی تعلیم اور دیگر مختلف مدات خیرات کیلیے اوقاف مقرر ہوئے۔

(۸) جامع زیتونہ جو تمام ممالک مغربی کی یونیورسٹی ہے اسکے مدرسین کی تنخواہیں بڑہائیں اور تمام
اضلاع میں قاضی اور مفتی مقرر کیے اور اُنکی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۹) جو لوگ مفلسی کی وجہ سے عدالت میں مقدمات رجوع نہیں کر سکتے تھے انکے لیے وکلا مقرر کیے اور انکی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے مقرر کیں۔

ترکی کی عورتیں

حال میں ایک کتاب بعنوان بالا ترکی کی عورتوں کے حالات پر انگریزی میں شائع ہوئی ہے اس ضخیم ایک ہزار صفحہ کی کتاب کی مصنفہ ایک انگلش لیڈی لوسی ایم جی گارنٹ نامی ہیں جنھنے سالہا سال ٹرکی میں رہکر باوجود غیر زبان اور غیر مذہب اور اجنبی قوم ہونیکے مسلمان عورتوں کے جسقدر حالات قلمبند کرکے مہذب دنیا کے سامنے پیش کیے ہیں آجتک کسی دوسرے نے نہیں لکھے۔ مغربی یورپ ایک زمانہ دراز سے مسلمانوں کی اصلی سوشل حالت کی نسبت بالکل تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ ابتدائی محققین کی تحقیقات پر یا تو تعصب یا سخت لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ انگلستان کا سب سے پہلا سیاح جسنے ترکوں اور مسلمانوں کے حالات میں قلم فرسائی کی ہے اسکے خیال میں ترک آدم کی اولاد ہی نہیں وہ شخص بیت المقدس کے حج کو آیا تھا اور جب وہ حج سے واپس گیا تو اسنے عجیب غریب بیہودے افسانے بیان کیے منجملہ کے ایک یہ بھی تھا کہ ترکوں کی شکل عام بنی نوع سے مختلف ہوتی ہے۔ انکے سر پر ایک سینگ ہوتا ہے اور انکی گردن سارس کی سی ہوتی ہے۔ وہ جنات اور انسانوں کی باہمی ملاپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت آدم بہشت سے نکالکر زمین پر پھینکے گئے اسوقت انکی ہمراہ دوزخ سے کچھ بھوت پریت شیاطین وغیرہ بھی زمین پر اتر آئے تھے اور وہ آکر انسانوں میں آباد ہوگئے تھے آخر کو باہمی ناطہ رشتہ ہونے لگا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سرزمین ایشیا میں ان کی ایک عجیب غریب بیہنگم دوغلی قوم پیدا ہوگئی۔ پھر دوسرا دور تحقیقات کا شروع ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ معتبر خیال کیا گیا کیونکہ اب بھی نصف سے زیادہ یورپ اسی خیال کو اپنے دل میں جمائے بیٹھا ہے۔ جو دوسرے دور کی تحقیق سے پیدا ہوا تھا۔ اس دور کی تحقیق نے اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیا کہ مسلمان اپنی مستورات کو حیوانات کیطرح بے روح مانتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے لیے نہ کوئی عذاب دوزخ ہے اور نہ آرام جنت۔ وہ جانوروں کی طرح مٹی ہوکر یہاں رہجائینگی۔ شعرا کے کلام اور بڑے بڑے مصنفوں کی تصنیفات میں اس خیال کو اکثر مسلمانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ہم دور کیوں جائیں ۱۸۸۸ء میں امریکہ میں مسٹر کلارک نے جو فارن مشن کی کمیٹی کے ایک رکن اعظم تھے بورڈ آف کمشنر کے سامنے اپنی نئی تحقیقات کو بیان کرتے وقت یہ بھی بیان کیا کہ اسلام نے اپنے پیروں کو سکھایا ہے کہ عورتوں کے روح نہیں ہوتی۔ اور اس روشنی کے زمانہ میں امریکہ جیسے ملک کے مقتدر عالم کی تحقیق یہ ہے۔ تو اس سے ایک یا دو صدی پیشتر کے محققین بالکل معذور

ہیں۔ اب گو رفتہ رفتہ علماء اور حکماء نے یورپ کی تحقیق کے مطلع کو تعصب بے سروپا باتوں کے غبار سے صاف کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے تاہم ماسوا چند مصنفین کے اور سب کی یہی رائے ہے کہ مسلمانوں کی مستورات کی اسیرانہ حالت قابل رحم ہے۔ چنانچہ ایک مشنری لیڈی کہتی ہے: "اگرچہ مشرق میں ہماری سفر کی غایت یہ قرار پائی تھی کہ ہم حرم سراؤں کی سیر کریں گی۔ لیکن وہاں پہنچکر ہم نے ان ذلت گاہوں میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ہم اسطرح حرم سراؤں میں جانے سے اپنی بہنوں کو اس غلامی سے آزاد کرنے میں مدد کر سکیں گی تو ہمیں بڑی خوشی سے انہیں داخل ہوتی لیکن حرم سراؤں میں جانا اور وہاں جاکر اپنی بہنوں کو اس قابل نفرت جیلخانوں میں چھوڑ آنا ایسے کام ہیں جن کو ایک کرسچن عورت اپنے اوپر کبھی گوارا نہیں کر سکتی" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ اسلام کے پردہ سسٹم کو کسقدر نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ مسلمان عورتوں کو محض اس بنا پر کہ وہ گھروں میں بند رہتی ہیں قیدی اور لونڈیاں اور کیا کیا کہا جاوے اور ان باتوں کو نظر انداز کیا جائے جنسے کسی آدمی کو اصلی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ محض بازاروں میں اور میلے ٹھیلے سیرگاہوں میں غیر مردوں کے ساتھ پھرنے کا نام کسی عاقل کے نزدیک آزادی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام غلام جن کو بازاروں میں جانیکی ممانعت نہیں آزاد ہی کہلاتے لیکن انسان کی سوشل لائف میں آزادی اور غلامی کے شرائط ہی دیگر ہیں۔ سب سے پہلی اور بڑی شرط آزادی کی حقوق ہیں۔ کتاب زیر ریویو کی مصنفہ نے جابجا عیسائی اور مسلمان عورتوں کا بلحاظ حقوق کے مقابلہ کر کے ثابت کیا ہے کہ اسلامی مستورات کی حالت بہ نسبت عیسائیوں کے بدرجہا بہتر ہے گو وہ اسلام کی موجودہ سوسائٹی کے پردہ رسم کے خلاف ہے۔ جیسے ہر ایک سمجھدار آدمی کو ہونا چاہیئے۔ لیکن اس پردہ کو جو مذہبی فوائد پر مبنی ہے بالکل جائز سمجھتی ہے۔

مس ایم جگارنٹ کے نزدیک اسلام نے لونڈیوں کو بھی اسقدر بڑے حقوق دیئے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی آزاد بیویوں کو نہیں دیئے۔ لونڈیوں کے حقوق پر مفصل بحث کے بعد وہ کہتی ہے "جو ہم اس سے پیشتر لکھ چکے ہیں کہ لونڈیوں سے اسلام اسقدر مہربانی اور فیاضی سے سلوک کرتا ہے کہ عیسائیت کسی طرح اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ گذشتہ تیرہ سو برس سے آج تک ایک آزاد مسلمان عورت کے قانونی حقوق کیا کیا ہیں۔ بحیثیت بیٹی ہونیکے وہ اپنے باپ کی جایداد کی وارث قرار دیگئی ہے۔ باپ کی وفات کے بعد اسکو اسکی جایداد کا ایک مقررہ حصہ ملجائے گا۔ جس کو قانون خود تجویز کرتا ہے اور مقررہ حصے کے حاصل کرنے میں بی بی ہونیکی حیثیت سے

وہ مالک مطلق العنان سمجھی جاتی ہے اُس تمام مال کی جو اُسکو اپنے والدین سے ملتا ہے۔ یا شادی کے بعد اپنے شوہر سے ملتا ہے وہ اپنی زندگی میں جسطرح چاہے اپنے مال کو صرف میں لا سکتی ہے۔ اور اپنی وفات پر جسکو چاہے وصیت کر سکتی ہے۔ کورٹ رچ کا قانون اُسکے لیے بالکل نہیں وہ قانوناً اپنے ... لیے اور نیز اپنے لونڈی غلام کے لیے اپنے خاوند سے نان و نفقہ لے سکتی ہے اسلام نے جسقدر ماں کو عزت اور وقار اور حقوق کا درجہ دیا ہے وہ کسی مذہب نے نہیں دیا۔ جب بچہ پیغمبرؐ کے اس قول کو دیکھتا ہے "جنت ماں کے قدموں کے تلے ہے" تو وہ اپنی والدہ کا جان نثار غلام ہو جاتا ہے"۔

وہ اسلام کے شادی کے طرز کو بہت پسند کرتی ہے۔ نکاح کے وقت مہر کا قرار دینا اسکے نزدیک تمام قوانین سے بڑھکر مفید ہے کیونکہ اس سے ایک تو بی بی کی سوشل پوزیشن بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہی مفید قاعدہ ہے۔ جو عام طور پر طلاق کی سد راہ ہے۔ عیسائی جورو اور خاوند کے درمیان بھی ناچاقی اور دشمنی کا ویسا ہی احتمال ہے۔ جیسے مسلمان بی بی اور شوہر میں لیکن عیسائیوں میں نہ تو مرد اور نہ عورت اپنا پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔ تاوقتیکہ پبلک پر اُن تمام ناپاک اور گندے افعال کو ایک دوسرے کی نسبت ثابت نہ کریں۔ جنکا سرزد ہونا آدم زاد سے ممکن ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں نے انگلش طلاق کے مقدمات کو دیکھا ہوگا۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جب جورو اپنے شوہر یا شوہر اپنی جورو کی بیوفائی ثابت کرنے پر آتے ہیں۔ تو بیحیائی اور پردہ دری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ حالانکہ مسلمانوں میں طلاق کی خبر بجز چند آدمیوں کے جو طرفین کے خویش و اقربا ہوتے ہیں باہر نکلنے ہی نہیں پاتی اسلام نے بی بی شوہر کے تعلق میں زیادہ تر باہمی لگاؤ اور محبت کا جز رکھا ہے اور قانونی رکاوٹیں اور مہر کا قرار دینا مصلحتاً تجویز کیا ہے علاوہ اسکے اپنی بی بی سے ناانصافی کرنیوالا مرد سوسائٹی میں سخت مطعون و ملعون ہوتا ہے جسکی وجہ سے ہر ایک مسلمان کی جرأت نہیں پڑ سکتی کہ اپنی بی بی کو طلاق دے عملاً ایک عیسائی کو طلاق دینی زیادہ تر آسان ہے بہ نسبت ایک مسلمان کے اگر ایک مسلمان اپنی بی بی کو طلاق دیگا۔ تو بی بی کو گلے میں جھولی ڈالکر بھیک مانگنی نہ پڑیگی کیونکہ وہ تمام جایداد جو طلاق کے وقت تک اُسکے قبضہ میں آچکی ہے مع زیورات و برتنوں وغیرہ کے اپنے ہمراہ لیجا دیگی اور علاوہ بریں مہر کا روپیہ الگ۔ حالانکہ اگر عیسائی لیڈی کو اُسکا شوہر قانونی طلاق دے تو اُسکی وجہ معاش کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ لوسی ایم جے گارنٹ نے عام طور پر مسلمان عورتوں

کی حالت کو عیسائی عورتوں پر فائق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اُسنے جو حالات
ترکی کی عورتوں کے دیئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکی حالت بہ نسبت ہمارے ملک کی پردہ
نشینوں کی بہت اچھی ہے۔ ترکوں میں حسب عمومی یہ قاعدہ ہے کہ مستورات برقع پہنکر
جہاں چاہیں جا سکتی ہیں صرف غیروں سے اپنا منہ پوشیدہ رکھنا مطلوب ہے نہ کہ چاند سورج
ہر ایک نیچر کی چیز سے پردہ کیا جائے اور مدام یا تو گھر کی چار دیواری میں بند اور کبھی کہیں
جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ تو پالکی کے بند پردوں میں دم بخت۔ گرما میں سب سے بڑے پاشاؤں
کی بیگمیں اپنی لونڈیوں اور نوکروں کو ساتھ لیکر پہاڑوں کے پر فضا سبزہ زاروں میدانوں اور
چشموں کے پر لطف تفریح گاہوں میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔ عموماً متوسط درجے ترکوں کی
لیڈیاں بھی گرما میں ہر کسی پہاڑ یا میدان کی سیر کو چلی جاتی ہیں اور صبح سے شام تک کسی گل
سبزہ زار یا گلگشت کی سیر کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ آتی ہیں۔ غیر مردوں کی سوا اور تمام
نیچر نے ہمارے لیے فائدہ کی چیزیں بنائی ہیں۔ ان سب سے ایک ترک لیڈی فائدہ اٹھا سکتی
ہے۔ وہ برقع پہنکر بازاروں میں جا سکتی ہے۔ ہوا خوری کر سکتی ہے۔ نیچر کی نیرنگیوں اور
قدرت کے نظارات دیکھ سکتی ہے۔ جب ہم مقابلتاً ہند کی پردہ نشینوں کی حالت پر غور کرتے
ہیں تو سوائے رنج کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ تمام محققین علم حفظان صحت کا اجماع ہے
کہ سوائے کسی قسم کی ورزش کے کبھی کسی آدمی کی صحت ٹھیک نہیں رہ سکتی تمام حکما اور نیز
عوام الناس کا تجربہ ہے کہ سوائے اسکے تمام حواس اور قوائے جسمانی اور روحانی کو کام میں
لانے کے کبھی انسان کو کچھ خوشی حاصل نہیں ہو سکتی لیکن ہماری سوسائٹی کے توہمات
[illegible] نے جہالت پردہ بر پردہ ڈالا ہے کہ مصیبت زدہ پردہ نشینوں کو
اکثر ہوا اور روشنی سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی عورتیں بیس
اور پچیس برس کے اندر ہی اندر اپنی طاقت صحت اور خوبصورتی کو کھو بیٹھتی ہیں اور
اپنی باقی عمر کو مصیبت میں کاٹتی ہیں۔ حالانکہ ترکی میں عورتیں تیس چھتیس برس تک جوان
اور تنومند رہتی ہیں بلکہ اسکے بعد بھی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتیں۔
ترکی میں مستورات کو ملکی معاملات میں بھی بہت کچھ دخل ہے اور تمام سلطنت کے
پالیٹکس بہ لحاظ انکے منحصر ہے۔ سلطان کا حرم تو سلطنت ترکی میں ایک خفیف پارلیمنٹ کا
کام دیتا ہے۔ بعض وقت حرم کی مخالفت کے سامنے خود سلطان کی بھی کچھ پیش نہیں

جاتی۔ عورتوں کا مضبوط حرم کا بہت بڑا رعب ہے اور سلطنت کی بڑی بڑی باتوں پر اکثر وہاں بحث ہوتی ہے
وزیر اعظم کی بی بی کو پالیٹکس میں اسقدر دخل ہے کہ جسقدر اندرونی یا بیرونی معاملات جو شہر میں
اُن تمام کے جلسے میں وزیر اعظم اپنی بی بی سے صلاح و مشورہ کرتا ہے بیشتر بڑے بڑے ملکی افسروں
کی بی بیاں ملکی معاملات سے واقف ہوتی ہیں۔ اور اپنے خاوندوں کو انہیں مشورہ دینے کے قابل
ترک اپنی ماؤں کی جسقدر قدر و منزلت کرتے ہیں۔ شاید ہی اور کوئی قوم کرتی ہوگی ترکی
کی ماؤں کو بھی اپنے بیٹوں سے اسقدر محبت والفت ہوتی ہے اور کسی ملک کی عورتوں میں نہیں
پائی جاتی۔ وہ بچپن ہی سے اپنے بیٹوں کی سخت تربیت میں مشغول رہتی ہیں تا کہ اُن کے
بیٹے اعلیٰ فوجی اور ملکی افسر بننے کے قابل ہو جائیں۔ بچے کی پیدائش پر زچہ اور زچہ سے
تقریباً وہی سلوک ہوتا ہے جو ہمارے ملک میں تنگ مکان میں زچہ کو ایک آدھ ماہ تک
بند رکھا جاتا ہے اور کثرت سے عورتیں ہر وقت اسکو گھیرے رہتی ہیں۔ لڑکے کی
پیدائش پر باپ کو ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے اور وہ سوسائٹی کے قواعد کے رو سے
اس قسم کے خرچ کرنے میں مجبور ہوتا ہے۔ شادی عموماً بچپن میں ہوتی ہے چونکہ کم عمر
سے شوہر کوئی لڑکی کنواری نہیں رہتی۔ اگر رہی تو سخت معیوب خیال کیجاتی ہے۔ جب کسی لڑکے
کی شادی کا وقت قریب آتا ہے تو لڑکے کی ماں لڑکی کی تلاش میں بہت مشغول ہو جاتی
ہے۔ جہاں جہاں اسکو اپنی برادری میں لڑکیوں کا پتہ چلتا ہے۔ وہ خود اپنی لونڈیوں
کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں جا کر لڑکی کو دیکھتی ہے جب وہ لڑکی والے کے گھر جاتی ہے تو دروازے
کے اندر گھستے ہی اپنے آنے کا مدعا ظاہر کرتی ہے جس لڑکی کو دیکھنے آتی ہے وہ فوراً کسی
دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے اور بناؤ سنگار جسقدر اس سے ممکن ہوتا ہے کرتی ہے۔
اس اثنا میں حرم کی تمام عورات مہمان لیڈی سے ملاقات کرتی ہیں اور ادھر اُدھر کی باتوں
میں مشغول رہتی ہیں۔ اتنے میں لڑکی بھی آ موجود ہوتی ہے لڑکی کے دروازے سے قدم
اندر دھرتے ہی تمام محفل اُسکی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اسکی تعریف میں مہمانوں
کی طرف سے سخت مبالغے ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ یہ چاند کہاں ابر میں پنہاں تھا۔ ایسا
چاند ہے کہ سورج بھی اسکی روشنی کو ماند نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ جسقدر ایک عورت کے اعلیٰ
درجے کے حسن کو ایک عورت اپنے الفاظ میں بیان کر سکتی ہے وہ سب بیان ہوتا ہے۔ گو
لڑکی بدصورت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جب لڑکے کی ماں کم از کم پندرہ یا بیس لڑکیوں کا

ملاحظہ کر چکتی ہے۔ اور ہر جگہ لڑکی کی ماں سے چلتے وقت یہ کہتی جاتی ہے کہ اگر قسمت ہوئی تو ہم اس سے بہتر ملاقات کریں گے۔ پھر اکر اپنے خاوند اور بیٹے کے روبرو سب لڑکیوں کی الگ الگ ولدیت بیان کرتی ہے ہر ایک کے حسن و قبح سے اپنے بیٹے کو خصوصاً مطلع کرتی ہے۔ تینوں اپنی اپنی پسند کی لڑکی کے نام لیتے ہیں اور جبپر اتفاق رائے ہوتا ہے اُسکے والدین کو پیغام شادی دیا جاتا ہے اور فوراً شادی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ آجکل خاص قسطنطنیہ میں ٹرکش لیڈیوں پر یورپ کا بہت کچھ اثر ہو چلا ہے۔ اور وہ گھر کے معمولی کاروبار میں کم مشغول ہوتی ہیں۔ اور عموماً یوروپین زبانوں کو حاصل کرنا یا گانا بجانا سیکھنے میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں لیکن اطراف کی لیڈیاں ابتک گھر کا کام خود کرتی ہیں اور اسکو اپنے لیے باعث عار نہیں خیال کرتیں۔

ٹرکش لیڈیوں کی تعلیم بھی بمقابلہ ہندوستان کے کچھ ہے لیکن بمقابلہ یورپ کے انکا اخیر درجہ ہے۔ پہلے اعلےٰ خاندانوں کی لڑکیوں کو دینیات اور موسیقی وغیرہ اپنے پرانے طرز کے سکھلائے جاتے تھے۔ لیکن اب عموماً فرنچ اور جرمن استانیوں سے لڑکیوں کو یوروپین زبانیں اور سینا اور کاڑھنا سکھائے جاتے ہیں مصنف نے تعلیم پر بہت کچھ نہیں لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے خیال میں ٹرکش لیڈیوں کی تعلیم ابھی اسقدر کم ہے کہ قابل بیان نہیں۔ چند عالی خاندان کی لڑکیوں نے حال میں فرنچ اور جرمن ناولوں وغیرہ کے ترجمے بھی کیے ہیں اور ان زبانوں میں کچھ نظمیں وغیرہ بھی لکھی ہیں" ۹ مارچ ۱۸۹۶ء۔

مانشیور ہانوٹو وزیر صیغۂ خارجیہ فرانس اور مشہور و معروف فرانسیسی مصنف نے اعلیٰحضرت سلطان المعظم کی نسبت پیرس کے اخبار ریویو دی پیرس میں ایک مختصر و جامع مضمون شائع کیا ہے جس کا ترجمہ بہت بڑی تلاش سے مہیا کرنے کے بعد ملاحظہ ناظرین کے لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے

"موجودہ ساعت (زمانہ) میں سلطان ٹرکی ہونا کوئی خوشگوار امر اور مزے کی بات نہیں۔ اعلیٰحضرت سلطان المعظم عبد الحمید بیس برس سے حکومت کر رہے ہیں جسکی دلیل انکی ذاتی لیاقت اور طبعی قابلیت پر جس سے انہوں نے رعایا کی پیچیدہ گورنمنٹ کو چلایا ہے۔ دلالت کرتی ہے۔ ان کا قد میانہ رنگ گندمی اور ہاتھ ایسے نازک اور صاف

ہیں کہ کسی نازک سے نازک لیڈی کے بھی نہ ہونگے۔ مگر یہی نازک ہاتھ ان تمام مقدروں
کو پکڑے ہوئے۔ جو ایشیا اور افریقہ کے وسط سے لے کر کوہ بلقان تک کے کل مسلمانوں
کو آپس میں ملاتی ہیں یہی ہاتھ بیت المقدس اور مدینہ کی کنجیاں تھامے ہوئے
ہیں۔ یہی قرآن اور بائبل کو پکڑے ہوئے ہیں انہیں ہاتھوں نے نیزہ و تلوار اور سب
بڑھ کر یورپ کی شورش طاقتوں کی ڈوریاں قابو کی ہوئی ہیں قصہ مختصر یہ ہاتھ جیسے
کچھ نازک ہیں ویسے ہی بہت سے کے ہوئے اور مصروف بھی ہیں۔

جو اوصاف ایک واقعی اور سچے سلطان میں ہونے چاہئیں۔ وہ سب اس کی
ذات میں موجود ہیں وہ کسی طرح بھی یورپین نہیں۔ اور یورپ کو سمجھ رکھنا چاہیے
کہ وہ کسی محمد علی (یورپین نژاد اور یورپین مشرب) سے معاملہ نہیں کر رہا سلطان خالص
ترک اور ایک متقی اور سچا مسلمان ہے۔ جس کا بدیہی ثبوت محل یلدیز کے دیوانخانہ میں
داخل ہوتے ہی ملجاتا ہے۔ دیواروں کے گرد اگرد ترکی صُفّے بچھے ہوئے ہیں۔ جنپر سفید
ریش بزرگ جنکے دیکھنے سے الف لیلہ کے زمانہ کا نقشہ فوراً آنکھوں کے سامنے پھر جاتا
ہے۔ پگڑیاں اور عمامے باندھے اور ہاتھوں میں عنبر کی تسبیحیں لیے منتظر دیدار و مشتاق جمال
بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے مدعا میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کیطرف ایک
نگاہ دیکھ لینا کافی ہے۔ وہ اسلامی دنیا کے تمام اطراف وجوانب سے یہ ثابت کرنے کے
لیے وہاں آئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے امام و خلیفہ وقت کے جان نثار بندے ہیں۔

میلان طبعی کہیے۔ یا ضروریات وقت کا مقتضی سمجھیے سلطان معظم نے جب سے تخت
خلافت پر قدم رکھا ہے ارسطو کے اس مقولہ پر عمل کیا ہے کہ "گورنمنٹوں کو طاقت پکڑنے اور
استحکام حاصل کرنے کے لیے اپنے قیام و بنیاد کے ابتدائی اصولوں کو اختیار کرنا چاہیے" کیا بحیثیت
خلیفہ کیا بحیثیت امیر المومنین۔ کیا بحیثیت سلطان اور کیا بحیثیت بادشاہ اعلیٰ حضرت نے
اپنے منصبی فرائض کے اہم اجزا کی پوری پوری تعمیل کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ان اصولوں کو
ایکدفعہ قائم کر چکنے کے بعد انہوں نے اپنی رعایا کے ساتھ ہمیشہ کمال رحمدلی، فیاضی۔ عدل
و انصاف اور نرمی سے برتاؤ کیا ہے۔ وہ اجنبیوں کی بہت بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں اور کبھی
الطاف خسروانہ مبذول فرماتے ہیں حکومت کے معاملہ میں جسے وہ بذات خود چلا رہے ہیں
انہوں نے اپنے آپکو اعلیٰ درجہ کے تدبر اور قابلیت کا مالک اور حیرت افزا محنتی ثابت کیا ہے

سے بہت بڑھ کر عجیب و غریب اور موثر قوت کمال درجہ ان میں موجود ہے اور جو الہام کی حد تک
پہنچا ہوا ہے۔ وہ جو کہ مخطرات کو فوراً محسوس کر لیتے ہیں اور ان سے بچ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جسکی
بدولت وہ آجتک ان خطروں سے بچے ہیں جو قسمت لگاتار ان کی گھات میں لگی چلی آئی ہے اور وہ برس سے
وہ اپنی قسمت کو بڑی کامیابی سے سنبھالے چلے آرہے ہیں ان کی تخت نشینی کے وقت ملک کی جو کچھ
حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حالت مذکورہ کا درست کر دینا ہی ان کی قابلیت کا پورا ثبوت ہے
اور ان کی اس خدمت کا پتہ دیتا ہے جو انہوں نے اپنے ملک کی کی ہے اور جسکیلئے ملک تاحیات ان کا
گرویدہ احسان رہیگا گو ان خدمات نے بھی جو وقتاً فوقتاً خلافت عثمانیہ کے کئیں ہوتے ہیں۔
قابل قدر خدمات کی ہیں مگر اس نیک نتیجہ کا تمام ظہور بلاشک و شبہ اسی ذی شعور کی ذات بابرکات سے ہوا
ہے سلطان بارہی نفسوں کے سلسلہ کا پچھلا گو تنہا اسی کی ذات پہ جتنا فخر کیا چاہیے وہی اس کام
کے پوری طرح قابل ہے۔

طہران۔ یکم مئی شاہ ایران کو جب کہ وہ ایک مسجد میں جو طہران کے قریب ہے داخل
ہو رہے تھے آج ایک خفیہ شورش نے دل میں گولی ماری۔ شاہ موصوف فوراً محل پہنچائے گئے۔
جہاں وہ آج سہ پہر کو فوت ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (شاہ ایران نہیں
فوت ہوئے۔ بلکہ سلطنت ایران کا خاتمہ ہو گیا)

تعریف وہی معتبر ہوتی ہے جو مخالف یا غیر موافق شخص کی زبان سے نکلے۔ سر فلپ
کری سفیر انگریزی متعینہ قسطنطنیہ اگرچہ اعلیٰحضرت سلطان المعظم کے مخالفوں میں سے نہیں ہیں
تو موافقوں میں سے بھی شمار نہیں کیے جا سکتے۔ انہوں نے حضور ممدوح کی نسبت اپنے
ایک یورپین دوست سے حسب ذیل گفتگو کی ہے:۔

"یہ سراسر جھوٹ ہے کہ سلطان المعظم عیش پرست اور کاہل الوجود ہیں وہ نہایت ہی
محنت کرنے والے ہیں وہ سلطنت کے ہر معاملہ میں بنفس ذاتی طور پر حصہ لیتے ہیں
بلکہ بسا اوقات بہت رات گئی تک وزراء سے مشورہ میں مشغول رہتے ہیں۔ سلطان المعظم
یورپین لوگوں کے سامنے فرانسیسی نہیں بولتے بالعموم منیر اعظم ترجمان ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ
منیر اعظم فرانسیسی نہیں جانتے اس لیے جب کبھی بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوتا ہوں اپنی سفارت
کے صدر ترجمان ڈاکٹر بلاک کو ساتھ لے جاتا ہوں۔"

لیڈی بیری صاحبہ نے بھی اسی قسم کے خیالات سلطان المعظم کی نسبت ظاہر کیے ہیں کہ

بیان ہے کہ میں اکثر سلطان المعظم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں۔ وہ ہمیشہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں اور مجھے اپنے قریب بٹھا کر ترجمان کی وساطت سے گفتگو فرماتے ہیں۔ میں انکے شہانہ رعب و وقار اور دلفریب انداز کو دیکھکر دنگ رہجاتی ہوں۔ انہیں اپنے بچوں سے کمال محبت ہے خاصکر چھوٹا شہزادہ تو ان کو بہت ہی پیارا ہے۔ میں شاہی حرم سرا میں کبھی نہیں گئی۔ ہاں پہلے دونوں وزیر اعظموں کے حرم میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ان کی بیگمات فرانسیسی بولتی تھیں۔ اور ہر طرح سے مہذب اور شائستہ تھیں اُن کا انداز بیشک دل کو بھانے والا تھا۔ ایک پاشا کے حرم سرا میں تو بیگمات نے بالکل یورپین لباس اختیار کیا ہوا ہے۔ میں اکثر دیگر پاشاؤں کے ہاں جاتی رہی ہوں۔ البتہ اب نہیں جاتی کیونکہ میرے انگریزی سفیر کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُنکے ساتھ اسقدر ربط ضبط رکھنے سے خواہ مخواہ شبہ پیدا ہوتا ہے بہت سی ترکی مخدرات جدید تعلیم یافتہ ہیں۔ کہ وہ اخباروں میں مضامین دیتی ہیں۔ مگر ابھی ایسی بیگمات کی تعداد بہت زیادہ ہے جو حرم میں رہنے پر خوش ہیں۔ اور ہم یورپین مستورات کی آزادی پر تاسف ظاہر کرتی ہیں۔

قسطنطنیہ کی نسبت مِلپ کرین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لنڈن کے شور و غل ہنگامہ اور شور و غوغا کی نسبت یہاں بہت آرام ہے یہاں کی آب و ہوا دلکش اور یہاں کی آبادی طرز زیدہ الشکل عجیب فرحت بخش ہے۔ ہاں یہ نقص ضرور ہے کہ وہ انسان کو کسیقدر کاہل بنا دیتی ہے۔ اور وہ تھوڑے عرصہ کی رہائش کے بعد اُسے محسوس ہونے لگ جاتا ہے کہ اس کی چستی میں فرق آرہا ہے۔

ترکوں کے بارہ میں انہوں نے بیان کیا کہ وہ یورپین سوسائٹی میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔ اور یورپین لوگوں کی ہمسائگت اہل جناب کے دور کرنے میں ابھی کامیاب نہیں ہوئی۔ بلکہ بخلاف اسکے ترک اب ان سے پہلے جتنا بھی نہیں ملتے۔ سلطان المعظم ان کو ایسا کرنے کی ترغیب نہیں دیتے۔ بلکہ یورپین سوسائٹی میں شامل ہونے سے اور متنفر کرتے ہیں۔

سعدیہ ۱۲ مئی ۱۸۹۶ء